جدید اضافہ وتخریج شدہ ایڈیشن

معارفِ امّ القرآن

تعوذ، تسمیہ اور سورہ فاتحہ سے متعلق ۱۰۰ عمدہ مباحث پر مشتمل، حلِ بیضاوی اور دورہ تفسیر کے طلباء کے لیے خصوصاً اور دیگر اہلِ علم کے لیے عموماً ایک مستند کتاب

مولانا محمد نعمان

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

استاد جامعہ انوار العلوم، مہران ٹاؤن، کورنگی کراچی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

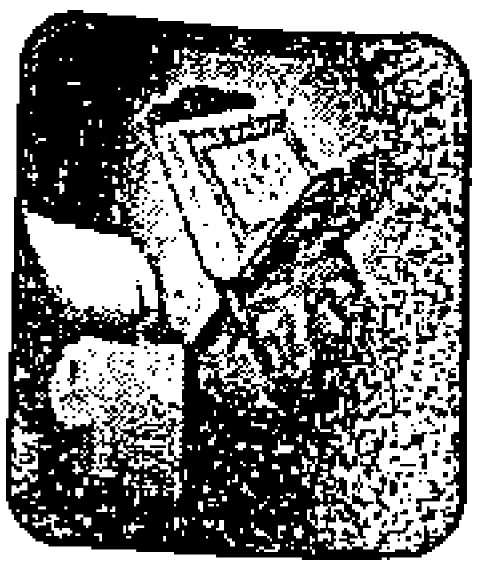

جدید اضافہ وتخریج شدہ ایڈیشن

معارف ام القرآن

تعوذ، تسمیہ اور سورہ فاتحہ سے متعلق ۱۰۰ عمدہ مباحث پر مشتمل، حل بیضاوی اور دورہ تفسیر کے طلباء کے لیے خصوصاً اور دیگر اہل علم کے لیے عموماً ایک مستند کتاب

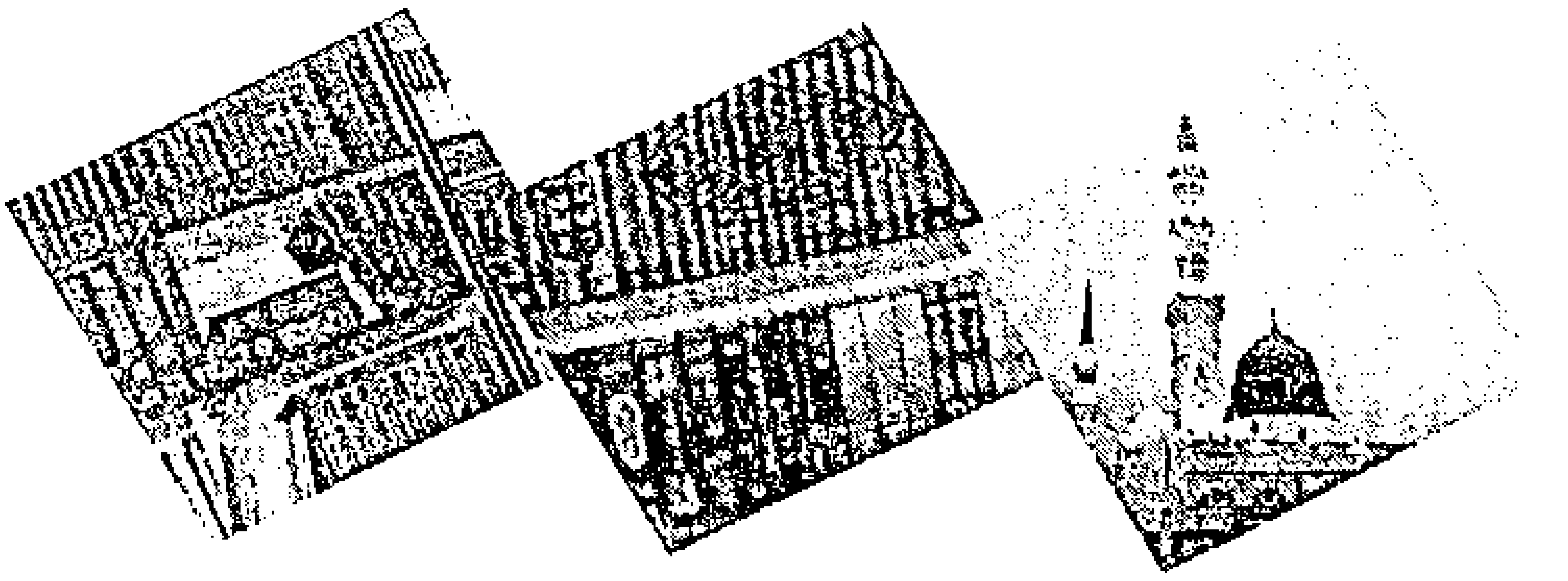

تالیف

مولانا محمد نعمان

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر و مصنف محفوظ ہیں

★ نام کتاب — معارف ام القرآن

★ تالیف .... مولانا محمد نعمان
0332-2557675

★ ناشر .... دار الناشر

★ اہتمام .... مولانا طارق محمود صاحب

★ سن اشاعت .... پیر 30 محرم الحرام 1436ھ 24 نومبر 2014ء

297-16

ملنے کے پتے

☆ ادارۃ العلم ریاض سوک سنٹر نوشہرہ
☆ ادارۃ النور بنوری ٹاؤن کراچی
☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
☆ اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی
☆ مکتبہ القرآن بنوری ٹاؤن کراچی
☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
☆ ادارۃ الرشید بنوری ٹاؤن کراچی
☆ مکتبہ رشیدہ اکوڑہ خٹک
☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور
☆ مکتبہ لدھیانوی بنوری ٹاؤن کراچی
☆ نیازی کتب خانہ اکوڑہ خٹک
☆ مکتبہ امام محمد بنوری ٹاؤن کراچی
☆ مکتبہ الحسن حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ عائشہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

Marfat.com

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ نمبر
تقریظ	۳۷
انتساب	۴۰
مقدمہ	۴۱
قرآنِ کریم کا ایک عجیب معجزہ	۴۶
سببِ تالیف	۴۷
پہلی بحث: قرآنِ کریم میں تعوذ کا ذکر	
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعوذ	۵۳
حضرت یوسف علیہ السلام کا تعوذ	۵۵
والدہ مریم کا تعوذ	۵۶
سیدہ مریم کا تعوذ	۵۸
امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور تعوذ	۵۸
دوسری بحث: احادیثِ مبارکہ میں تعوذ کا ذکر	
۱.....عقائد میں شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ طلب کرنا	۶۰
۲.....نماز شروع کرتے وقت شیطان کے شر سے پناہ طلب کرنا	۶۱
۳.....نماز میں شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ چاہنا	۶۲
۴.....غصہ کے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا	۶۳

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر

۵.....کسی وادی یا منزل پر پڑاؤ کے وقت اللہ کی پناہ میں آنا ۶۵
۶.....مسجد میں داخل ہوتے وقت اللہ کی پناہ میں آنا ۶۶
۷.....مسجد سے نکلتے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا ۶۶
۸..... بیماری کے وقت اللہ کی پناہ مانگنا ۶۷
۹.....بچوں کے لئے اللہ کی پناہ کے خواہاں ہونا ۶۸
۱۰.....صبح وشام کے وقت اللہ کی پناہ میں آنا ۶۸
۱۱.....صبح وشام اور بستر پر لیٹتے وقت اللہ کی پناہ میں آنا ۶۹
۱۲.....برا خواب دیکھنے پر اللہ کی پناہ طلب کرنا ۷۰
۱۳..... بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا ۷۱
۱۴.....مباشرت کے وقت شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ چاہنا ۷۲
۱۵.....سفر کے وقت تعوذ پڑھنا ۷۳
۱۶.....دشمن سے حفاظت کے لئے تعوذ پڑھنا ۷۴
۱۷.....زوالِ نعمت سے حفاظت کے لئے تعوذ پڑھنا ۷۵
۱۸.....بُرے اَخلاق سے تعوذ ۷۶
۱۹.....بے نفع علم سے تعوذ ۷۷
۲۰.....موت کے وقت شیطانی حملہ سے اللہ کی پناہ چاہنا ۷۸
تعوذ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی ۷۸

تیسری بحث: تعوذ سے متعلق فقہی مسائل

چوتھی بحث: تعوذ کو تسمیہ پر کیوں مقدم کیا؟

تعوذ کو تسمیہ پر مقدم کرنے کی چھ وجوہات ۸۰

Marfat.com

صفحہ نمبر	مضامین
۸۰	منفعت کی حقیقت ....
۸۰	مضرت کی حقیقت ....
۸۰	استعاذہ کی حقیقت ....
۸۰	تسمیہ کی حقیقت ....
	پانچویں بحث: تعوذ کے الفاظ کے متعلق
۸۱	اہلِ علم کے ہاں تعوذ میں ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ'' کے الفاظ پڑھنا اولیٰ ہے ....
۸۱	علامہ ابن جزری رحمہ اللہ نے چھ وجوہات نقل کیں ہیں ....
۸۳	علامہ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ کی رائے ....
۸۳	علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے ....
۸۳	علامہ سمین حلبی رحمہ اللہ کی رائے ....
۸۴	علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ کی رائے ....
۸۴	علامہ سراج الدین حسینی کی رائے ....
۸۴	علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری کی رائے ....
	چھٹی بحث: تعوذ کے معنی کے بارے میں
۸۵	عوذ اور لوذ کے درمیان فرق اور ان کا استعمال ....
۸۵	امام قرطبی رحمہ اللہ کے نزدیک تعوذ کا معنی ....
۸۵	حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک تعوذ کا معنی ....
۸۶	تعوذ دُعا کے معنی میں ہے ....
۸۶	فعلِ مضارع کا اصل معنی ....

Marfat.com

صفحہ نمبر	مضامین

ساتویں بحث: تعوذ کے وقت کے بارے میں

جمہور علماء کے ہاں تعوذ کو تلاوت سے پہلے پڑھا جائیگا ۸۶
علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے ۸۶
علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے ۸۷
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے ۸۷
شیخ زادہ رحمہ اللہ کی رائے ۸۷
علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے ۸۸
علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری کی رائے ۸۸

آٹھویں بحث: تعوذ کا حکم

جمہور علماء کے ہاں تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے ۸۸
علامہ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ کی رائے ۸۸
امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے ۸۹
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے ۸۹
علامہ ابن جزری رحمہ اللہ کی رائے ۸۹
قاضی ابو السعود رحمہ اللہ کی رائے ۸۹
علامہ شنقیطی رحمہ اللہ کی رائے ۸۹
علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے ۹۰
افتتاحِ کلام میں تعوذ پڑھنے کا حکم ۹۰
علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کی رائے ۹۰
علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے ۹۰

Marfat.com

صفحہ نمبر	مضامین

نویں بحث: لفظ ''شیطان'' کی تحقیق

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کی رائے ۹۱
امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے ۹۱
علامہ سمین حلبی رحمہ اللہ کی رائے ۹۳
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے ۹۳
علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے ۹۳
ابلیس شیطان کیسے بنا ۹۴
شیطانی شر کی تین صورتیں ۹۴
حضرتِ آدم کو بہکانے کیلئے ایک جملے میں چھ تاکیدات ۹۶
ابلیس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ اللہ تعالیٰ سے میری سفارش کیجئے ۹۷

دسویں بحث: لفظ رجیم کی تحقیق

لفظ رجیم بروزن فعیل بمعنی مفعول کے ہے ۹۷
امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے ۹۸
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے ۹۹
''الشیطان الرجیم'' کے معنوی اطلاقات ۱۰۰
پہلا اطلاق ۱۰۰
دوسرا اطلاق ۱۰۳
ارکانِ استعاذہ ۱۰۴

گیارہویں بحث: تعوذ میں کل چار چیزیں ہیں

مستعیذ، مستعاذ بہ، مستعاذ منہ، مستعاذ لہ ۱۰۵

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر
مستعاذ لہ ذکر نہ کرنے کی وجہ	۱۰۵
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول	۱۰۵
بارہویں بحث: وہ نو آیات کریمہ جن میں انبیاء واولیاء نے شیطان کے شر سے پناہ مانگی ہے	
تیرہویں بحث: بوقتِ قراءت تعوذ پڑھنے کی حکمت	
علامہ ابن جزری رحمہ اللہ کے نزدیک تعوذ پڑھنے کی حکمت	۱۰۸
امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک تعوذ پڑھنے کی حکمت	۱۰۹
علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری کے نزدیک تعوذ پڑھنے کی حکمت	۱۰۹
چودہویں بحث: تعوذ کے متعلق چند اہم سوالات وجوابات	
''أَعُوْذُ'' میں صیغہ واحد متکلم کیوں استعمال کیا جبکہ عموماً دعا کے موقع پر جمع کے صیغے استعمال ہوتے ہیں؟	۱۱۰
جب شیطان عدو مبین ہے تو دفاعی تدبیر کیلئے کیا صرف تعوذ کافی ہے؟	۱۱۰
تعوذ میں دنیا کی تمام مضرتوں اور نقصان دہ اشیاء میں صرف شیطان کا انتخاب کیوں؟	۱۱۱
مضرتِ ثوبی	۱۱۱
مضرتِ جسمی	۱۱۱
مضرتِ روحی	۱۱۱
مضرتِ روح الروحی	۱۱۱
شیطان اور دیگر اعداء میں کیا فرق ہے؟	۱۱۲
چار قسم کی مخلوقات اعمال کے مکلف ہیں	۱۱۳
پندرہویں بحث: تعوذ سے مستنبط دس اہم لطائف	

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر
سولہویں بحث: تعوذ پڑھنے کی سات اہم حکمتیں اور فوائد	
شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے تعوذ پڑھنے کے پانچ فوائد نقل کیے ہیں......	۱۱۷
سترہویں بحث: جنات اور شیاطین کے وجود کے متعلق	
امام رازی رحمہ اللہ نے جنات اور شیاطین کے وجود کے متعلق پانچ آیات اور سات احادیث نقل کی ہیں............	۱۱۸
اٹھارویں بحث: جنات، شیاطین اور ملائکہ کی حقیقت	
انیسویں بحث: تعوذ میں بلاغت کے عمدہ نکات	
بیسویں بحث: تعوذ کی ترکیب	
استعاذہ اور تسمیہ کے درمیان مناسبت............	۱۲۱
پہلی بحث: استعاذہ اور تسمیہ کے درمیان مناسبت	
تسمیہ کو تعوذ سے متاخر کرنے کی حکمت............	۱۲۵
دوسری بحث: تسمیہ کے ذریعے جملہ امور کے افتتاح کی حکمت	
علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی رائے............	۱۲۶
علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کی رائے............	۱۲۶
علامہ ابوالبرکات نسفی رحمہ اللہ کی رائے............	۱۲۶
علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری کی رائے............	۱۲۷
بسم اللہ لکھنے کا طریقہ............	۱۲۷
ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے............	۱۲۸

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر

اللہ تعالی کا عہد نامہ ۱۲۸
امت کے لئے خاص تحفہ ۱۲۸
شریعت کا خلاصہ ۱۲۸
"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" لکھنے کی ابتداء ۱۲۹

تیسری بحث: تسمیہ پڑھنے کے مسنون مواقع

۱.....خط وکتابت کا آغاز بسم اللہ سے کرنا چاہئے ۱۳۰
۲.....وضوء کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے ۱۳۱
۳.....دعاؤں کی ابتداء بسم اللہ سے کریں ۱۳۲
۴.....جس جگہ درد ہو وہاں ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ پڑھنا ۱۳۳
۵.....بیماری کی شفایابی کے لئے انگشتِ شہادت زمین پر رکھیں پھر اسے اٹھا کر یہ دعا پڑھیں ۱۳۳
۶.....کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ۱۳۴
۷.....اگر کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائیں تو یاد آنے پر یہ دعا پڑھیں ۱۳۵
۸.....جانور ذبح کرتے وقت کی دُعا ۱۳۵
۹.....شکار کرتے وقت یا تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھنا ۱۳۶
۱۰.....جس ذبیحہ کے متعلق تسمیہ پڑھنے کا علم نہ ہو تو خود پڑھ لیں ۱۳۶
۱۱.....گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنے کی فضیلت ۱۳۷
۱۲.....سونے سے قبل بسم اللہ پڑھنا ۱۳۸
۱۳.....لشکر کو روانہ کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت ۱۳۸
۱۴.....سوار ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنا ۱۳۸

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر
۱۵.....مباشرت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا	۱۳۹
چوتھی بحث: ''کل امر ذی بال'' والی روایت پر محدثانہ بحث	
۱.....علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ کی رائے	۱۴۲
۲.....علامہ محی الدین نووی رحمہ اللہ کی رائے	۱۴۳
۳.....علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ کی رائے	۱۴۳
۴.....علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ کی رائے	۱۴۳
۵.....حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی رائے	۱۴۴
۶.....علامہ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ کی رائے	۱۴۴
پانچویں بحث: تسمیہ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی	
۱.....حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تسمیہ کی فضیلت کے بارے میں گیارہ روایات نقل کی ہیں	۱۵۱
۲.....علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے سترہ روایات کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے	۱۵۱
۳.....علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ نے آٹھ روایات کو نقل کیا ہے	۱۵۲
۴.....علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری نے آٹھ روایات نقل کیں ہیں	۱۵۲
چھٹی بحث: کیا تسمیہ اس امت کے خواص میں سے ہے؟	
تسمیہ کی ایک امتیازی حیثیت	۱۵۳
ساتویں بحث: تسمیہ سورۃ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں؟	
حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک	۱۵۳
مفسرین احناف رحمہم اللہ کی تصریحات	۱۵۴

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر
۱.....علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ کی تصریح	۱۵۴
۲.....علامہ محمد بن مصلح الدین المعروف شیخ زادہ رحمہ اللہ کی تصریح	۱۵۴
۳.....علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد حنفی رحمہ اللہ کی تصریح	۱۵۵
۴.....علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی تصریح	۱۵۵
۵.....علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تصریح	۱۵۵
امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک	۱۵۶
مفسرین شوافع رحمہم اللہ کی تصریحات	۱۵۶
امام رازی رحمہ اللہ نے اپنے مذہب کی ترجیح پر سولہ دلائل نقل کئے ہیں	۱۵۶
علامہ آلوسی کا امام رازی پر مفصل رد اور مذہب احناف کی مدلل ترجیح	۱۵۶
امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک	۱۵۷
مالکی مفسرین رحمہم اللہ کی تصریحات	۱۵۷
علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی تصریح	۱۵۷
علامہ ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ کی تصریح	۱۵۷
علامہ صابونی کے نزدیک راجح مذہب	۱۵۸
آٹھویں بحث: تسمیہ کو نماز میں جہراً پڑھا جائے گا یا سراً؟	
فقہاء کے مذاہب	۱۵۹
علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احناف کا مسلک راجح ہے	۱۶۰
نویں بحث: تسمیہ کے فقہی مسائل	
دسویں بحث: لفظ باء چودہ معانی میں استعمال ہوتا ہے	
حرف باء کی افادیت	۱۶۱

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر
بائے مصاحبت	۱۶۲
بائے استعانت	۱۶۳
بائے تبرک	۱۶۴
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے	۱۶۴
گیارہویں بحث: لفظ باء کے ذریعے قرآنِ کریم شروع کرنے کی حکمت	
علامہ محمد امین ہرری نے پانچ حکمتیں نقل کیں ہیں	۱۶۵
علامہ موسی روحانی بازی رحمہ اللہ نے چار عمدہ حکمتیں نقل کیں ہیں	۱۶۶
بسم اللہ کے باء کو طویل کر کے لکھنے کی وجہ	۱۶۷
حرفِ باء کو کسرہ دینے کی وجہ	۱۶۸
بسم اللہ کے حرف باء میں تمام مضامین کا خلاصہ ہے	۱۶۸
بارہویں بحث: جار مجرور کیلئے متعلق مقدم نکالیں گے یا مؤخر؟	
تسمیہ میں عامل کے حذف کرنے کی وجہ	۱۷۰
تسمیہ سے پہلے حذفِ فعل کے فوائد	۱۷۰
تیرہویں بحث: لفظِ اسم کے متعلق تحقیق	
لفظِ اسم کا معنی اور ماخذِ اشتقاق	۱۷۱
بصریوں اور کوفیوں کے درمیان اختلاف اور انکے دلائل	۱۷۳
امام بغوی رحمہ اللہ کے نزدیک راجح مذہب	۱۷۴
لفظِ اسم کے زائد لانے میں حکمت	۱۷۵
چودہویں بحث: اسم اور مسمی کا تعلق	
لفظِ اللہ کی حیثیت	۱۷۶

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر
تسمیہ میں لفظ اللہ کو پہلے اور رحمٰن ورحیم کو بعد میں ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے؟	۱۷۷
پندرہویں بحث: لفظ اللہ کے متعلق تحقیق	
لفظِ اللہ کی ترکیب اور اس کی معنوی حکمت	۱۷۸
پہلا قول: لفظِ اللہ کی اصل اور اس کا مادہ اشتقاق	۱۷۸
پہلا مادہ اشتقاق: اَلَہَ (عبادت کرنا)	۱۷۹
دوسرا مادہ اشتقاق: اَلِـہَ (متحیر ہونا)	۱۸۰
تیسرا مادہ اشتقاق: اَلَہَ (سکون پانا)	۱۸۰
چوتھا مادہ اشتقاق: اَلُـوْلُـہُ (عقل کا گم ہونا)	۱۸۰
پانچواں مادہ اشتقاق: لَاہٌ (بلندی وارتفاع)	۱۸۱
چھٹا مادہ اشتقاق: لَاہَ یَلُوْہُ (مخفی ہونا)	۱۸۱
ساتوں مادہ اشتقاق: اِلٰـہُ (جھکنا، راغب ہونا اور رجوع کرنا)	۱۸۲
آٹھواں مادہ اشتقاق: اِلٰــہ (پناہ دینا)	۱۸۲
دوسرا قول: لفظ اللہ سریانی زبان کا لفظ ہے	۱۸۴
تیسرا قول: لفظ اللہ صفت کا صیغہ ہے	۱۸۴
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کا قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے قول پر تردید	۱۸۴
چوتھا قول: لفظِ اللہ علم ہے	۱۸۴
سولہویں بحث: جمہور اہل علم کے ہاں لفظ اللہ عَلَم ہے	
ا.....علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی رحمہ اللہ کی رائے	۱۸۵
۲.....شیخ الاسلام علامہ ابو المظفر سمعانی رحمہ اللہ کی رائے	۱۸۵
۳.....محی السنۃ علامہ حسین بن مسعود المعروف بغوی رحمہ اللہ کی رائے	۱۸۶

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر
۴.....علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی رائے	۱۸۶
۵.....امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۱۸۶
۶.....علامہ علاء الدین المعروف خازن رحمہ اللہ کی رائے	۱۸۷
۷.....حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے	۱۸۷
۸.....خطیب شربینی رحمہ اللہ کی رائے	۱۸۸
۹.....علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ کی رائے	۱۸۸
۱۰.....علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی رائے	۱۸۸
۱۱.....علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ کی رائے	۱۸۸
۱۲.....علامہ احمد بن محمد الصاوی رحمہ اللہ کی رائے	۱۸۸
۱۳.....علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے	۱۸۹
۱۴.....علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی رائے	۱۸۹
۱۵.....علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ کی رائے	۱۹۰
سترہویں بحث: لفظ اللہ کی خصوصیات	
امام رازی رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کی دو خصوصیات نقل کی ہیں	۱۹۰
علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کی دس خصوصیات نقل کی ہیں	۱۹۲
ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کی پانچ خصوصیات نقل کی ہیں	۱۹۳
علامہ موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کی پانچ خصوصیات نقل کی ہیں	۱۹۴
ذاتِ باری تعالیٰ پر لفظ خدا کا اطلاق کرنا درست ہے	۱۹۴
اٹھارہویں بحث: اکثر علماء کے ہاں لفظ اللہ اسم اعظم ہے	
امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک لفظ اللہ اسم اعظم ہے	۱۹۵

Marfat.com

صفحہ نمبر	مضامین
۱۹۵	امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک لفظ اللہ اسم اعظم ہے ....
۱۹۶	علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے نزدیک لفظِ اللہ اسم اعظم ہے ....
۱۹۶	ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک لفظ اللہ اسم اعظم ہے......
۱۹۷	محققین علماء کے نزدیک لفظِ اللہ اسم اعظم ہے..................................
۱۹۸	اسم اعظم سے کیا مراد ہے؟...
۱۹۸	مولانا موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ کی تحقیق.....................................
۱۹۹	امام سیبویہ رحمہ اللہ کے ساتھ ذات باری تعالیٰ کا معاملہ..........................
	انیسویں بحث: لفظ اللہ قرآنِ کریم میں کتنی بار آیا ہے؟
۲۰۰	علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ کی رائے ....
۲۰۰	علامہ علی بن احمد العزیزی رحمہ اللہ کی رائے ....
۲۰۰	علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی رائے ....
۲۰۰	شیخ فواد احمد عبد الباقی کی رائے..
۲۰۱	تسمیہ میں اللہ کے تین اسماء ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے؟........................
۲۰۱	''الرحمن'' کے لغوی اور اصطلاحی معانی..
۲۰۲	''الرحیم'' کے لغوی اور اصطلاحی معانی..
	بیسویں بحث: لفظ رحمٰن ورحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں
۲۰۳	علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی رائے..
۲۰۳	امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے ....
۲۰۴	قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے...
۲۰۴	حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے...

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر

علامہ شوکانی رحمہ اللہ کی رائے ۲۰۴
علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے ۲۰۵

اکیسویں بحث: لفظ رحمٰن و رحیم کے درمیان فرق

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے ۲۰۵
علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے ۲۰۶
علامہ بغوی رحمہ اللہ کی رائے ۲۰۶
امام ضحاک رحمہ اللہ کی رائے ۲۰۷
حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی رائے ۲۰۷
مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کی رائے ۲۰۷
شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کی رائے ۲۰۸

بائیسویں بحث: لفظ رحمٰن کا اطلاق غیر اللہ پر جائز نہیں

علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کا قول ۲۰۸
امام قرطبی رحمہ اللہ کا قول ۲۰۸
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کا قول ۲۰۸
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول ۲۰۹
قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کا قول ۲۰۹

تیئیسویں بحث: لفظ رحمٰن کو رحیم پر کیوں مقدم کیا؟

لفظ رحمٰن کو رحیم پر مقدم کرنے کی پانچ عمدہ وجوہات ۲۰۹

چوبیسویں بحث: رحمت کی ایسی جامع تعریف جس کے مراد لینے کی صورت میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا

Marfat.com

صفحہ نمبر	مضامین
۲۱۱	رحمت کی صحیح تعریف: إیصال النفع سواء کان برقة القلب أو بالإرادة
۲۱۲	اللہ تعالیٰ کی حکومت میں اسماء اشخاص کے قائم مقام ہیں
۲۱۲	صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق عمدہ بحث
۲۱۳	مخلوق میں کام اسم کے بجائے مسمّی سے ہوتا ہے
۲۱۳	تکوینیات اور تشریعیات میں اللہ کی رحمت کا غلبہ
	پچیسویں بحث: اسماء باری تعالیٰ میں اعتبار غایات کا ہوتا ہے نہ کہ مبادی کا
۲۱۴	امام رازی رحمہ اللہ کی رائے
۲۱۵	قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے
۲۱۵	علامہ ابو السعود رحمہ اللہ کی رائے
۲۱۵	قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی رائے
	چھبیسویں بحث: لفظ رحمت قرآن کریم میں انیس (۱۹) معانی میں استعمال ہوا ہے
۲۱۸	رحیم درحقیقت اللہ ہی کی ذات ہے
۲۱۹	عوض کی دو قسمیں ہیں۔ جسمانی، روحانی
۲۱۹	روحانی کی چھ قسمیں ہیں
	ستائیسویں بحث: بسم اللہ کے گیارہ عمدہ خواص
۲۲۰	ہر مشکل اور حاجت کیلئے
۲۲۱	بسم اللہ کے عددِ حروف کے موافق پڑھنا
۲۲۱	تسخیر قلوب
۲۲۱	حفاظت از آفات
۲۲۱	چوری اور شیطان سے حفاظت

Marfat.com

صفحہ نمبر	مضامین
۲۲۱	ظالم پر غلبہ
۲۲۱	حفاظتِ اولاد
۲۲۲	کھیتی کی حفاظت اور برکت کیلئے
۲۲۲	حکام کیلئے
۲۲۲	دردِ سر کیلئے
۲۲۲	ذہن اور حافظہ کیلئے
	اٹھائیسویں بحث: امام رازی رحمہ اللہ نے تسمیہ کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں
۲۲۲	بسم اللہ ہر زہر کا تریاق
۲۲۳	فرعون کا دعویٰ الوہیت سے پہلے کا واقعہ
۲۲۴	قومِ نوح کو نجات کا ایک سبب
۲۲۴	قیصرِ روم کا واقعہ
۲۲۵	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ
۲۲۵	بیٹے کے تسمیہ پڑھنے سے عذاب میں مبتلا والد کی بخشش کا واقعہ
۲۲۶	حضرت بشر بن حارث المعروف بشر حافی رحمہ اللہ کا واقعہ
۲۲۸	سورہ توبہ اور جانور کے ذبح کرتے وقت تسمیہ نہ پڑھنے کی حکمت
۲۲۸	تسمیہ میں انیس حروف ذکر کرنے کی دو حکمتیں
	انتیسویں بحث: تسمیہ میں بلاغت کے عمدہ نکات
	تیسویں بحث: تسمیہ کی ترکیب نحوی
	پہلی بحث: سورہ فاتحہ مکی ہے یا مدنی؟

Marfat.com

صفحہ نمبر	مضامین

سورہ فاتحہ کا زمانہ نزول ۲۳۰
اکثر علماء کے ہاں سورہ فاتحہ مکی ہے اور یہی قول صحیح ہے ۲۳۱
علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے ۲۳۱
علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب الفیروزآبادی رحمہ اللہ کی رائے ۲۳۳
علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ کی رائے ۲۳۳
امت کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ میں سات آیات ہیں ۲۳۳
سورہ فاتحہ کے امتیازات ۲۳۴
سورہ فاتحہ کا کون سا حصہ رُقیہ (دَم) ہے ۲۳۵
الحمدللہ میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف فرمائی جبکہ قرآن میں ''فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ'' کہہ کر اس سے روکا گیا ہے؟ ۲۳۶
امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے ۲۳۶
امام ابن العربی رحمہ اللہ کی رائے ۲۳۷
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے ۲۳۹
خطیب شربینی رحمہ اللہ کی رائے ۲۳۹

دوسری بحث: سورہ فاتحہ کے اسماء کے بارے میں

سورہ فاتحہ کے بائیس نام اور ان کی وجہ تسمیہ ۲۴۰
علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کے بائیس نام ذکر کیے ہیں ۲۴۷
امام رازی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کے بارہ نام ذکر کیے ہیں ۲۴۸
علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کے بارہ نام ذکر کیے ہیں ۲۴۸
علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کے تیرہ نام ذکر کیے ہیں ۲۴۸

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر
علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری نے سورہ فاتحہ کے بیس نام ذکر کیے ہیں	۲۴۸
شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے سورہ فاتحہ کے دس نام ذکر کیے ہیں	۲۴۹
تیسری بحث: سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق احادیث	
سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا	۲۴۱
سورہ فاتحہ اللہ اور بندے کے درمیان تقسیم ہے	۲۴۲
تورات وانجیل اور قرآن مجید میں سورہ فاتحہ کے مثل کوئی سورت نہیں	۲۴۳
سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی	۲۴۴
علامہ قرطبی نے سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق چار احادیث نقل کیں ہیں	۲۴۴
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نو احادیث نقل کیں ہیں	۲۴۴
علامہ ابن عادل حنبلی رحمہ اللہ نے چار احادیث نقل کیں ہیں	۲۴۴
قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے سورۂ فاتحہ کی فضیلت پر دس روایات نقل کیں ہیں	۲۴۴
علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ نے پندرہ روایات نقل کیں ہیں	۲۴۵
علامہ ہرری نے سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق پانچ احادیث نقل کیں ہیں	۲۴۵
علامہ زمخشری، قاضی بیضاوی اور علامہ بو السعود رحمہم اللہ نے سورہ فاتحہ کی فضیلت میں موضوع روایت نقل کی ہے	۲۴۵
علامہ عبد الرؤف مناوی اور علامہ عجلونی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے	۲۴۶
''الحمد للہ'' اور ''لا إلہ إلا اللہ'' کی فضیلت کا موازنہ	۲۴۷
سب سے پہلے اور آخر میں کہا جانے والا کلمہ	۲۴۸

Marfat.com

صفحہ نمبر	مضامین
۲۵۸	سب سے افضل ذکر کونسا ہے؟
۲۵۹	چار سورتوں کا افتتاح اللہ تعالیٰ نے الحمدللہ کے ساتھ کیا ہے
۲۶۰	الحمدللہ میں آٹھ حروف ہیں اور جنت کے دروازے بھی آٹھ ہیں
۲۶۰	سورہ فاتحہ اور صفاتِ باری تعالیٰ
۲۶۰	سورہ فاتحہ اور صفاتِ عبدیت
	چوتھی بحث: الحمد میں الف لام کی تحقیق
۲۶۱	علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی رائے
۲۶۱	علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے
۲۶۱	قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے
۲۶۲	علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے
۲۶۲	حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے
۲۶۲	خطیب شربینی رحمہ اللہ کی رائے
۲۶۳	علامہ شیخ زادہ رحمہ اللہ کی رائے
۲۶۳	علامہ قاضی ابو السعود رحمہ اللہ کی رائے
۲۶۳	قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی رائے
۲۶۴	علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے
۲۶۴	علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے
۲۶۴	جمہور اہلِ علم کے ہاں الحمد کو مرفوع پڑھا جائیگا
	پانچویں بحث: حمد، مدح اور شکر کی تعریف
۲۶۵	حمد کی لغوی تحقیق

۱۲۷۳۵۲

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر
حمد کی تعریف	۲۶۶
مدح کی تعریف	۲۶۶
شکر کی تعریف	۲۶۷
چھٹی بحث: حمد، مدح اور شکر کے درمیان فرق اور انکے درمیان نسبتیں	
حمد اور مدح کے درمیان فرق	۲۶۷
حمد اور شکر کے درمیان فرق	۲۶۸
حمد اور مدح کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے	۲۶۹
حمد اور شکر کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے	۲۶۹
لفظ ''للہ'' میں لام تخصیص کیلئے ہے	۲۷۰
ساتویں بحث: الحمدللہ کے جملے میں چار وجہ سے حصر کا معنی پایا جاتا ہے	
آٹھویں بحث: الحمدللہ میں جملہ فعلیہ سے اسمیہ کی طرف عدول کیوں کیا؟	
علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۲
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۲
علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۳
حمد کے ساتھ لفظِ اللہ کے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟	۲۷۳
الحمدللہ کی فضیلت سے متعلق روایات	۲۷۴
نویں بحث: الحمدللہ جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ؟	
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۴
الحمدللہ سے پہلے لفظ ''قولوا'' محذوف نکالنا	۲۷۴
الحمدللہ کے ساتھ رب العالمین کی صفت لانے میں کیا حکمت ہے؟	۲۷۶

Marfat.com

صفحہ نمبر	مضامین

دسویں بحث: لفظ رب کے متعلق تحقیق

علامہ ابن منظور رحمہ اللہ نے لفظ رب کے چھ معانی نقل کئے ہیں ۲۷۷
علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لفظ رب کے چار معانی نقل کئے ہیں ۲۷۷
علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لفظ رب کے تین معانی نقل کئے ہیں ۲۷۸
لفظ رب کے متعلق اہلِ علم کی تین آراء ہیں ۲۷۹
تربیت دو قسم پر ہے ۲۸۱
خالق اور مخلوق کی پرورش میں پانچ فرق ۲۸۱
جن اشیاء سے جسم کو فائدہ ہوتا ہے ان سے عموماً روح کو نقصان ہوتا ہے ۲۸۲
ہر چیز اپنے وجود اور بقاء میں اللہ کی محتاج ہے ۲۸۲
فرعون کا ربوبیت سے متعلق سوال پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جامع جواب ۲۸۳
نظامِ ربوبیت سے توحید پر استدلال ۲۸۴
نظامِ ربوبیت سے وحی اور رسالت کی ضرورت پر استدلال ۲۸۴

گیارہویں بحث: لفظ رب کا اطلاق بغیر اضافت کے غیر اللہ کیلئے جائز نہیں

امام راغب رحمہ اللہ کی رائے ۲۸۵
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے ۲۸۵
علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے ۲۸۵
علامہ ابن منظور رحمہ اللہ کی رائے ۲۸۶
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے ۲۸۶

بارہویں بحث: قرآن کریم میں حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی وہ دعائیں جن میں لفظ "رب" مذکور ہے

Marfat.com

صفحہ نمبر	مضامین

تیرہویں بحث: لفظ ''رب'' قرآن کریم میں پانچ معانی میں استعمال ہوا ہے

لفظ رب پر جب الف لام داخل ہو تو یہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے ۲۹۲

لفظ رب کے متعلق ایک اہم نکتہ ۲۹۳

چودہویں بحث: لفظِ عالمین کی تحقیق

عالم کے متعلق اہلِ علم کے دو قول ہیں ۲۹۴

پندرہویں: بحث لفظ عالمین کے مصداق کے متعلق اہلِ علم کے اقوال

امام قرطبی رحمہ اللہ نے عالم کے مصداق کے متعلق چھ اقوال نقل کیے ہیں ۲۹۵

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے عالم کے مصداق کے متعلق دس اقوال نقل کیے ہیں ۲۹۶

مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کی رائے ۲۹۷

لفظ عالمین کو جمع کے صیغے کے ساتھ لانے میں کیا حکمت ہے؟ ۲۹۷

لفظ عالمین کو جمع قلت کے صیغے کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا جبکہ مقام جمع کثرت کا تھا؟ ۲۹۷

لفظ عالم ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب کو شامل ہے پھر واو نون کے ساتھ اس کی جمع کیوں لائی گئی؟ ۲۹۸

لفظ عالمین میں الف لام کونسا ہے؟ ۲۹۸

لفظ عالمین کو جمع کے صیغے کے ساتھ کیوں ذکر کیا؟ ۲۹۹

سولہویں بحث: لفظ عالمین قرآن کریم میں تین معانی میں استعمال ہوا ہے

افعال کا خالق کون ہے؟ ۳۰۰

''الرحمن الرحیم'' کا ماقبل کے ساتھ ربط ۳۰۰

سترہویں بحث: پچیس آیات جن میں حمد اور ربوبیت کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے

Marfat.com

صفحہ نمبر	مضامین

اٹھارہویں بحث "الرحمن الرحیم" کو مکرر کیوں ذکر کیا؟

امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک تکرار لانے کی وجہ ۳۰۹
خطیب شربینی رحمہ اللہ کے نزدیک تکرار لانے کی وجہ ۳۱۰
"الرحمن الرحیم" کا تکرار دلیل ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ۳۱۰
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ استدلال قوی نہیں ۳۱۱

انیسویں بحث: امام رازی رحمہ اللہ نے "الرحمن الرحیم" کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا واقعہ ۳۱۱
حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کا واقعہ ۳۱۳
کوے کی نشو ونما کے ابتدائی مراحل ۳۱۳

بیسویں بحث: مَالِك اور مَلِك میں فرق

مالک اور ملک دونوں قراءتیں صحیح اور متواتر ہیں ۳۱۵
علامہ زمخشری اور قاضی بیضاوی رحمہما اللہ کے نزدیک راجح قراءت ۳۱۵
اکثر صحابہ اور تابعین کے ہاں "مــالك" والی قراءت راجح ہے ۳۱۶

اکیسویں بحث: مالک والی قراءت راجح ہونے کی دس (۱۰) عمدہ وجوہات

"مــالك يــوم الــديـن" میں ترکیبِ نحوی پر اشکال اور اس کا جواب ۳۱۸
اضافتِ لفظی اور اضافتِ معنوی ۳۱۸
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے ۳۱۹
خطیب شربینی رحمہ اللہ کی رائے ۳۲۰
روزِ جزاء کی ضرورت واہمیت ۳۲۰

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر
''مالك يوم الدين'' کی تفسیر قرآن کریم سے	۳۲۱
چار کبار مفسرین کے نزدیک آیت کی تفسیر	۳۲۱
''مالك يوم الدين'' کا معنی	۳۲۳
لفظ مالک کی جگہ قاضی اور حاکم کے نہ لانے میں کیا حکمت ہے؟	۳۲۳
خالق اور مخلوق کی مدح میں بلیغ لفظ	۳۲۴
''يوم الدين'' کی جگہ ''يوم القيامة'' کیوں نہیں فرمایا، اس میں کیا حکمت ہے؟	۳۲۴
''مَلِك'' اللہ کی صفت ذاتی ہے، جبکہ ''مَالِك'' اللہ کی صفت فعلی ہے	۳۲۴
''مَلِك'' نام رکھنے کا حکم	۳۲۵
بائیسویں بحث: لفظِ ''یوم'' کا استعمال	
لفظِ ''یوم'' تین طرح سے استعمال ہوتا ہے	۳۲۶
علامہ ابو السعود رحمہ اللہ کے نزدیک لفظِ یوم کی عرفی و شرعی تعریف	۳۲۷
تیئیسویں بحث: لفظِ ''دین'' کے معنی کے بارے میں	
لفظِ ''دین'' کی لغوی تحقیق	۳۲۷
علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی رائے	۳۲۸
علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۳۲۹
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۳۲۹
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے	۳۲۹
لفظِ دین قرآن کریم میں چھ معانی میں استعمال ہوا ہے	۳۳۰
روزِ جزا کے متعلق قرآنِ کریم میں استعمال کیے گئے بتیس (۳۲) کلمات	۳۳۰

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر
اللہ تعالی نے اپنی ملکیت کو یومِ آخرت کے ساتھ کیوں مختص کیا؟	۳۳۶
علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی رائے	۳۳۶
علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۳۳۶
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۳۳۷
علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے	۳۳۷
وقوعِ قیامت سے پہلے روز جزاء کی ملکیت کا کیا مطلب؟	۳۳۷
سورہ فاتحہ میں اللہ تعالی نے اپنے پانچ نام ذکر کیے ہیں	۳۳۸
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے عمدہ حسنِ سلوک سے ایک مجوس مسلمان ہوگیا	۳۳۹
چوبیسویں بحث: عبادت کا لغوی واصطلاحی معنی	
عبادت کی لغوی تحقیق	۳۴۰
امام راغب رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا معنی	۳۴۰
علامہ زمخشری رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا معنی	۳۴۱
علامہ نسفی رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا معنی	۳۴۲
امام خازن رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا معنی	۳۴۲
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا معنی	۳۴۲
عبادت کا اصطلاحی معنی	۳۴۳
امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا اصطلاحی معنی	۳۴۳
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک عبادت کا اصطلاحی معنی	۳۴۳
عبادت کی جامع تعریف	۳۴۳
غائب سے خطاب کی طرف عدول کیوں کیا؟	۳۴۴

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر
''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کا معنی	۳۴۵
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک آیت کا معنی	۳۴۵
عبادت اور استعانت کے ذریعے باطل فرقوں سے نجات	۳۴۵
سورہ فاتحہ کا لُبِ لباب	۳۴۶
عبادت کا مفہوم دو بنیادوں پر قائم ہے	۳۴۶
''اِیَّاکَ'' مفعول بہ کی تقدیم حصر اور اختصاص کیلئے ہے	۳۴۷
علامہ زمخشری کے نزدیک تقدیم کی وجہ	۳۴۸
علامہ ابوالسعود رحمہ اللہ کے نزدیک تقدیم کی وجہ	۳۴۸
مفعول کی تقدیم اور فعل کی تاخیر میں حکمت	۳۴۸
پچیسویں بحث: صیغہ ''نعبد'' جمع متکلم ذکر کرنے کی حکمت	
امام رازی رحمہ اللہ کی رائے	۳۴۹
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۳۵۰
علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے	۳۵۱
''نَعْبُدُ وَ نَسْتَعِیْنُ'' کی ضمیر جمع کے مصداق کی تعین	۳۵۲
حمد میں ''لِلّٰہِ'' کی تاخیر اور ''اِیَّاکَ'' کے تقدیم میں کیا حکمت ہے؟	۳۵۳
معبود کیلئے دو صفات کا ہونا ضروری ہے	۳۵۴
عبودیت کا مقام بہت اعلیٰ ہے	۳۵۴
کیا مقامِ عبودیت مقامِ رسالت سے افضل ہے؟	۳۵۵
عابدین کی چار قسمیں ہیں	۳۵۶
چھبیسویں بحث: عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی دس (۱۰) وجوہات	

Marfat.com

صفحہ نمبر	مضامین
۳۵۹	علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی نگاہ میں تقدیم کی وجوہات
۳۶۱	''اِیَّاکَ'' کی تقدیم فعل پر
۳۶۲	لفظ ''اِیَّاکَ'' کو مکرر کیوں ذکر فرمایا؟
۳۶۲	قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے
۳۶۲	علامہ ابو السعود رحمہ اللہ کی رائے
۳۶۳	''اِیَّاکَ نَعْبُدُ'' میں حصر حقیقی ہے اور ''اِیَّاکَ نَسْتَعِینُ'' میں حصر ادعائی ہے
۳۶۳	''نَسْتَعِینُ'' کی صرفی تحقیق
۳۶۳	استعانت کا مفہوم
۳۶۳	مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب
	ستائیسویں بحث: استعانت کی پانچ اقسام
۳۶۴	استعانت کی پہلی اور دوسری صورت کفر اور شرک ہے
۳۶۵	استعانت کی تیسری اور چوتھی صورت حرام ہے
۳۶۵	استعانت کی پانچویں صورت مباح ہے
	اٹھائیسویں بحث: اہلِ بدعت کا استعانت بالغیر پر استدلال اور اس کا کئی وجوہ سے ابطال
	انتیسویں بحث: لفظ عبد اور عبادت قرآن کریم میں تیس (۳۰) طرح سے استعمال ہوا ہے
۳۷۱	آیت کا ماقبل سے ربط
۳۷۲	''اَلصِّرَاطَ'' کو معرفہ ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟
۳۷۳	''صِرَاطَ'' کا ماخذ اور اس کی لغوی تحقیق

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر
جمہور علماء کے ہاں لفظ ''صِـرَاط'' صاد کے ساتھ ہے	۳۷۴
اللہ تعالی نے لفظ صراط کیوں فرمایا لفظ سبیل یا طریق کیوں نہیں فرمایا؟	۳۷۴
تیسویں بحث: ہدایت کا لغوی واصطلاحی معنی	
علامہ ابن عطیہ رحمہ اللہ کی رائے	۳۷۵
علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ کی رائے	۳۷۵
قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے	۳۷۶
امام ابوالسعود رحمہ اللہ کی رائے	۳۷۶
قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی رائے	۳۷۶
''اِهْدِنَـا الصِّـرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' کی تفسیر	۳۷۶
کائنات میں پھیلی ہوئی ہدایت کے مناظر واقسام	۳۷۷
صراط اس راستے کو کہتے ہیں جس میں پانچ باتیں پائی جائیں	۳۸۲
دیانند سرسوتی کا اعتراض اور اس کا جواب	۳۸۲
حصولِ ہدایت کے لئے چھ امور میں تکمیل ضروری ہے	۳۸۳
''اِهْـدِنَـا'' میں ضمیرِ جمع لانے میں کیا حکمت ہے	۳۸۴
صراط مستقیم کی دعا صرف اللہ تعالی سے کیوں کی جاتی ہے؟	۳۸۵
اکتیسویں بحث: لفظ ہدایت کا استعمال اور ہدایت کی اقسام	
ہدایت کی اقسام اور چار درجات	۳۸۸
لفظ مستقیم کی صرفی تحقیق	۳۹۰
بتیسویں بحث: استقامت کا مفہوم	
استقامت کا حکم انبیاء علیہم السلام اور امت دونوں کو دیا گیا ہے	۳۹۲

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر
صراط مستقیم سے روکنے والے پانچ قسم کے افراد ہیں	۳۹۲
شیطان	۳۹۲
سادات وکبراء	۳۹۳
احبار السوء ورہبان	۳۹۳
ہر کافر اور ظالم جو راہ حق سے روکے	۳۹۳
جو اپنے نبی کا مخالف ہو	۳۹۴
صراط مستقیم پر چلنے کا پھل وثمرہ تین چیزیں ہیں	۳۹۴
اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کو دو صفات کے ساتھ متصف کیا ہے	۳۹۵
آیت کریمہ سے شیخِ کامل کی اقتداء کا ثبوت	۳۹۵
قدریہ، معتزلہ اور امامیہ کا رد	۳۹۶
تینتیسویں بحث: صراطِ مستقیم کا مصداق	
صراطِ مستقیم کی تفسیر اسلام اور قرآن سے کرنا درست نہیں	۳۹۹
صراط کے ساتھ مستقیم کی قید کیوں ذکر کی؟	۴۰۰
چونتیسویں بحث: لفظ استقامت قرآن کریم میں چار طرح سے استعمال ہوا ہے	
''صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' کی ترکیب	۴۰۲
بدل الکل کی تعریف	۴۰۲
بدل الکل کا حکم	۴۰۲
بدل بنانے کے فوائد	۴۰۳
''صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' کو ترکیب میں بدل بنانے کے دو فائدے	۴۰۳
پینتیسویں بحث: انعام کی تعریف نیز انعام کو مطلق کیوں ذکر کیا؟	

Marfat.com

مضامین	صفحہ نمبر
انعام کو مطلق ذکر کیوں کیا؟	۴۰۵
چھتیسویں بحث: انعام میں نسبت اللہ کی طرف ہے جبکہ غضب اور ضلالت میں نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی، اس میں کیا حکمت ہے؟	
علامہ ابوالسعود رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی حکمت	۴۰۹
علامہ صابونی کے نزدیک اس کی حکمت	۴۰۹
سینتیسویں بحث: نعمت کی اقسام	
نعمت دو جنسوں پر منحصر ہے	۴۱۰
لفظ ''عَلَیْھِمْ'' ترکیب میں کیا واقع ہے؟	۴۱۱
اڑتیسویں بحث: آیت میں منعم علیہم سے مراد کون ہیں؟	
علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی رائے	۴۱۲
علامہ نسفی رحمہ اللہ کی رائے	۴۱۲
امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے	۴۱۲
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے	۴۱۴
قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی رائے	۴۱۴
انعام یافتہ طبقات اربعہ	۴۱۴
انتالیسویں بحث: انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا تعارف	
پہلا انعام یافتہ گروہ انبیاء کا	۴۱۴
دوسرا انعام یافتہ گروہ صدیقین کا	۴۱۵
تیسرا انعام یافتہ گروہ شہداء کا	۴۱۶
چوتھا انعام یافتہ گروہ صالحین کا	۴۱۶

Marfat.com

صفحہ نمبر	مضامین
۴۱۶	صراطِ مستقیم، کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کے مجموعے کا نام ہے ....
	چالیسویں بحث: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کی خلافت کا ثبوت
	اکتالیسویں بحث: اس آیت سے قادیانیوں کا نبوت پر استدلال اور پندرہ وجوہ سے اس کا ابطال
۴۱۴	غضب کی تعریف ....
۴۱۵	یہاں موصوف صفت کے درمیان مطابقت نہیں؟ ....
	بیالیسویں بحث: غضب کی نسبت جب اللہ کی طرف ہو تو غایت وانتہاء مراد ہوتی ہے
۴۱۶	امام رازی رحمہ اللہ کا نقل کردہ جامع اُصول ....
	تینتالیسویں بحث: لفظ ضالین کی لغوی، صرفی تحقیق
۴۱۸	لفظ ضالین کی لغوی تحقیق ....
۴۱۹	لفظ ضالین کی صرفی تحقیق ....
۴۱۹	ضلال کا معنی ....
	چوالیسویں بحث: مغضوب سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں
۴۲۰	امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے ....
۴۲۰	امام رازی رحمہ اللہ کی رائے ....
۴۲۱	حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے ....
۴۲۱	علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی رائے ....
۴۲۲	علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے ....
۴۲۳	علامہ شنقیطی رحمہ اللہ کی رائے ....

Marfat.com

صفحہ نمبر	مضامین
۴۳۳	حدیث کی تخریج
	پینتالیسویں بحث: لفظ ضاد کا صحیح مخرج
	چھیالیسویں بحث: لفظ ضاد اور ظاء میں التباس کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی
۴۳۴	علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی عمدہ بحث
۴۳۶	علامہ قاضی خان رحمہ اللہ کی رائے
۴۳۶	امام رازی رحمہ اللہ کی رائے
۴۳۶	حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے
۴۳۷	علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کی رائے
۴۳۷	علامہ بزاز رحمہ اللہ کی رائے
۴۳۸	فتاوی عالمگیریہ کا حوالہ
۴۳۸	فاتحہ کے بعد آمین کہنا مستحب ہے
۴۳۸	آمین کا معنی
۴۳۹	لفظ آمین میں چار لغات ہیں
۴۳۹	لفظ آمین کو مشدد پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی
۴۴۰	آمین کہنے کا موقع
۴۴۰	آمین کہنے سے کب مغفرت ہوتی ہے
۴۴۱	آمین کے فضائل
۴۴۲	آمین کے مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف اولی اور غیر اولی کے اعتبار سے ہے
	سینتالیسویں بحث: آمین دعا ہے اور دعا میں اصل اخفاء ہے

Marfat.com

صفحہ نمبر	مضامین
۴۴۴	علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دعاء میں سنت اخفاء ہے ....
۴۴۵	علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دعاء میں اصل اخفاء ہے ....
۴۴۵	علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اذکار اور ادعیہ میں اصل اخفاء ہے
۴۴۵	امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک آمین بالسر میں احناف کا مسلک قوی ہے......
۴۴۶	اکثر صحابہ وتابعین آمین بالسر پر عمل پیرا تھے ....
	اڑتالیسویں بحث: آمین کے متعلق فقہاء کے مذاہب
	انچاسویں بحث: آمین بالسر سے متعلق روایات
۴۴۹	مذکورہ روایت پر چار اعتراضات ....
۴۵۲	آمین بالسر سے متعلق تفصیلی مباحث کے مصادر ومراجع ....
۴۵۳	اخفاء الدعاء کے دس اہم فوائد ....
۴۵۴	لفظ ''لا'' کی بجائے ''غیر'' کے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟..............
۴۵۵	اہلِ غضب کے لئے اسمِ مفعول اور اہلِ ضلال کے لئے اسمِ فاعل کا صیغہ اختیار کرنے میں کیا حکمت ہے؟ ....
۴۵۶	''مغضوب علیھم'' کو ''ضآلین'' پر کیوں مقدم کیا..............
۴۵۷	حرف واو کے ہوتے ہوئے پھر حرف ''لا'' کا اضافہ کیوں کیا؟..............
۴۵۸	لفظ ''لا'' کو ذکر کرنے کے فوائد....................
	پچاسویں بحث: سورہ فاتحہ میں بلاغت کے گیارہ عمدہ نکات

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریظ

استاذِ حدیث حضرت مولانا عبدالرزاق زاہد مدظلہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بِحَضْرَۃِ الْجَلَالَۃِ وَالصَّلَاۃُ عَلٰی خَاتَمِ الرِّسَالَۃِ، اَمَّا بَعْدُ،
فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ: وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا۔

زیرِ نظر کتاب ''معارف اُم القرآن'' سورۂ فاتحہ کی وہ شاندار تفسیر ہے جو برخوردارم مولانا محمد نعمان سلمہٗ بن حاجی عبدالمتین مرحوم گلزار کالونی کورنگی کے علمی ذوق کا شاہکار ہے۔ موصوف نے ہمارے مدرسے اشاعۃ القرآن الکریم میں برخوردارم قاری فیض الرحمٰن سلمہٗ سے حفظ کیا۔ پھر انہیں کی رہنمائی سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ لیا اور ۱۴۳۰ھ میں وہاں سے دورہ حدیث مکمل کیا۔ دورانِ تعلیم ان کا بہترین مشغلہ کتب بینی تھا، فراغت کے بعد قرآنِ کریم کی مختلف تفاسیر اور احادیث مبارکہ کے متعدد بہ حصے کا اچھا خاصہ مطالعہ کیا اور پھر سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھی۔ ان کے والد حاجی عبدالمتین صاحب رحمہ اللہ ۲ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ کو داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ (اللہ ان کی کامل مغفرت فرمائے)

ان کے ساتھ خصوصی تعلق کی بناء پر میں اکثر وبیشتر ان سے کہتا تھا کہ آپ کی دیگر

Marfat.com

اولاد تو آپ کے لئے دنیا کمائے گی لیکن مولانا نعمان سلمہٗ آپ کے لئے صدقۂ جاریہ بنے گا۔

مولانا محمد نعمان سلمہٗ کو اس مقام اور مرتبہ تک پہنچانے والا صرف اور صرف ان کی ذاتی دلچسپی اور علم کے ساتھ لگن اور شرفِ مطالعہ ہے۔

پورے تعلیمی دورانیہ میں ہر درجے میں امتیازی نمبرات لینے کے ساتھ صاحبِ ترتیب بھی رہے، جو انعام ملتا یا والد محترم کی طرف سے جو خرچہ ملتا انہوں نے اس سے سینکڑوں امہات الکتب پر مشتمل بہترین کتب خانہ قائم کیا، ابھی انہوں نے زندگی کی ۲۶ بہاریں بھی نہیں دیکھی ہوں گی اس کم عمری میں سورۂ فاتحہ کی اہم مباحث کو جمع کیا جو اہلِ علم کے لئے ایک شاندار تحفہ ہے جو انہیں کئی تفاسیر سے مستغنی کردے گا۔ موصوف کے عزائم بڑے نیک اور ماشاء اللہ بہت اونچے اور بلند ہیں۔ اللہ نے بہترین استعداد سے ان کو نوازا ہے اور فرصت بھی اللہ نے خوب دی ہے۔

خدا کرے زورِ قلم اور زیادہ ہو

گلزار کالونی کورنگی میں میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزارا، اس محلّہ میں کئی حفاظ اور علماء ہماری ترغیب سے بنے جنہوں نے دین کی نشر و اشاعت کے لئے مختلف پلیٹ فارم منتخب کئے اور خوب کام کر رہے ہیں۔ اللہ قبولیت سے نوازے۔ آمین

''اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِه'' کے فرمان کو مدنظر رکھتے ہوئے بندہ ناچیز بھی آس لگائے بیٹھا ہے کہ شاید یہی ہمارے لئے نجات اخروی کا باعث بن جائے۔

الحمدللہ کتاب بے نظیر اور بے مثال ہے، مؤلف نے انتہائی محنت اور عرق ریزی سے مختلف تفاسیر کا مطالعہ کر کے اہلِ علم کے قیمتی اقوال جمع کئے۔

تقریظ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ مشہور شخصیات کی تقاریظ لکھنے سے یقیناً کتاب کی وقعت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

لیکن مؤلف کے اصرار پر یہ چند الفاظ اس سوچ سے زیرِ قرطاس کر رہا ہوں اور اپنے

Marfat.com

لئے سعادت سمجھتا ہوں کہ میرا حصہ بھی اس میں پڑ جائے اور شاید میری مغفرت کا بہانہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی کوشش اور کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ان کو مزید دین کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کتاب کو عوام وخواص دونوں کے لئے نافع بنائے اور ان کے والد محترم کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔ (آمین)

عبدالرزاق غفرلہ
خطیب جامع مسجد مدینہ گلزار کالونی کورنگی کراچی
استاذِ حدیث: جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی
۱۵/ ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ بمطابق ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۱ء

Marfat.com

انتساب

میں اس تصنیف کو حضرت والدِ محترم جناب حاجی عبدالمتین صاحب نور اللہ مرقدہ کی طرف منسوب کرتا ہوں، جنہوں نے ہر قسم کے حالات و مصائب کے باوجود مجھے دین کے لئے وقف کیا، والد محترم کا خلوص، محبت بھرا لہجہ اور شگفتہ و شاداب چہرہ میں کبھی نہیں بھول پاؤں گا، ربِ کریم سے عاجزانہ ووالہانہ فریاد ہے کہ وہ ان کی قبر پر رحمت کی برکھا برسائے اور انہیں کروٹ کروٹ جنت کی بہاریں نصیب فرمائے، انہوں نے اپنی اولاد کے دلوں میں دینِ متین کی محبت کا بیج بونے کی مقدور بھر سعی فرمائی۔

اور اپنی والدہ محترمہ کی طرف منسوب کرتا ہوں جن کی بے لوث محبت اور پرخلوص دعائیں نہ ہوتیں تو شاید میں یہ کام نہ کر پاتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری والدہ کی عمر و عمل میں برکت عطا فرمائے اور انہیں دین و دنیا کی ہر بھلائی عطا فرمائے اور مجھے ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا۔ (آمین)

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

قرآنِ کریم وہ عظیم کتاب ہے جو ہر کلام سے افضل، ہر شبہ سے مبرا اور ہر نقص سے پاک ہے، یہ تمام الہامی کتب سے اعلیٰ وعظمت وفضیلت والی کتاب ہے۔ یہ خیر و برکت سے مالا مال، ہدایت وحکمت سے لبریز اور حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے، جہالت کے اندھیروں سے نکال کر توحید کے نور سے منور کرنے والی ہے، اسی میں امت مسلمہ کی زندگی، عزت اور سرفرازی پنہاں ہے، اس کے بغیر یہ امت محض ایک جسد بے روح ہے کہ جس میں حرکت ہے نہ حرارت، کوئی وزن ہے نہ وقار۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۙ﴿۵۲﴾ (الشوریٰ)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کی وحی کی، تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے؟ اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے؟ اور لیکن ہم نے اسے ایک ایسی روشنی بنادیا ہے جس کے ساتھ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں راہ دکھادیتے ہیں اور بلاشبہ تو یقیناً سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن مجید کی عظمت واہمیت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے جس میں قرآن مجید کے سیکھنے اور سکھانے والے کو سب سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔

Marfat.com

جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے:

عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔ (۱)

قرآنِ مجید کے پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے میں جو فرق ہے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال سے واضح فرمایا ہے۔ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مؤمن جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے نارنگی (سنگترے) کی طرح ہے۔ اس کا ذائقہ بھی لذیذ ہے اور خوشبو بھی عمدہ ہے، اور وہ مؤمن جو قرآن تو نہیں پڑھتا مگر عمل کرتا ہے کھجور کی طرح ہے، اس کا ذائقہ تو اچھا ہے، مگر اس میں خوشبو نہیں۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحان (نازبو) کے مانند ہے کہ اس کی خوشبو تو عمدہ ہے مگر ذائقہ کڑوا ہے، اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا، اندرائن (تُمّہ) کی طرح ہے کہ اس کا ذائقہ کڑوا اور خبیث ہے اور بو ناپسندیدہ ہے:

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْأُتْرُجَّةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ، لَيْسَ لَهَا رِيحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ۔ (۲)

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمه، ج۶ ص۱۹۲، رقم الحدیث: ۵۰۲۷

(۲) صحیح البخاری، کتاب الأطعمة، باب ذکر الطعام، ج۷ ص۷۷، رقم الحدیث: ۵۴۲۷

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کریں اور آپس میں اسے سیکھیں اور سکھائیں تو ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے، انہیں رحمت کے فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں، اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ ان (یعنی فرشتوں) میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں:

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ. (۱)

خلاصہ یہ ہے کہ اس میں سعادت دارین کے بے مثال اصول بیان کیے گئے ہیں، اسے پڑھنے، سمجھنے اور سیرت و کردار کو اس کے مطابق ڈھالنے والوں کو دنیا میں رفعتیں اور آخرت میں سعادتیں نصیب ہوتی ہیں اور اسے چھوڑ دینے والے ذلت و پستی اور قہر الٰہی کا نشانہ بنتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب (پر عمل کرنے) کی وجہ سے کچھ قوموں کو سربلندی عطا کرتا ہے اور اس (سے اعراض کرنے) کی وجہ سے کچھ قوموں کو ذلیل و رسوا کرتا ہے:

قَالَ عُمَرُ أَمَا إِنَّ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ۔ (۲)

---

(۱) صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، ج۴ ص۲۰۷۰ رقم الحدیث: ۲۶۹۹

(۲) صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمه، ج۱ ص۵۵۹، رقم الحدیث: ۸۱۷

Marfat.com

قرآنِ مجید نازل ہونا شروع ہوا تو نزولِ قرآن کے آغاز ہی سے اس کی تفسیر و تفہیم کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا تھا اور قیامت قائم ہونے تک ان شاء اللہ یہ جاری و ساری رہے گا۔

اس سلسلے میں خاص طور پر محدثین نے کتبِ احادیث میں تفسیرِ قرآن، فضائلِ قرآن، قراءتِ قرآن وغیرہ کے ابواب قائم کیے۔ یہ بات تو مسلمہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کا سب سے بہتر سب سے اعلیٰ اور سب سے مناسب طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر خود قرآن کریم ہی سے کی جائے، کیونکہ کئی دفعہ قرآن کریم میں ایک چیز کو اگر ایک جگہ اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے تو دوسرے مقام پر اسے تفصیل سے بیان کر دیا جاتا ہے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنا بھی تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وحی کو لوگوں کے سامنے تلاوت فرماتے اور وہیں ساتھ ساتھ اس کی تشریح و تفسیر اور مفہوم مطالب بھی بیان فرماتے اور پھر ان پر عمل پیرا ہو کر بھی دکھاتے تاکہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو سننے اور سمجھنے کے ساتھ ساتھ عملی صورت میں بھی دیکھ سکیں۔ خود قرآن کریم نے اس کی صراحت فرمائی:

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ (النحل)

اگرچہ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے ان افراد میں نازل فرمایا جن کی مادری زبان عربی تھی اور وہ فصیح اللسان اور عقل و فہم میں کامل ہونے میں اپنی مثال آپ تھے، لیکن اس کے باوجود قرآن کریم کے بعض اشاروں اور کنایوں کے فہم میں انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ جاتا، جن کا حل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر ہی سے ممکن ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الأنعام: ۸۲)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا۔

Marfat.com

تو مسلمانوں پر اس آیت کا مضمون بہت شاق گزرا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ظلم کا مطلب وہ نہیں جو تم سمجھتے ہو بلکہ اس کا مطلب وہ ہے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا:

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ (لقمان)

صحابہ کرام اہل زبان ہونے کے باوجود ''بظلم'' کی تنوین کو تنکیر کے لئے سمجھ کر پریشان ہو گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لقمان کا قول ذکر کر کے بتایا کہ یہ تنوین تعظیم کیلئے ہے، تنکیر کے لئے نہیں۔ اور اس سے مراد شرک ہے، عام ظلم نہیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ قَالَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن مجید پڑھ کر سنانے والے نہ تھے بلکہ اس کی تشریح اور تفسیر کرنے والے اور اس کے مفاہیم و مطالب کو شرح و بسط سے بیان کرنے والے بھی تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس منصب کے مطابق قرآنی آیات کی توضیح و تشریح بھی کی اور اس کے اجمالات کی تفصیل بھی بیان فرمائی، جیسے نمازوں کی تعداد، رکعات، اوقات، اور وضع و ہیئت اور زکوٰۃ کا نصاب، اس کی شرح، اس کی ادائیگی کا وقت اور دیگر تفصیلات۔ قرآن کریم کے اجمالات کی یہ تفسیر اور توضیح نبوی امت کے لئے حجت ہے، اور اس پر عمل کرنا ہر خاص و عام پر لازم ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب التفسیر، باب وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ، ج۶ ص۵۶، رقم الحدیث: ۴۶۲۹/ صحیح مسلم: کتاب الإیمان، باب صدق الإیمان وإخلاصه، ج۱ ص۱۱۴، رقم الحدیث: ۱۲۴

Marfat.com

قرآنِ کریم کا ایک عجیب معجزہ

اعداءِ اسلام آغاز رسالت محمدی سے جس چیز سے خوف زدہ رہے ہیں وہ دراصل یہ قرآن ہی ہے اسی وجہ سے انہوں نے ہر طرح اسے ہدف بنانے کی کوشش کی، جس میں نصوص میں اشتباہ پیدا کرنے سے لے کر اس کی اعلیٰ تعلیمات وہدایات کی اشاعت اور وسعت پذیری پر قدغن لگانا شامل ہے۔ باوجود یہ کے وہ اس پر سرے سے قادر نہیں تھے کہ اصل نص قرآنی میں کوئی ہیر پھیر کوئی تبدیلی وتغیر پیدا کر سکیں لیکن انہوں نے اس کوشش میں کوئی بھی کسر نہیں چھوڑی۔ اس قبیل کی بہت بعد کی ایک مثال سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس کا ذکر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے کیا ہے، ان کے مطابق جرمن کی میونخ یونیورسٹی میں ایک ادارہ ''قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ'' کے نام سے قائم کیا گیا جس کا مقصد دنیا میں موجود قرآن کے اب تک لکھے اور چھاپے گئے ہزاروں کی تعداد میں نسخے جمع کر کے ان کے درمیان موازنہ کرنا تھا تا کہ بائبل کی طرح قرآن کی نصوص کے درمیان فرق واختلاف اور تعارض وتضاد کو سامنے لایا جا سکے، اس طرح انہیں عالم میں آشکارا کر کے اس سے وابستہ مفاد کو حاصل کیا جا سکے۔ اس طرح کے بیالیس ہزار (۴۲۰۰۰) نسخوں کے باہمی موازنے کے بعد جو رپورٹ خفت پوشی کی ناکام کوشش کے ساتھ اس وضاحت کے ساتھ شائع ہوئی کہ ابھی کام مکمل نہیں ہوا ہے۔ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلاف روایت ایک بھی نہیں۔ (۱)

جبکہ انجیل کے مختلف یونانی نسخوں کے ایسے ہی موازنے کی رپورٹ میں اس حیرت انگیز مگر ناقابل توقع امر کا انکشاف سامنے آچکا تھا کہ باہم ان نسخوں میں کوئی دو لاکھ (۲۰۰۰۰۰) اختلافی روایات ملتی ہیں۔ (۲)

---

(۱) خطبات بہاولپور: ص ۱۶، ادارہ تحقیقات اسلامی (۲) خطبات بہاولپور: ص ۱۶

Marfat.com

حقیقت میں تحریک استشراق کا محور قرآن اور اس کی تعلیمات کو سبوتاژ کرنا تھا، قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ اس کو مشکوک و مشتبہ بنانے کی جو بھی کوششیں کی گئیں ان کا ماحصل یہ سامنے آیا کہ اس کی حقانیت وصداقت مزید عقلی وتاریخی دلائل کی روشنی میں نکھر کر اور سنور کر اعداء وناقدین کے سامنے آجائے۔ مشہور فرانسی مصنف مورلیس بوکائی کی مشہور کتاب ''قرآن، بائبل اور سائنس'' اس قبیل کی ہزاروں مثالوں میں سے ایک اہم مثال ہے۔

سببِ تالیف

الحمدللہ فراغت کے بعد بندے نے مکمل ایک سال شب وروز جامعہ دارالعلوم کراچی کی لائبریری میں مختلف قسم کی علوم وفنون پر لکھی گئی سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کی۔

اس دوران اڑسٹھ (۶۸) تفاسیر جن میں عربی، فارسی، اردو شامل ہیں۔ ہر ہر تفسیر کے متعلق مختصر تبصرہ اپنے پاس نوٹ کرتا رہا۔ ہر تفسیر کا پورا نام، مصنف کا نام اور کم از کم پانچ کتابوں سے مصنف کے حالات، تفسیر کا ماخذ، اہل علم کی اس تفسیر سے متعلق آراء، تفسیر میں موجود اسرائیلی روایات کی نشاندہی اور ہر تفسیر کی وہ اہم خوبیاں جو اس کو دیگر تفاسیر سے ممتاز کرنے والی ہوں۔

چنانچہ علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) کی تفسیر ''جامع البیان فی تاویل آی القرآن'' سے لے کر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۶ھ) کی شہرہ آفاق تفسیر ''معارف القرآن'' تک۔ اسی طرح حدیث پر ہمام ابن منبہ بن کامل بن شیخ الصنعانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۱ھ) کی ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' (جو اَب ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے) سے لے کر امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) کی ''السنن الکبری'' تک اڑتیس (۳۸) کتابوں پر۔ اسی طرح اصول حدیث پر ابو محمد الرامہرمزی رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۰ھ) کی ''المحدث الفاصل بین الراوی والواعی'' سے لے کر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (متوفی

Marfat.com

۱۳۹۴ھ) کی ''قواعد في علوم الحديث'' تک چھپن (۵۶) کتابوں پر۔ اسی طرح حدیث کے غریب الفاظ پر ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۴ھ) کی ''غریب الحديث'' سے لے کر علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۶ھ) کی ''مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار'' تک نو (۹) کتابوں پر۔ اسی طرح اسماء الرجال پر امام بخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ) کی ''التاريخ الكبير'' سے لے کر علامہ صفی الدین الخزرجی رحمہ اللہ (متوفی ۹۴۲ھ) کی ''خلاصة تذهيب تهذيب الكمال في أسماء الرجال'' تک تیرہ (۱۳) کتابوں پر۔ اسی طرح ضعیف راوی پر امام بخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ) کی ''الضعفاء الصغير'' سے لے کر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) کی ''لسان الميزان'' تک چودہ (۱۴) کتابوں پر۔ اسی طرح موضوع روایات کی نشاندہی پر علامہ جوزقانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۳ھ) کی ''الأباطيل والمناكير والصحاح والمشاهير'' سے لے کر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۲۰ھ) کی ''سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة'' تک اکتیس (۳۱) کتابوں پر۔ اسی طرح اصول فقہ پر علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ (متوفی ۳۷۰ھ) کی ''الفصول في الأصول'' سے لے کر الدکتور وھبۃ الزحیلی کی ''أصول الفقه الإسلامي'' تک چون (۵۴) کتابوں پر۔ اسی طرح فقہ پر امام محمد رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۹ھ) کی ''الجامع الصغير'' اور ''المبسوط'' سے لے کر علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۲ھ) کی ''رد المحتار على الدر المختار'' تک اکتیس (۳۱) کتابوں پر۔ اسی طرح لغت پر خلیل بن احمد الفراہیدی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۵ھ) کی ''كتاب العين'' سے لے کر مولانا وحید الزمان کیرانوی رحمہ اللہ کی ''القاموس الوحيد'' تک انیس (۱۹) کتابوں پر۔ اسی طرح علم کلام پر علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۶ھ) کی ''الفصل في الملل والأهواء والنحل'' سے لے کر ابوجعفر السبحانی رحمہ اللہ کی ''بحوث في الملل والنحل'' تک چودہ کتابوں پر۔ اسی طرح علم ادب پر علامہ جاحظ رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۵ھ) کی ''البيان

Marfat.com

والتبيين ‘‘ سے لے کر الدکتور محمد التونجی کی ’’المعجم المفصل فی الأدب‘‘ تک تیرہ (۱۳) کتابوں پر۔ اسی طرح علم بیان پر ابو عبید معمر بن مثنی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۹ھ) کی ’’مجاز القرآن‘‘ سے لے کر علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) کی ’’أساس البلاغة‘‘ تک نو (۹) کتابوں پر۔ اسی طرح علم معانی پر علامہ عبد القاہر جرجانی رحمہ اللہ (متوفی ۴۷۱ھ) کی ’’دلائل الإعجاز‘‘ سے لے کر علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) کی ’’أقصی الأمانی‘‘ تک چھ (۶) کتابوں پر۔ اسی طرح علم بدیع پر علامہ ابو العباس مرتضی باللہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۹۶ھ) کی ’’کتاب البدیع‘‘ سے لے کر شیخ ابن حجر حموی رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۷ھ) کی ’’خزانة الأدب‘‘ تک سات (۷) کتابوں پر۔ اسی طرح تاریخ پر علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) کی ’’تاریخ الأمم والملوك‘‘ سے لے کر دکتور جواد علی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۰۸ھ) کی ’’الفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام‘‘ تک پینتالیس (۴۵) کتابوں پر۔ اسی طرح سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر محمد بن اسحاق رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۱ھ) کی ’’کتاب السیر والمغازی‘‘ سے لے کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۲ھ) کی ’’نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب‘‘ تک اکتالیس (۴۱) کتابوں پر۔ اسی طرح حیات صحابہ پر علامہ ابن قانع رحمہ اللہ (متوفی ۳۵۱ھ) کی ’’معجم الصحابة‘‘ سے لے کر علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) کی ’’الإصابة فی تمییز الصحابة‘‘ تک گیارہ (۱۱) کتابوں پر۔ اسی طرح تصوف پر لکھی گئی سترہ (۱۷)، عیسائیت کی تردید میں لکھی گئی تیرہ (۱۳)، شیعت کے خلاف لکھی گئی بیالیس (۴۲)، غیر مقلدیت کی تردید میں لکھی گئی اکیس (۲۱) کتابوں پر تبصرہ نوٹ کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ لائبریری میں موجود تقریباً چار سو ستر (۴۷۰) کتابوں کے متعلق مختصر تعارف نوٹ کیا۔

اس دوران استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی عبد الغنی صاحب نے مشورہ دیا کہ کسی ایک

Marfat.com

خاص موضوع کا انتخاب کر کے اب اس پر لکھو، چونکہ بندے کا ذوق تفسیر وحدیث کے ساتھ دیگر فنون کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہے اس لئے کام کا آغاز تعوذ وتسمیہ اور سورہ فاتحہ کی تفسیر سے کیا۔اس دوران علماء سلف کی سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کی اور جو بھی گوہر نایاب سامنے آیا تو اسے زیر قرطاس لاتا رہا۔سورہ فاتحہ کی تفسیر سے متعلق جتنی کتابیں جامعہ دار العلوم کراچی کی لائبریری میں موجود تھیں ان تمام تفاسیر کا مطالعہ کیا۔زیادہ تر استفادہ تفسیر کشاف، تفسیر کبیر، بیضاوی، قرطبی، مدارک، تفسیر ابن کثیر، اللباب فی علوم الکتاب، السراج المنیر، حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی، ابوالسعود اور حدائق الروح والریحان سے کیا۔

تعوذ وتسمیہ اور سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق تمام احادیث کی تخریج وتحقیق کا التزام کیا۔صحیحین کی تمام احادیث کی صحت پر امت کا اتفاق ہے۔ ان کے علاوہ دیگر کتب احادیث سے بھی صحیح اور حسن درجے کی روایات جمع کیں۔کیونکہ آج کل تفاسیر میں اہلِ علم کے اقوال تو نظر آتے ہیں لیکن احادیث کا ذخیرہ بہت کم نظر آتا ہے۔

الحمد للہ ہر حوالہ بالتفصیل لکھا تا کہ مراجعت کرنے والوں کے لئے آسانی ہو۔نیز جو عبارات عام فہم اور سہل تھیں ان کا ترجمہ نہیں کیا، اس لئے کہ اس سے استفادہ کرنے والے عموماً طلباء اور اہلِ علم حضرات ہوں گے۔ جہاں عبارات کچھ دقیق اور پیچیدہ تھیں ان کا ترجمہ اور وضاحت کردی۔

ان شاء اللہ اس کتاب کے پڑھ لینے کے بعد تمام متداول تفاسیر سے تعوذ وتسمیہ اور سورہ فاتحہ کی تفصیلی مباحث سے استفادہ کرنا آسان ہوگا۔خصوصاً موقوف علیہ کے طلباء کے لئے تفسیر بیضاوی کے حل میں نہایت مفید ہوگی۔

چونکہ بندے نے یہ کتاب نہایت عجلت کے ساتھ تقریباً بتیس ایام میں ان مباحث کو جمع کیا اور یہ میری پہلی تصنیفی کاوش ہے جس میں غلطی کا امکان قوی ہے۔

اس میں موجود ہر خوبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو وہ میری

Marfat.com

طرف سے ہے جس پر میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید کرتا ہوں۔

آخر میں حضرت مولانا محمد اسلم صاحب کا بھی ممنون و مشکور ہوں کہ انہوں نے جامعہ دار العلوم کراچی کی لائبریری میں ہر قسم کی کتابوں سے استفادہ کے لئے بندے کے ساتھ خصوصی طور پر معاونت فرمائی۔

محمد نعمان

فاضل جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

۲۸ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ

فون نمبر:0332-2557675

Marfat.com

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

پہلی بحث: قرآن کریم میں تعوذ کا ذکر

قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں تعوذ کے الفاظ آئے ہیں جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں۔

۱...... اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ (البقرۃ)

میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں سے ہو جاؤں۔

۲...... اِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾ (آل عمران)

اے اللہ! میں اس بچی کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

۳...... وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ (الأعراف)

اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ بلاشبہ وہ خوب سننے، خوب جاننے والا ہے۔

۴...... قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ (یوسف)

کہنے لگے اللہ کی پناہ! وہ میرا مربی ہے کہ مجھ کو کیسی اچھی طرح رکھا۔ ایسے حق فراموشوں کو فلاح نہیں ہوا کرتی۔

Marfat.com

۵...... رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـَٔلَكَ مَا لَيۡسَ لِیۡ بِهٖ عِلۡمٌ‌ؕ وَاِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَتَرۡحَمۡنِیۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ۝ (ھود)

اے میرے پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے ایسی چیز کا سوال کروں جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کریگا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔

۶...... مَعَاذَ اللّٰهِ اَنۡ نَّاۡخُذَ اِلَّا مَنۡ وَّجَدۡنَا مَتَاعَنَا عِنۡدَهٗۤ ۙ (یوسف: ۷۹)

اللہ کی پناہ! ہم تو صرف اسی شخص کو روکیں گے جس کے پاس ہم اپنا سامان پائیں گے۔

۷...... اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡكَ اِنۡ كُنۡتَ تَقِيًّا۝ (مریم)

کہنے لگی کہ میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو خدا ترس ہے۔

۸...... وَقُلۡ رَّبِّ اَعُوۡذُ بِكَ مِنۡ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيۡنِ۝ۙ وَاَعُوۡذُ بِكَ رَبِّ اَنۡ يَّحۡضُرُوۡنِ۝ (المؤمنون)

اور آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے رب! میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے میرے رب! میں ان کے اپنے قریب آنے سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

۹...... وَاِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَرَبِّكُمۡ اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ۝ۚ (الدخان)

میں اپنے اور تمہارے پروردگار سے اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کر دو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعوذ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر اور صاحب کتاب پیغمبر تھے۔ قرآنِ حکیم میں آپ کی سیرت مبارکہ کے مختلف حصوں کو تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرت

Marfat.com

موسیٰ علیہ السلام ان انبیاء میں سے ہیں جن کا ذکر قرآنِ کریم میں بار بار آیا ہے۔ آپ کو بنی اسرائیل کی ہدایت وفلاح کے لئے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ آپ بنی اسرائیل کے ہمراہ وادی تیہ میں قیام فرماتھے کہ بنی اسرائیل کے ایک نوجوان نے اپنے مالدار چچا کی جائیداد حاصل کرنے کے لئے رات کی تاریکی میں اسے قتل کر دیا اور قتل کے الزام سے بچنے کے لئے چچا کی لاش کو دوسرے محلے میں پھینکا، اس کا خیال تھا کہ اس طرح مجھے چچا کی بے پناہ دولت بھی حاصل ہو جائے گی اور دوسرے محلے داروں سے چچا کا خون بہا بھی مل جائے گا۔

یہ حرکت کرنے کے بعد صبح ہوتے ہی اس نے چیخنا اور چلانا شروع کر دیا اور فریاد کرتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور مدعی بن کر اہلِ محلّہ کے خلاف قتل کا دعویٰ دائر کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں سے تحقیق و تفتیش کی مگر قتل کا کوئی سُراغ نہ مل سکا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت کے حضور دعا کی اے اللہ! حقیقت حال واضح فرما تا کہ بنی اسرائیل کو باہمی اختلاف وافتراق سے بچایا جاسکے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت کا ایک واضح نشان دکھانے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اپنی قوم کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیں اور ذبح شدہ گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگائیں تو وہ مردہ میری قدرت سے زندہ ہو کر خود ہی اپنے قاتل کی نشان دہی کر دے گا۔ اس طرح واقعے کی حقیقت کھل جائے گی اور قاتل کا واضح طور پر پتہ بھی چل جائے گا۔

قرآنِ کریم اپنے معجزانہ اختصار سے اس واقعہ کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتا ہے:

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖٓ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا
بَقَرَۃً ؕ (البقرۃ:۶۷)

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔

گائے ذبح کرنے کا حکم سن کر قوم کو تعجب ہوا اور انہوں نے کہ ہم تو آپ سے قاتل کا

Marfat.com

پتہ پوچھنے آئے تھے اور آپ ہمیں گائے ذبح کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔

بھلا ان دو معاملات کی آپس میں کیا مناسبت ہے؟ اے موسیٰ! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہو کر ہم سے مذاق اور تمسخر کر رہے ہیں۔ قرآنِ عزیز ان کے الفاظ نقل کرتا ہے:

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ

ترجمہ: انہوں نے کہا کیا آپ ہمارا مذاق اُڑاتے ہیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے اس اعتراض اور سوء قال کا جو جواب دیا وہ ہمارے اس عنوان کا موضوع ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ایسے سنجیدہ معاملات اور نازک موقع پر مذاق کرنا جاہلوں کا کام ہے:

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۞ (البقرۃ)

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں کے گروہ میں شامل ہو جاؤں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا تعوذ

حضرت یوسف علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے مشہور پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر ہیں۔ آپ کی سیرت مبارکہ کے تذکرے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم کی ایک مستقل سورت نازل فرمائی ہے۔

سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے تعوذ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ سرزمین مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کے گھر میں رہائش اختیار کئے ہوئے جب سات سال کا عرصہ گزر گیا تو ایک زبردست اور کٹھن آزمائش شروع ہو گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر جوانی کا عالَم تھا، حسن و جمال میں بے مثال، رُخ مبارک شمس و قمر کی طرح روشن، عصمت و حیا کی فراوانی سونے پر سہاگہ اور پھر عین وقتِ شباب اور ساتھ عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی۔ اور آپ سے ناجائز تعلقات استوار کرنے پر کمربستہ ہو گئی اور ایک دن

Marfat.com

جذبات کی تسکین اور غلط منصوبے کی تکمیل کے لئے گھر کے تمام دروازے بند کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو انتہائی محفوظ کمرے میں لے جا کر دعوت گناہ دی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے یہ سخت آزمائش کا وقت تھا، شاہی خاندان کی خوبرو عورت محبوب نہیں بلکہ محبّ، آرائش حسن و زینت کی بے پناہ نمائش، ادھر یوسف خود حسین نوجوان اور حسن کی تمام خوبیوں کا مجموعہ، دروازے بند، رقیب کا خوف نہ محافظ کا ڈر، مالکہ خود ذمہ دار، مگران تمام سازگار حالات میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک لمحہ کے لئے بھی امرأۃ العزیز کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ قرآن عزیز فرماتا ہے:

وَ رَاوَدَتۡهُ الَّتِیۡ هُوَ فِیۡ بَیۡتِهَا عَنۡ نَّفۡسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الۡاَبۡوَابَ وَ قَالَتۡ هَیۡتَ لَكَ ؕ (یوسف:۲۳)

ترجمہ: اور یوسف کو اس عورت نے جس کے گھر میں وہ مقیم تھے اس کی ذات سے پھسلایا اور دروازے بند کر دیئے اور کہا: آجا۔

عزیز مصر کے شاہی محل کی خلوت گاہ اور مکمل تنہائی کے عالم میں حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کی اس اشتعال انگیز درخواست بلکہ تقاضے کو ٹھکراتے ہوئے زلیخا کو جواب میں فرماتے ہیں:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝ (یوسف)

ترجمہ: اللہ کی پناہ وہ میرا مالک ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا ہے اور ظالم فلاح نہیں پاتے۔

آپ نے غور فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی گناہ سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ تلاش کی اور کہا: معاذ اللہ۔

والدہ مریم کا تعوذ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی والدہ ماجدہ کا نام حنہ اور والد گرامی کا نام عمران تھا۔ حضرت عمران حضرت زکریا علیہ السلام کے ہم زلف اور

Marfat.com

بڑے عبادت گزار و شب بیدار بزرگ تھے۔ حضرت عمران کی اہلیہ محترمہ حنہ بھی اپنے خاوند کی طرح انتہائی عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ علماء انساب کا اتفاق ہے کہ عمران اور حنہ کا سلسلہ نسب حضرت داود علیہ السلام سے جاملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کہ اس ذاتِ عظیم و برتر نے ایک عرصے تک اس نیک اور صالح جوڑے کو اولاد کی نعمت عظمیٰ سے محروم رکھا، یہ صرف اللہ تعالیٰ کا اختیار اور اسی کی قدرت ہے کہ وہ جسے چاہے اولاد عطا فرمائے اور جسے چاہے اس سے محروم رکھے۔

حضرت عمران اور محترمہ حنہ اکثر اوقات خالقِ کائنات کے حضور اولاد کے لئے دست بدعا رہتے اور اس ذات رحیم و کریم سے اولاد کا تحفہ مانگتے رہتے۔ آخر ان دونوں کی دعائیں مستجاب ہوئیں اور سیدہ حنہ حاملہ ہوگئیں، حنہ کو اس احساس اور امید سے از حد خوشی حاصل ہوئی اور انہوں نے دربارِ الٰہی میں نذر مان لی کہ میرے ہاں جو بچہ پیدا ہوگا میں اسے مسجد اقصیٰ کی خدمت اور دین کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کردونگی اور اس سے گھر کا کوئی کام نہیں لوں گی۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے:

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ (آل عمران)

ترجمہ: جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب! جو میرے شکم میں ہے اسے تیرے لئے آزاد کرنے کی نذر مانتی ہوں۔ تو اسے میری طرف سے قبول فرما، بے شک تو ہی (دعائیں) سننے ولا ہے اور (نیتوں کو) جاننے والا ہے۔

سیدہ حنہ کی شدید خواہش تھی کہ رب العزت انہیں بیٹا نصیب فرمائے مگر مدت حمل کے بعد جب ولادت کا مرحلہ آیا تو حنہ کو یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹی عطا فرمائی ہے۔ سخت حیرانی ہوئی، لیکن جہاں تک اولاد کا تعلق ہے حنہ کے لئے یہ بیٹی بھی بیٹا سے کم نہ تھی، مگر انہیں یہ افسوس ضرور ہوا کہ میری نذر پوری نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ لڑکی تو بیت المقدس کی خدمت کا فریضہ کما حقہ سرانجام نہیں دے سکے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے افسوس کو یہ

Marfat.com

کہہ کر خوشی سے بدل دیا کہ ہم نے تمہاری لڑکی کو ہی قبول فرما لیا ہے۔ قرآنِ حکیم بیان فرماتا ہے کہ سیدہ مریم کو سیدہ حنہ نے ان الفاظ کے ساتھ بیت المقدس کے لئے وقف کیا کہ اے باری تعالیٰ!

وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝۳۶ (آل عمران)

ترجمہ: اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

آپ قرآنی الفاظ پر غور فرمائیں تو یقیناً مسئلہ واضح ہو جائے گا کہ سیدہ حنہ نے بھی اللہ کی پناہ کے الفاظ استعمال فرماتے ہوئے اپنی صاحبزادی کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

سیدہ مریم کا تعوذ

قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سیدہ مریم کا تعوذ بھی ذکر فرمایا ہے کہ جب سید الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سیدہ مریم کے گوشہ تنہائی میں انسانی شکل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دینے کے لئے حاضر ہوئے، تو آپ ایک اجنبی شخص کو اس طرح سامنے کھڑا دیکھ کر گھبرا گئیں اور اسے فوراً خدا کا واسطہ دے کر فرمایا: اگر تجھے اللہ تعالیٰ کا خوف ہے تو میں تجھ سے رحمان کی پناہ میں آتی ہوں۔ قرآنِ حکیم نے حضرت مریم کے کلماتِ تعوذ کو اپنی آیات میں یوں محفوظ کیا ہے:

قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا ۝۱۸ (مریم)

ترجمہ: مریم نے کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتی ہوں اگر تو پرہیزگار ہے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور تعوذ

مدینہ منورہ کے ایک یہودی لبید بن اعصم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا تھا۔ جس کے معمولی اثرات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمائے تھے۔ ایک دن حضرت

Marfat.com

جبرئیل علیہ السلام دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایک یہودی نے آپ پر جادو کیا ہوا ہے، اور وہ جادو فلاں کنویں میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اسے منگوا لیا۔ وہ ایک کنگھی کے دندانوں اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں۔ اور موم کا ایک ٹکڑا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی گئی تھیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بحکم الٰہی آپ کو قرآن حکیم کی آخری دو سورتیں یعنی سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ جنہیں معوذتین کہا جاتا ہے۔ ان دونوں سورتوں کی آیات کی تعداد گیارہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور گرہ کھلتی جاتی اور سوئی نکلتی جاتی تھی، جب ان دونوں سورتوں کی گیارہ آیات کی تلاوت مکمل ہوئی تو گیارہ کی گیارہ گرہیں کھل چکی اور سوئیاں نکل چکی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح صحیح ہو گئے جس طرح کوئی شخص جکڑ بندی سے آزاد ہو جائے۔ (۱)

جادو کا یہ مؤثر علاج بھی اللہ تعالیٰ نے تعوذ ہی کی شکل میں نازل فرمایا۔ اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعوذ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِۙ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَۙ۝۲ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَۙ۝۳ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِۙ۝۴ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۝۵ (الفلق)

ترجمہ: (اے رسول!) کہہ دیجیے میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، اس کی پیدا کردہ ہر چیز کی برائی سے اور اندھیری رات کی برائی سے جب اس کا اندھیرا پھیل جائے۔ اور گرہ لگا کر ان میں پھونکنے والیوں کی برائی سے اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرے۔

---

(۱) الدر المنثور فی التفسیر الماثور: سورۃ الفلق، ج۸ ص۶۸۷

Marfat.com

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِۙ۝۱ مَلِكِ النَّاسِۙ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِۙ۝۳ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ۪ۙ۝۴ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِۙ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ۝۶ (الناس)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) کہہ دیجیے میں انسانوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں۔ لوگوں کے مالک (اور) لوگوں کے معبود کی (پناہ میں آتا ہوں) وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے کی برائی سے، جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ چاہے جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

قرآنِ کریم کے اٹھارہویں سپارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان کے وسوسوں سے پناہ مانگنے کی نصیحت فرمائی ہے۔ یہ اگرچہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، مگر درحقیقت امت کو شیطانی وساوس اور ابلیسی حملوں سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِۙ۝۹۷ وَ اَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۝۹۸ (المومنون)

ترجمہ: اور کہہ دیجیے اے میرے رب! میں شیطان کے وسوسوں سے آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں، اور اے میرے رب! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ شیطان میرے قریب آئے۔

دوسری بحث: احادیث مبارکہ میں تعوذ کا ذکر

۱......عقائد میں شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ طلب کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی ایک کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں اور فلاں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ فلاں چیز کس نے پیدا کی ہے؟ حتیٰ کہ یہ تک کہتا ہے کہ تیرے رب کو کس نے

Marfat.com

پیدا کیا ہے؟ لہٰذا جب ایسی سوچ آئے تو بندہ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے (یعنی ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ'' پڑھ لے) اور آئندہ ایسی سوچ سے باز رہے:

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ مَنْ خَلَقَ كَذَا مَنْ خَلَقَ كَذَا حَتَّى يَقُولَ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَلْيَنْتَهِ۔ (١)

٢......نماز شروع کرتے وقت شیطان کے شر سے پناہ طلب کرنا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو قیام فرماتے تو نماز شروع کرتے ہوئے اللہ اکبر کہتے پھر یہ پڑھتے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ۔

میں پاکی بیان کرتا ہوں تیری اے اللہ! تیری ہی حمد وثناء کے ساتھ تیرا نام بہت برکت والا ہے تیری شان بہت بلند وبالا ہے اور تیرے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں۔

پھر آپ تین بار ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' پڑھتے پھر یہ پڑھتے ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ'' پھر تین بار ''اَللّٰهُ أَكْبَرُ'' کہتے پھر یہ پڑھتے ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ'' یعنی اس کے وسوسے اور اس کی پھونک اور اس کے جادو سے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُولُ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ

---

(١) صحيح البخاري: كتاب بدء الخلق، باب صفة ابليس وجنوده، ج٤ ص١٢٣، رقم الحديث: ٣٢٧٦/ صحيح مسلم: كتاب الإيمان، باب بيان الوسوسة في الإيمان وما يقوله من وجدها، ج١ ص١٢٠، رقم الحديث: ١٣٤

Marfat.com

اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔ ثُمَّ يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ ثَلاَثًا ثُمَّ يَقُولُ: اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا ثَلاَثًا أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ ثُمَّ يَقْرَأُ۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَهَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ۔

اے اللہ! بے شک میں تیری پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے اور اس کے وسوسے سے، اس کے تکبر اور اس کے جادو سے۔ (''ہمز'' جنون اور دیوانگی کو۔ ''نفث'' شعر کو اور ''نفخ'' تکبر کو کہتے ہیں۔)

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَهَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ۔ قَالَ هَمْزُهُ الْمُوتَةُ وَنَفْثُهُ الشِّعْرُ وَنَفْخُهُ الْكِبْرُ۔ (۲)

۳...... نماز میں شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ چاہنا

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میری نماز اور قراءت کے درمیان شیطان حائل ہو جاتا ہے، وہ مجھ پر قراءت کو خلط ملط کرتا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شیطان ہے جسے خنزب کہا جاتا ہے جب تم اس کے حائل ہونے کو محسوس کرو تو اس (کے شر)

---

(۱) سنن أبي داؤد: كتاب الصلاة، باب من راى الاستفتاح بسبحانك اللّٰهم وبحمدك، ج۱ ص۲۰٦، رقم الحديث: ۷۷۵/ سنن الترمذي: كتاب الصلاة، باب ما يقول عند افتتاح الصلاة، ج۱ ص۳۲۳، رقم الحديث: ۲۴۲

(۲) سنن ابن ماجه: كتاب إقامة الصلوات، باب الاستعاذة في الصلاة، ج۱ ص۲٦۵، رقم الحديث: ۸۰۷

Marfat.com

سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو (یعنی ''أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ'' پڑھو) اور تین بار اپنی بائیں جانب تھتکارو، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ عزوجل نے اس شیطان کو مجھ سے دور کردیا:

أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ أَبِي الْعَاصِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ حَالَ بَيْنِي وَبَيْنَ صَلَاتِي وَقِرَاءَتِي يَلْبِسُهَا عَلَيَّ۔ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ذَاكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ خِنْزَبٌ فَإِذَا أَحْسَسْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْهُ وَاتْفِلْ عَلَى يَسَارِكَ ثَلَاثًا۔ قَالَ فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ فَأَذْهَبَهُ اللّٰهُ عَنِّي۔ (۱)

غصہ کے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا

غصہ اور غضب انسان کے لئے سخت نقصان دہ اذیت کا باعث ہیں۔ غصہ کی حالت میں انسان نامعلوم کیا کیا الفاظ اپنی زبان سے ادا کرجاتا ہے۔ اور شیطان بھی انسان کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غصے کی حالت میں اسے ورغلانے کی کوشش کرتا ہے، ابلیس کی سرتوڑ کوشش ہوتی ہے کہ انسان سکون، اتفاق اور اتحاد سے زندگی نہ گزار سکیں، بلکہ ہمیشہ اختلاف، انتشار اور منافرت کا شکار رہیں۔ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے شیطان انسان کو غصہ دلاتا اور پھر غصے کی حالت میں اس کے منہ سے ایسی باتیں نکلوا دیتا ہے کہ جس سے معاشرے میں افتراق واختلاف پڑتا ہے اور شیطان انسانوں کو آپس میں لڑا کر خوش ہوتا اور مسرت کا اظہار کرتا ہے۔

اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے کو پی جانے، درگزر اور معاف کرنے کی رغبت دلائی ہے۔ اور قرآنِ حکیم نے بھی اہلِ تقویٰ کی علامات اور نشانیوں کا

---

(۱) صحيح مسلم: كتاب السلام، باب التعوذ من شيطان الوسوسة في الصلاة، ج۴ ص۱۷۲۸، رقم الحديث: ۲۲۰۳

Marfat.com

ذکر کرتے ہوئے ''وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ یعنی اللہ والوں کے اوصافِ حمیدہ میں سے غصے کو پی جانا، ایک عمدہ وصف اور لوگوں کو معاف کر دینا اعلیٰ خوبی ہے۔

تاہم اگر کسی وقت انسان کو غصہ آجائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ جونہی کوئی شخص خود کو غصہ کی حالت میں محسوس کرے تو فوراً پکار اٹھے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو شخص آپس میں جھگڑ پڑے، یہاں تک کہ نوبت گالی گلوچ تک پہنچ گئی، اور غصہ ان کے چہروں سے ٹپکنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس غضبناک صورت حال کو دیکھ فرمایا: ''اِنِّیْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً'' بلاشبہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں، ''لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ غَضَبُهُ'' اگر یہ دونوں ان الفاظ بابرکت کو اپنی زبان سے ادا کرلیں تو ان کا غصہ فوراً کافور ہو جائے۔ اور یہ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ الفاظ وکلمات جن کے کہنے سے آدمی کا غصہ فوراً دور ہو جاتا ہے:

''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ'' ہیں۔[1]

آج ہم میں سے اکثر لوگوں کو غصہ بہت جلد آتا ہے اور ہم معمولی باتوں کی بناء پر مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور پھر ساری عمر اس غصہ کے نتائج کا سامنا کرتے رہتے ہیں، آج ہمارے معاشرے میں قتل ہوتے ہیں تو غصہ کی بناء پر، میاں بیوی کے اختلافات بڑھتے ہیں تو غصہ کی بناء پر، یہ غصہ انسان کو ذلیل ورسوا کر دیتا ہے، اسے جیل کی کوٹھڑی دکھلاتا اور معاشرے کا ناپسندیدہ فرد بنا دیتا ہے، اس لئے ہمیں اپنے جذبات پر

---

(۱) سنن الترمذی: أبواب الدعوات، باب ما یقول عند الغضب، ج۵ ص۵۰۴، رقم الحدیث: ۳۴۵۲

Marfat.com

کنٹرول رکھنا چاہئے۔ غصے سے اجتناب کرنا چاہئے اور بتقاضہ بشریت اگر کسی وقت غصہ آجائے تو فوراً پڑھنا چاہئے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ دو آدمیوں نے آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا شروع کردیا، ایسا کرتے ہوئے ان میں سے ایک تو اس قدر غصے میں تھا کہ غصے کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ اسے پڑھ لے تو اس کا غصہ ختم ہوجائے، اور وہ کلمہ یہ ہے ''أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ''

سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوسٌ، وَأَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ لَوْ قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ (۱)

۵......کسی وادی یا منزل پر پڑاؤ کے وقت اللہ کی پناہ میں آنا

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص کسی جگہ پڑاؤ ڈالے اور یہ دعا پڑھے:

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔

اللہ کے تمام کلمات کے ساتھ ان سب چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جن کو اس نے پیدا کیا، تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی یہاں تک کہ وہ وہاں سے کوچ کر جائے۔

---

(۱) صحيح البخاري: كتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، ج۸ ص۲۸، رقم الحديث: ۶۱۱۵/ صحيح مسلم: كتاب البر والصلة، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب۔۔۔الخ، ج۴ ص۲۰۱۵، رقم الحديث: ۲۶۱۰

Marfat.com

عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيمٍ السُّلَمِيَّةِ أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا نَزَلَ أَحَدُكُمْ مَنْزِلًا فَلْيَقُلْ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ فَإِنَّهُ لَا يَضُرُّهُ شَيْءٌ حَتَّى يَرْتَحِلَ مِنْهُ۔ (۱)

۶...... مسجد میں داخل ہوتے وقت اللہ کی پناہ میں آنا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوتے تو یہ پڑھتے تھے:

أَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔

میں عظمت والے اللہ اور اس کے کریم چہرے کی اور اس کی قدیم سلطنت کی پناہ چاہتا ہوں، مردود شیطان سے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جو ایسا کہے تو شیطان کہتا ہے کہ تو مجھ سے آج پورا دن محفوظ رہے گا:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ قَالَ: أَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ قَالَ فَإِذَا قَالَ ذٰلِكَ قَالَ الشَّيْطَانُ حُفِظَ مِنِّي سَائِرَ الْيَوْمِ. (۲)

۷...... مسجد سے نکلتے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعا، باب فی التعوذ من سوء القضاء ---الخ، ج۴ ص۲۰۸۱، رقم الحدیث: ۲۷۰۸

(۲) سنن ابی داؤد: کتاب الصلاۃ، باب ما یقول الرجل عند دخوله المسجد، ج۱ ص۱۲۷، رقم الحدیث: ۴۶۶

Marfat.com

تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام پڑھے اور یہ دعا پڑھے:

اللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔

اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

اور جب مسجد سے نکلے تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام پڑھے اور یہ دعا پڑھے:

اللّٰهُمَّ اعْصِمْنِي مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔

اے اللہ! مجھے شیطان مردود کے شر سے محفوظ رکھ۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ وَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اعْصِمْنِي مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔[1]

۸...... بیماری کے وقت اللہ کی پناہ مانگنا

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بیماری کی شکایت کی جو اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے پہلی دفعہ محسوس کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہاتھ کو اپنے جسم پر تکلیف والی جگہ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ کہہ اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھ:

أَعُوذُ بِاللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ۔

میں اللہ تعالیٰ کی اور اس کی قدرت کی پناہ پکڑتا ہوں اس چیز کے شر سے جو میں پاتا ہوں اور جس سے ڈرتا ہوں۔

---

(۱) سنن ابن ماجه: کتاب المساجد، باب الدعاء عند دخول المسجد، ج۱ ص۲۵۴، رقم الحديث: ۷۷۳

Marfat.com

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ الثَّقَفِيِّ أَنَّهُ شَكَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهُ فِي جَسَدِهِ مُنْذُ أَسْلَمَ۔ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِي تَأَلَّمَ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِاسْمِ اللهِ ثَلَاثًا۔ وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوذُ بِاللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ۔ (۱)

۹......بچوں کے لئے اللہ کی پناہ کے خواہاں ہونا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے لئے ان کلمات کے ذریعے پناہ طلب کیا کرتے تھے:

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔

میں اللہ کے تمام کلمات کے ساتھ (تم دونوں کے لئے) ہر شیطان سے اور اس مخلوق سے جو بدی کا ارادہ کرے اور ہر نظر لگانے والی آنکھ سے پناہ مانگتا ہوں:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ، أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔ (۲)

۱۰......صبح وشام کے وقت اللہ کی پناہ میں آنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم شام کو یہ کلمات پڑھ لیتے:

---

(۱) صحيح مسلم: كتاب السلام، باب استحباب وضع يده على موضع الألم۔۔الخ، ج۴ ص۱۷۲۸، رقم الحديث: ۲۲۰۲

(۲) صحيح البخاري: كتاب الأنبياء، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: واتخذ الله ابراهيم خليلا، ج۴ ص۱۴۷، رقم الحديث: ۳۳۷۱

Marfat.com

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ تَضُرَّكَ۔ [1]

میں اللہ کے مکمل کلمات کے ساتھ تمام چیزوں کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جو اس نے پیدا کی ہیں، تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچتا۔

۱۱......صبح وشام اور بستر پر لیٹتے وقت اللہ کی پناہ میں آنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی دعا سکھا دیجئے جو میں صبح وشام پڑھا کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کلمات پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيكَهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ۔

اے اللہ! ظاہر وپوشیدہ کو جاننے والے! آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! ہر چیز کو پالنے والے اور اس کے مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، میں اپنے نفس کے شر سے اور مردود شیطان کے شر اور شرک سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

پھر آپ نے فرمایا: اس دعا کو صبح وشام اور رات کو بستر پر جاتے وقت پڑھا کرو:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مُرْنِي بِشَيْءٍ أَقُولُهُ إِذَا أَصْبَحْتُ وَإِذَا أَمْسَيْتُ قَالَ: قُلِ اللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيكَهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ قَالَ قُلْهُ إِذَا أَصْبَحْتَ وَإِذَا أَمْسَيْتَ وَإِذَا أَخَذْتَ مَضْجَعَكَ۔ [2]

---

(۱) صحيح مسلم: كتاب الذكر والدعاء، باب في التعوذ من سوء القضاء ودرك الشقاء وغيره، ج۴ ص۲۰۸۱، رقم الحديث: ۲۷۰۹

(۲) سنن الترمذي: أبواب الدعوات، باب منه، ج۵ ص۳۳۴، رقم الحديث: ۳۳۹۲

Marfat.com

۱۲...... برا خواب دیکھنے پر اللہ کی پناہ طلب کرنا

بعض اوقات حالت نیند میں انسان کو بڑے عجیب وغریب قسم کے خواب دکھائی دیتے ہیں۔کئی دفعہ آدمی ان خوابوں کی وجہ سے خوف زدہ اور پریشانی میں مبتلا ہوجاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدخوابی کا علاج بھی تعوذ میں بتلایا ہے:

إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ رُؤْيَا يُحِبُّهَا فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ اللّٰهِ، فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ عَلَيْهَا وَلْيُحَدِّثْ بِهَا، وَإِذَا رَأَى غَيْرَ ذٰلِكَ مِمَّا يَكْرَهُ فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَلْيَسْتَعِذْ مِنْ شَرِّهَا، وَلَا يَذْكُرْهَا لِأَحَدٍ فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ (۱)

جب تم میں سے کوئی اچھا خواب دیکھے تو الحمدللہ کہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور اگر چاہے تو لوگوں کے سامنے اس خواب کا ذکر بھی کردے، اور جب ناپسندیدہ، شیطانی اورڈراونا خواب دیکھے تو ''اَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ'' پڑھے، یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے، اور کسی کے سامنے اس کا ذکر نہ کرے تو ان شاء اللہ اسے کوئی ضرر اور نقصان نہیں پہنچے گا۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، پس اگر تم میں سے کوئی شخص برا خواب دیکھ کر اس سے ڈر جائے تو وہ اپنی بائیں جانب تھتکارے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے شر سے پناہ مانگے تو وہ اسے نقصان نہ پہنچائے گا:

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْحُلُمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا حَلَمَ أَحَدُكُمْ حُلُمًا يَخَافُهُ فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ، وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا، فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ. (۲)

---

(۱) صحيح البخاري: كتاب التعبير، باب الرؤيا من الله، ج۹ ص۳۰، رقم الحديث: ۶۹۸۵

(۲) صحيح البخاري: كتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، ج۴ ص۱۲۴، رقم الحديث: ۳۲۹۲

Marfat.com

تعلیماتِ نبویہ کی روشنی میں جس شخص کو برے اور فاسد خواب آتے ہوں اسے چار چیزوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

۱...شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے، یعنی ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ'' پڑھے۔

۲.....برے خواب سے اللہ رب العزت کی پناہ مانگے۔

۳.....جونہی آنکھ کھلے تو فوراً بائیں طرف تین دفعہ تھوک دے۔

۴.....برے خواب کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ شیطان، انسان کا ازلی اور ابدی دشمن ہے۔ وہ انسان کو غمگین، پریشان اور رنجیدہ کرنے کے لئے خواب کی حالت میں پراگندہ خیالات اور وساوس پیدا کرتا ہے، اس لئے محسن کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بدخوابی کا علاج یہ بتایا کہ جونہی خواب میں برے خیالات کی آمد ہو فوراً تعوذ پڑھ لے۔

۱۳......بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا

رفعِ حاجت کے لئے انسان جب بیت الخلاء میں داخل ہوتا ہے یا باہر کھلی فضا میں جاتا ہے تو اسے جسم کے ان حصوں سے بھی کپڑا اٹھانا پڑتا ہے کہ عام حالات میں ان حصوں کو برہنہ کرنا انسانی عادات کے منافی اور شرم وحیاء کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اس برہنگی کی حالت میں شیطانی حملوں کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، اور شیطان کے لئے انسان کو ورغلانا اور وساوس میں مبتلا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفعِ حاجت کے لئے جسم کے مخصوص حصوں سے کپڑا اٹھانے یا بیت الخلاء میں داخل ہونے سے قبل ایسے الفاظ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جن میں انسان اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہے کہ اے اللہ! مجھے ان حالات میں شیطان کے اثرات سے محفوظ رکھنا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو فرماتے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

اے اللہ! میں ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ (۱)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بیت الخلاء (جنوں اور شیطانوں کے) حاضر ہونے کی جگہ ہے، لہٰذا جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں داخل ہو تو کہے:

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں کے شر سے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ هَذِهِ الْحُشُوشَ مُحْتَضَرَةٌ فَإِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ (۲)

۱۴......مباشرت کے وقت شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ چاہنا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کے وقت یہ دعا پڑھ لے:

---

(۱) صحیح البخاري: كتاب الوضوء، باب ما يقول عند الخلاء، ج۱ ص۴۰، رقم الحديث: ۱۴۲/ صحیح مسلم: كتاب الحيض، باب ما يقول إذا أراد دخول الخلاء، ج۱ ص۲۸۳، رقم الحديث: ۳۷۵

(۲) سنن أبي داؤد، باب ما يقول الرجل إذا دخل الخلاء، ج۱ ص۲، رقم الحديث: ۴

Marfat.com

بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔

اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! ہمیں شیطان کے شر سے محفوظ رکھ اور ہمیں تو جو اولاد عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچانا۔

تو اگر اس ملاپ سے بچہ پیدا ہو تو شیطان اسے کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ قَالَ بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَقُضِيَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَمْ يَضُرَّهُ۔ (۱)

۱۵.....سفر کے وقت تعوذ پڑھنا

ہر انسان کو کسی نہ کسی کام کے لئے سفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت آپ کا طریقہ اور اسوہ حسنہ یہ ہے کہ جب سفر پر جانا ہو تو تعوذ والی دعا پڑھ کر سفر شروع کیا جائے۔ یقیناً ایسا سفر جس کی ابتداء ذکر الٰہی سے ہوگا جس کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ سے ہوگا، اور جسے مسنون دعا سے شروع کیا جائے گا وہ سفر باعث برکت بامقصد اور کامیاب ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر روانہ ہوتے تو اپنی زبان مبارک سے یہ دعا پڑھ کر سفر کا آغاز فرماتے:

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ، اَللّٰهُمَّ أَصْحِبْنَا فِي سَفَرِنَا، وَاخْلُفْنَا فِي أَهْلِنَا، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ، وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ، وَمِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ، وَمِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ، وَمِنْ

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الوضوء، باب التسمیة علی کل حال وعند الوقاع، ج۱ ص۴۰، رقم الحدیث: ۱۴۱/ صحیح مسلم: کتاب النکاح، باب ما یستحب أن یقوله عند الجماع، ج۲ ص۱۰۵۸، رقم الحدیث: ۱۴۳۴

Marfat.com

سُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْاَھْلِ وَالْمَالِ۔ (۱)

اے میرے اللہ! آپ ہی سفر میں (میرے) ساتھی ہیں اور (میرے) گھر میں خلیفہ (کارساز) ہیں۔ اے اللہ! آپ سفر میں ہمارے ساتھی بنیں اور ہمارے گھر والوں کے لئے ہمارے نائب، اے اللہ! میں آپ کی ذات کے ساتھ سفر کی مشقت سے اور واپسی پر غمگین منظر سے اور ترقی کے بعد تنزل سے پناہ مانگتا ہوں۔

یہاں سفر کی اس دعا میں تعوذ یعنی اللہ کی پناہ طلب کرنے کا ذکر موجود ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ سفر پر روانہ ہوتے وقت اگر اس مسنون دعا کو پڑھ لیا جائے تو انسان سفر کی مشکلات اور گھر سے دوری کی غمگینی، اور تنزل و پستی اور نقصان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

۱۶.....دشمن سے حفاظت کے لئے تعوذ پڑھنا

ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے دشمن کی چالوں، اس کے حملوں اور ریشہ دوانیوں سے ہر طرح محفوظ و مامون رہوں اور میرا دشمن کسی طرح بھی میرا نقصان نہ کر سکے۔ اسی طرح ہر شخص اس امر کا بھی آرزومند ہوتا ہے کہ مجھے کوئی پریشانی، اذیت اور تکلیف نہ پہنچے، اور میں ہر قسم کی مشقتوں، تکلیفوں، اذیتوں، دشواریوں اور پریشانیوں سے سلامت رہوں۔ اس مقصد کیلئے محسن کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی مختصر اور جامع دعا سکھلائی ہے۔ اسے روزانہ پڑھ کر ہر قسم کے مصائب و آلام اور دشمن کے حملوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اس دعا میں بھی تعوذ یعنی اللہ کی پناہ کے الفاظ موجود ہیں۔

مشہور صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشقت، بدبختی، برے فیصلے اور دشمنوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا

(۱) سنن الترمذی: أبواب الدعوات، باب ما یقول إذا خرج مسافرا، ج۵ ص۴۹۷، رقم الحدیث: ۳۴۳۹

Marfat.com

کرتے تھے۔ دُعا کے الفاظ یہ ہیں:

تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ۔ (۱)

اے میرے اللہ! میں بلاء کی مشقت سے اور بدبختی کے ملنے سے، اور برے فیصلے اور دشمنوں کی خوشی سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

۱۷.....زوالِ نعمت سے حفاظت کے لئے تعوذ پڑھنا

اللہ تعالیٰ نے ہمیں صحت وتندرستی،، مال ودولت، عزت، کاروبار وتجارت، علم وملازمت اور اس طرح کی بے حساب نعمتوں سے مالا مال فرمایا ہے، ہم میں سے کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان نعمتوں سے محروم کردیا جائے۔ انعاماتِ خداوندی سے اس کا دامن خالی ہوجائے اور اسے تہی دست اور بے آسرا بنادیا جائے۔

امت کی ان خواہشات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خوبصورت بہترین مختصر مگر جامع دعا بتلائی ہے کہ جو شخص اس دعا اور تعوذ کو پڑھتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ اس پر کی گئی نعمتوں کو برقرار رکھے گا بلکہ اس پر انعامات کی مزید بارش برسائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعمتوں کے زوال سے بچنے اور عافیت کے لئے اکثر یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ۔ (۲)

---

(۱) صحيح البخاری: كتاب القدر، باب من تعوذ بالله من درك الشقاء وسوء القضاء، ج۸ ص۱۲۶، رقم الحديث: ۶۶۱۶

(۲) صحيح مسلم: كتاب الرقاق، باب أكثر أهل الجنة الفقراء، ج۴ ص۲۰۹۷، رقم الحديث: ۲۷۳۹

Marfat.com

اے اللہ! میں آپ کی عطا کردہ ہر نعمت کے زائل ہونے سے اور آپ کی دی ہوئی عافیت کے بدل جانے سے اور آپ کے ناگہانی عتاب سے اور آپ کے ہر طرح کے غصہ سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

۱۸......برے اَخلاق سے تعوذ

انسانی عادات میں حسنِ اخلاق ایک پسندیدہ عادت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ اخلاق اور حسنِ کرداری کی تعلیم دی ہے۔ آپ کا ارشاد مبارک ہے:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔

مجھے تو اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حمیدہ کی قرآنِ مجید نے یوں گواہی دی ہے:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم)

اور یقیناً آپ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہیں۔

اسلامی تعلیمات میں جس طرح اخلاقِ عالیہ کی تعرف وتوصیف کی گئی ہے اسی طرح برے اخلاق کی مذمت بھی بیان فرمائی گئی ہے۔ بلکہ ارشاداتِ نبویہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے اخلاق کے بارے میں اتنے فکرمند تھے کہ آپ نے اپنی امت کو ایسی دعا سکھلائی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کی گئی ہے کہ اے الٰہ العالمین! ہمیں برے اخلاق سے محفوظ فرما۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْأَخْلَاقِ۔ (۱)

اے اللہ! میں اختلاف سے، نفاق سے اور برے اخلاق سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

---

(۱) سنن النسائی: کتاب الاستعاذة، الاستعاذة من الشقاق والنفاق، ج۸ ص۲۶۴، رقم الحدیث: ۵۴۷۱

Marfat.com

۱۹.....بے نفع علم سے تعوذ

علم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور لازوال دولت ہے، قرآن وحدیث میں اہلِ علم کے فضائل ومحاسن اور ان کی فضیلت وعظمت کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے واضح فرمایا ہے کہ جس طرح دھوپ اور چھاؤں، دن اور رات، صبح اور شام، زندہ اور مردہ برابر نہیں ہوسکتے، اسی طرح اہلِ علم اور بے علم بھی برابر نہیں ہوسکتے، قرآنِ حکیم اس امر کی بھی وضاحت فرماتا ہے کہ اہلِ علم اور بے علم بھی برابر نہیں ہوسکتے، قرآنِ حکیم اس امر کی بھی وضاحت فرماتا ہے کہ اہلِ علم ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ان اشعار نے اہلِ علم کی فضیلت کو چار چاند لگا دیئے ہیں:

رَضِینَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِینَا   لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالٌ
فَإِنَّ الْمَالَ یَفْنٰی عَنْ قَرِیْبٍ   وَإِنَّ الْعِلْمَ بَاقٍ لَا زَوَالَ

ہم اللہ جبار کی اس تقسیم پر راضی اور خوش ہیں کہ اس نے ہمیں علم سے نوازا اور جاہلوں کو مال عطا کیا۔ بلاشبہ دولت تو عنقریب فنا اور ختم ہوجائیگی، اور علم ہمیشہ باقی رہیگا اور اسے کبھی زوال نہیں آئے گا۔

مگر ایسا علم جو نفع مند، فائدہ مند اور سود مند نہ ہو، وہ علم جو عظمت کی بجائے نفرت، عزت کی بجائے ذلت اور بلندیوں کی بجائے پستیوں کا سبب ہے، ایسے بے مقصد اور نقصان دہ علم سے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ دُعَاءٍ لَا یُسْمَعُ۔ (۱)

---

(۱) سنن النسائی: کتاب الاستعاذة، الاستعاذة من الشقاق والنفاق، ج۸ ص۲۶۳، رقم الحدیث: ۵۴۷۰

Marfat.com

اے اللہ! میں بے نفع علم سے، نہ ڈرنے والے دل سے، نہ بھرنے والے نفس سے، اور قبول نہ ہونے والی دعا سے آپ کی پناہ کا طلب گار ہوں۔

۲۰......موت کے وقت شیطانی حملہ سے اللہ کی پناہ چاہنا

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے کہ:

اَللّٰهُمَّ إِنِّی أَعُوذُ بِكَ مِنَ التَّرَدِّی وَالْهَدْمِ وَالْغَرَقِ وَالْحَرِیقِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ یَتَخَبَّطَنِی الشَّیْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ فِی سَبِیلِكَ مُدْبِرًا وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ لَدِیغًا۔

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کسی چیز کے نیچے آنے سے، اونچی جگہ سے گرنے سے، ڈوبنے اور جلنے سے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں کہ موت کے وقت شیطان مجھے خبطی بنائے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تیری راہ میں جہاد سے بھاگتا ہوا مروں، اور اس بات سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ کسی زہریلے جانور کے ڈسنے سے مجھے موت آئے:

عَنْ أَبِی الْیَسَرِ قَالَ کَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّی أَعُوذُ بِكَ مِنَ التَّرَدِّی وَالْهَدْمِ وَالْغَرَقِ وَالْحَرِیقِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ یَتَخَبَّطَنِی الشَّیْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ فِی سَبِیلِكَ مُدْبِرًا وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ لَدِیغًا۔ (۱)

تعوذ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے تعوذ کی فضیلت کے بارے میں چار (۴) روایات نقل کیں پھر آخر میں فرماتے ہیں:

---

(۱) سنن النسائی: کتاب الاستعاذة، باب الاستعاذة من التردی والهدم، ج۸ ص ۲۸۲، رقم الحدیث: ۵۵۳۱

Marfat.com

وما یتعوذ منه کثیر ثابت فی الأخبار، واللہ المستعان۔ (۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے تعوذ کی فضیلت کے بارے میں سات (۷) روایات نقل کیں، آخر میں فرماتے ہیں استعاذہ کے بارے میں احادیث کثرت کے ساتھ آئی ہیں، اگر انہیں ذکر کیا جائے تو بات طویل ہوجائے گی، ان روایات کا تذکرہ ''کتاب الأذکار'' اور ''فضائل الأعمال'' میں ہوتا ہے:

وقد جاء فی الاستعاذۃ أحادیث کثیرۃ یطول ذکرھا ھاھنا، وموطنھا کتاب الأذکار وفضائل الأعمال۔ (۲)

تیسری بحث: تعوذ سے متعلق فقہی مسائل

مسئلہ: قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے تعوذ پڑھنا مستحب ہے۔

مسئلہ: نماز کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے تعوذ پڑھنا سنت ہے۔

مسئلہ: عید کی نماز کی پہلی رکعت میں تین زائد تکبیروں کے بعد امام قراءت شروع کرنے سے پہلے آہستہ سے تعوذ پڑھے۔

مسئلہ: مقتدی چونکہ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتا اس لئے وہ تعوذ بھی نہ پڑھے۔

مسئلہ: استاذ کو قرآن مجید سنانے والے کے لئے تعوذ پڑھنا ضروری نہیں کیونکہ اس موقع پر وہ تلاوت نہیں کررہا ہوتا بلکہ قرآن مجید سیکھ رہا ہوتا ہے۔ (۳)

---

(۱) تفسیر القرطبی: القول فی الاستعاذۃ، ج۱ ص۸۹

(۲) تفسیر ابن کثیر: الکلام فی تفسیر الاستعاذۃ، ج۱ ص۲۸

(۳) الفتاوی الھندیۃ: کتاب الکراھیۃ، الباب الرابع، ج۵ ص۳۱۶/ رد المحتار: کتاب الصلاۃ، مطلب فی بیان المتواتر بالشاذ، ج۲ ص۲۲۳، ۲۲۴/ الفقہ الإسلامی وأدلتہ: المبحث الرابع: الصلاۃ العیدین، ج۲ ص۱۳۹۶

Marfat.com

چوتھی بحث: تعوذ کو تسمیہ پر کیوں مقدم کیا؟

تعوذ کو تسمیہ پر مقدم کرنے کی چھ (۶) وجوہات ہیں:

۱......جمہور علماء کے ہاں بوقت تلاوت تعوذ تسمیہ پر مقدم ہوتا ہے۔

۲......جمہور علماء کے ہاں نماز میں تعوذ تسمیہ پر مقدم ہوتا ہے۔

۳......دفعِ مضرت مقدم ہوتی ہے جلبِ منفعت پر۔

منفعت کی حقیقت: تحصیل ماهو فی المستقبل

مضرت کی حقیقت: تفویت ما هو فی الحال

منفعت غیر موجود چیز کو حاصل کرنا جبکہ مضرت موجود چیز کو تلف کرنا۔

۴......ازالہ مضرتِ کثیرہ منفعتِ قلیلہ کے مقابلے میں مقدم ہوتی ہے، جیسے دوکاندار ایک چیز فروخت کر رہا ہے گاہک کہتا ہے کہ فوراً یہ چیز مجھے دو، اب اس بیع میں بائع کو سو روپے کا نفع ہو رہا ہے لیکن اچانک یہ خبر آ گئی کہ آپ کے گھر میں آگ لگ گئی ہے تو دوکاندار پہلے آگ بجھانے کے لئے بھاگے گا کیوں کہ اس میں مضرت کثیرہ ہے جبکہ اس بیع میں منفعت قلیلہ ہے، اور اصول ہے کہ ازالہ مضرتِ کثیرہ منفعتِ قلیلہ کے مقابلے میں مقدم ہوتی ہے اس لئے تعوذ تسمیہ پر مقدم ہے۔

۵......استعاذہ کی حقیقت: التحفظ عن مضرة الشیطان

تسمیہ کی حقیقت: حدیث کی روشنی میں اس کی حقیقت حصول البرکت ہے، تو تعوذ میں دفع مضرت ہے، اس لئے یہ مقدم ہے جبکہ تسمیہ کا مقصد دنیاوی برکات حاصل کرنا ہے یہ فائدہ قلیلہ ہے، جب کہ تعوذ میں ایسے دشمن سے پناہ میں آنا جو ایمان کا دشمن ہے اور یہ مضرتِ کثیرہ ہے، اور دفعِ مضرت کثیرہ اولی ہے منفعت قلیلہ کے حصول سے اس لئے تعوذ کو تسمیہ پر مقدم کیا ہے۔

۶......کثیر الاسباب چیز کی بہ نسبت قلیل الاسباب چیز کی اہمیت اور فکر زیادہ ہوتی

Marfat.com

ہے۔ جیسے اگر منزل تک پہنچنے کیلئے اسباب زیادہ ہوں تو فکر نہیں ہوتی لیکن اگر اسباب کم ہوں تو فکر زیادہ ہوتی ہے۔ جیسے لاہور جانے کیلئے روزانہ دس گاڑیاں روانہ ہوتی ہوں تو اب مسافر فکر مند نہیں ہوگا کہ اگر ایک گاڑی نہ ملی تو دوسری گاڑی مل جائے گی، لیکن اگر لاہور جانے کیلئے صرف ایک ہی گاڑی روانہ ہوتی ہو تو اب فکر زیادہ ہوگی کہ کہیں گاڑی نہ نکل جائے۔ تو اسی طرح تمام شیطانی مضرتوں سے بچنے کا سبب ایک اللہ ہی کی ذات ہے اور تعوذ میں اسی ذات باری تعالیٰ کی پناہ میں آنے کا ذکر ہے اس لئے تعوذ کو تسمیہ پر مقدم کیا ہے۔

پانچویں بحث: تعوذ کے الفاظ کے متعلق

جمہور اہلِ علم کے ہاں تعوذ میں ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ'' کے الفاظ پڑھنا اولیٰ ہے۔

علامہ محمد بن محمد المعروف ابن جزری رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۳ھ) نے چھ (۶) وجوہات نقل کی ہیں اس بات پر کہ ان الفاظ کا پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

۱...... تمام قراء کے ہاں تعوذ میں مختار و پسندیدہ الفاظ ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ'' ہیں۔ یہ الفاظ سورۃ النحل کی آیت قرآنیہ ''فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ'' میں واردشدہ الفاظ کے موافق ہیں۔

۲...... استاذ ابو طاہر ابن سوار رحمہ اللہ اور ابو العز قلانسی رحمہ اللہ نے انہی الفاظ پر اہلِ علم کا اتفاق نقل کیا ہے۔

۳...... ابو الحسن سخاوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''جمال القراء'' میں لکھتے ہیں:

جن الفاظ پر امت کا اجماع ہے وہ ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ'' ہے۔

۴...... حافظ ابو عمرو دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حذاق و ماہرین اہلِ اداء کے ہاں یہی الفاظ مروج و مستعمل ہیں۔

۵...... امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ اور دیگر فقہاء کے ہاں بھی انہی الفاظ کا

Marfat.com

پڑھنا اولیٰ ہے۔

۶......آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہی الفاظ کے ساتھ تصریح وارد ہے۔ چنانچہ سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو شخص ایک دوسرے کو برا کہنے لگے اور لڑنے جھگڑنے لگے، اور ہم اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے ان میں سے ایک نہایت غصے کی حالت میں تھا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا دوسرے کو برا بھلا کہہ رہا تھا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر یہ شخص اسے پڑھ لے تو جو کچھ شدت غضب میں وہ اپنے اندر محسوس کر رہا ہے وہ دور ہو جائے وہ الفاظ یہ ہیں:

سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوسٌ، وَأَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ لَوْ قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ (۱)

علامہ ابن جزری رحمہ اللہ کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

المختار لجميع القراء من حيث الرواية أعوذ بالله من الشيطان الرجيم كما ورد في سورة النحل فقد حكى الأستاذ أبو طاهر ابن سوار وأبو العز القلانسي وغيرهما الاتفاق على هذا اللفظ بعينه، وقال الإمام أبو الحسن السخاوي في كتابه جمال القراء إن الذي عليه إجماع الأمة هو: أعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔ وقال الحافظ أبو عمرو الداني أنه هو المستعمل عند الحذاق دون غيره، وهو المأخوذ به عند عامة الفقهاء: كالشافعي وأبي حنيفة وأحمد وغيرهم، وقد ورد النص بذلك عن النبي صلى الله عليه

(۱) صحيح البخاري: كتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، ج۸ ص۲۸، رقم الحديث: ۶۱۱۵

Marfat.com

وسلم، ففی الصحیحین من حدیث سلیمان بن صرد رضی اللہ عنه قال: استب رجلان عند رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ونحن عندہ جلوس وأحدهما یسب صاحبه مغضباً قد احمر وجهه۔ فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم أنی لأعلم کلمة لو قالها لذهب عنه ما یجدہ لو قال أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ (۱)

۱......علامہ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۶ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور کے ہاں استعاذہ میں وہ الفاظ پڑھنا اولیٰ ہیں جن کا ثبوت قرآن کریم سے ہے:

أما لفظ الاستعاذة فالذی علیه جمهور الناس هو لفظ کتاب اللہ تعالی أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ (۲)

۲......علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے ہاں تعوذ میں ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ'' پڑھنا اولیٰ ہے اس لئے کہ یہ کتاب اللہ کے الفاظ ہیں:

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم،وهذا اللفظ هو الذی علیه الجمهور من العلماء فی التعوذ لأنه لفظ کتاب اللہ تعالی. (۳)

۳......علامہ سمین حلبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ وہ الفاظ پڑھنے چاہئیں جو مشہور اور قرآن کریم کی آیت کے موافق ہوں:

اللفظ المشهور لموافقة قوله تعالی فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ (۴)

---

(۱) النشر فی القراءات العشر، باب اختلافهم فی الاستعاذة، ج۱ ص۲۴۳

(۲) المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز: باب القول فی الاستعاذة، ج۱ ص۵۸

(۳) تفسیر القرطبی:القول فی الاستعاذة، ج۱ ص۸۶

(۴) الدر المصون فی علوم الکتاب المکنون: ج ۱ ص۷

Marfat.com

۴......علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور قراء اور اہل علم کے ہاں ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ'' کے الفاظ پڑھنا بہتر ہے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استعاذہ کے متعلق مروی تمام روایات میں تطبیق ہو جائے:

وكيفية الاستعاذة عند الجمهور من القراء وغيرهم أعوذ بالله من الشيطان الرجيم لتظافر الروايات على أنه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يستعين كذلك۔ (۱)

۵......علامہ سراج الدین حسینی فرماتے ہیں کہ جمہور قراء اور محدثین کے ہاں قراءت سے پہلے تعوذ میں یہ الفاظ پڑھنا بہتر ہے:

ذهب الجمهور من القراء والمحدثين وغيرهم إلى كيفية التعوذ قبل القراءة هي أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ (۲)

۶......علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری شافعی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی رحمہما اللہ اور جمہور اہل علم کے ہاں تعوذ میں ''أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ'' کے الفاظ پڑھنا اولیٰ اور پسندیدہ ہے، تا کہ قرآن کریم کی آیت کی موافقت ہو جائے:

فالمختار في لفظها عند الجمهور اعوذ بالله من الشيطن الرجيم لموافقة قوله تعالى فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وبه قال أبو حنيفة والشافعي۔ (۳)

---

(۱) روح المعانی: سورة النحل، آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج۷ ص۴۶۴

(۲) حول تفسير سورة الفاتحة أم القرآن الكريم: ص ۱۲

(۳) حدائق الروح والريحان: ج۱ ص۱۳، الناشر: دار المنهاج

Marfat.com

چھٹی بحث: تعوذ کے معنی کے بارے میں

اَعُــــــوذُ: یہ عاذ یعوذ سے واحد متکلم کا صیغہ ہے، اس کا مصدر العوذ ہے جس کا معنی ''الالتجاء لدفع المضرۃ'' تکلیف دہ چیز کو ہٹانا، اس کا مقابل لوذ ہے اس کا معنی ''الالتجاء لجلب المنفعۃ'' ہے، فائدہ حاصل کرنے کی درخواست کرنا، چنانچہ متنبّی نے یہ دونوں الفاظ اپنے ایک شعر میں جمع کئے ہیں:

یا من الوذ به فیما أؤمله ومن أعوذ به ممن أحاذره

میں اپنی امیدوں میں ممدوح سے درخواست کرتا ہوں اوران تمام چیزوں سے پناہ چاہتا ہوں جو میرے لئے خطرات کا باعث ہوں۔

امید کے موقع پر اللوذ اور خوف کے موقع پر العوذ استعمال ہوتا ہے۔

۱......امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) تعوذ کا معنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لفظ ''استعاذہ'' کا معنی لغت عرب میں پناہ مانگنا اور کسی چیز کے سہارے سمٹ کر تکلیف سے محفوظ ہونا ہے:

معنی الاستعاذة فی کلام العرب: الاستجارة والتحیز إلی الشیء، علی معنی الامتناع به من المکروه۔ (۱)

۲...حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) تعوذ کا معنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تعوذ کا معنی یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعے پناہ لیتا ہوں کہ شیطان رجیم مجھے دین و دنیا میں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔ جن احکام کی بجا آوری کا مجھے حکم کیا گیا ہے ایسا نہ ہو کہ مجھے ان سے روک دے، اور جن افعال سے مجھے روکا گیا ہے ان پر وہ مجھے ابھار دے:

ومعنی أعوذ بالله من الشیطان الرجیم، أی: أستجیر بجناب الله

---

(۱) تفسیر القرطبی: القول فی الاستعاذة، ج۱ ص۸۷

Marfat.com

من الشيطان الرجيم أن يضرني في ديني أو دنياي، أو يصدني عن فعل ما أمرت به، أو يحثني على فعل ما نهيت عنه۔ (۱)

تعوذ دُعا کے معنی میں ہے

علامہ ابوالحسن ماوردی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۰ھ) فرماتے ہیں تعوذ دعاء کے معنی میں ہے اگرچہ خبر کے لفظ کے ساتھ ہے:

أنها في معنى الدعاء، وإن كانت بلفظ الخبر۔ (۲)

فعلِ مضارع کا اصل معنی

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ "أَعُوْذُ" فعلِ مضارع ہے یہ حال اور استقبال دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے، کیا اس کا استعمال دونوں میں حقیقت ہے؟ حق بات یہ ہے کہ فعل مضارع کا حال کے معنی میں استعمال ہونا حقیقت ہے جب کہ مستقبل کے معنی میں استعمال ہونا مجاز ہے:

أعوذ فعل مضارع، وهو يصلح للحال والاستقبال، فهل هو حقيقة فيهما؟ والحق أنه حقيقة في الحال مجاز في الاستقبال۔ (۳)

نوٹ: لفظ "اللہ" کے متعلق بحث تسمیہ کے ذیل میں آئے گی ان شاء اللہ

ساتویں بحث: تعوذ کے وقت کے بارے میں

جمہور علماء کے ہاں تعوذ کو تلاوت سے پہلے پڑھا جائے گا۔

۱.....علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ہر مرتبہ قرآنِ کریم کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے تعوذ پڑھنے کا حکم

---

(۱) تفسير ابن كثير: الكلام على تفسير الاستعاذة، ج۱ ص۲۹

(۲) النكت والعيون: مقدمة، ج۱ ص۴۳ (۳) التفسير الكبير: الباب السابع، ج۱ ص۹۵

Marfat.com

دیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے کا ارداہ کریں تو تعوذ پڑھ لیا کریں:

أمر الله تعالى بالاستعاذة عند أول كل قراءة فقال تعالى: فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ أى إذا أردت أن تقرأ۔ (۱)

۲......علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

جمہور امت کے نزدیک سلفاً وخلفاً، سنت اور اور آثارِ صحابہ سے یہ بات ثابت ہے کہ تعوذ قراءت سے پہلے پڑھا جائے گا:

أن السنة وآثار الصحابة إنما جاءت بالاستعاذة قبل الشروع فى القراءة وهو قول جمهور الأمة من السلف والخلف۔ (۲)

۳......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

جمہور علماء کے ہاں تعوذ کو تلاوت سے پہلے پڑھا جائے گا وساوس کو دفع کرنے کے لئے، تو ان علماء کے ہاں آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم قراءت کا ارادہ کرو تو تعوذ پڑھ لو:

والمشهور الذى عليه الجمهور أن الاستعاذة لدفع الوسواس فيها، إنما تكون قبل التلاوة، ومعنى الآية عندهم: فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ أى: إذا أردت القراءة۔ (۳)

۴......علامہ محمد بن مصلح الدین المعروف شیخ زادہ رحمہ اللہ (متوفی ۹۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرام اور تابعین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تعوذ کو قراءت سے پہلے پڑھا جائے گا:

---

(۱) تفسير القرطبى: القول فى الاستعاذة، ج۱ ص۸۶

(۲) إغاثة اللهفان من مصائد الشيطان: الباب الثانى عشر، ص۹۲

(۳) تفسير ابن كثير: الكلام على تفسير الاستعاذة، ج۱ ص۲۶

Marfat.com

ان الأكثر من علماء الصحابة والتابعين قد اتفقوا على أن الاستعاذة متقدمة على القراءة۔ (۱)

۵......علامہ محمد طاہر ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ تعوذ پڑھنا شریعت میں قراءت کے شروع میں مشروع ہے:

فالاستعاذة مشروعة للشروع في القراءة۔ (۲)

۶...علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک تعوذ قراءت سے پہلے پڑھا جائے گا چاہے نماز میں ہو یا اس کے علاوہ ہو:

اما وقتها فهو قبل القراءة عند الجمهور سواء كان في الصلاة أو خارجها۔ (۳)

۷......شیخ وھبۃ الزحیلی فرماتے ہیں کہ استعاذہ کا سبب شیطان کے وساوس کو دفع کرنا ہے یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کو قراءت سے پہلے پڑھا جائے:

إن سبب الاستعاذة وهو دفع وسوسة الشيطان يقتضي تقديم الاستعاذة قبل القراءة۔ (۴)

آٹھویں بحث: تعوذ کا حکم

جمہور علماء کے ہاں تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے۔

۱......علامہ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۶ھ) فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے اس بات پر کہ تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے:

---

(۱) حاشية محي الدين شيخ زاده على تفسير البيضاوي: ج۵ ص۳۲۳

(۲) التحرير والتنوير: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج۱۴ ص۲۷۸

(۳) حدائق الروح والريحان: ج۱ ص۱۴

(۴) التفسير المنير: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت ج۱۴ ص۲۳۳

Marfat.com

والاستعاذة ندب عند الجمیع۔ (۱)

۲......علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں آیت میں صیغہ امر جمہور علماء کے ہاں استحباب کے لئے ہے:

ھذا الأمر علی الندب فی قول الجمھور۔ (۲)

۳......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے ہاں تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے:

وجمھور العلماء علی أن الاستعاذة مستحبة۔ (۳)

۴......علامہ ابن جزری رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے ہاں قراءت میں تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے، ہر حال میں چاہے نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ ہو:

ذھب الجمھور إلی أن الاستعاذة مستحبة فی القراءة فی کل حال، فی الصلاة وخارج الصلاة۔ (۴)

۵......قاضی ابوالسعود رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ آیت میں صیغہ امر استحباب کے لئے ہے:

والأمر للندب وھذا من مذھب الجمھور۔ (۵)

۶......علامہ محمد امین بن محمد شنقیطی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ اکثر اہلِ علم کے ہاں آیت میں صیغہ امر استحباب کے لئے ہے:

---

(۱) المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت ج۳ ص ۴۲۰

(۲) تفسیر القرطبی: القول فی الاستعاذة، ج۱ ص۸۶

(۳) تفسیر ابن کثیر: الکلام علی تفسیر الاستعاذة، ج۱ ص۲۸

(۴) النشر فی القراءات العشر: باب اختلافھم فی الاستعاذة، ج۱ ص۲۵۷

(۵) تفسیر أبی السعود: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج۵ ص ۱۴۰

Marfat.com

وقال كثير من أهل العلم أن الأمر في الآية للندب والاستحباب۔ (۱)

۷......علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ آیت میں صیغہ امر جمہور کے نزدیک استحباب پر محمول ہے:

ومحمل الأمر في هذه الآية عند الجمهور على الندب۔ (۲)

۸......علامہ وھبۃ الزحیلی فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے اس بات پر کہ صیغہ امر استحباب کے لئے ہے:

والأمر بها أمر ندب بإجماع العلماء۔ (۳)

افتتاحِ کلام میں تعوذ پڑھنے کا حکم

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص قرآن کی تلاوت کرے تو اس سے قبل تعوذ پڑھے اس لئے کہ قرآن کریم میں بوقتِ قراءت تعوذ پڑھنے کا حکم ہے، لیکن اگر کوئی کلام کا افتتاح کرے جیسے شاگرد استاذ کے سامنے پڑھے تو اس سے پہلے تعوذ کو نہ پڑھے اس لئے کہ وہ قراءت کا ارادہ نہیں کر رہا ہے:

فَإِنْ أَرَادَ بِهِ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ يَتَعَوَّذُ قَبْلَهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ، وَإِنْ أَرَادَ افْتِتَاحَ الْكَلَامِ كَمَا يَقْرَأُ التِّلْمِيذُ عَلَى الْأُسْتَاذِ لَا يَتَعَوَّذُ قَبْلَهُ لِأَنَّهُ لَا يُرِيدُ بِهِ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ۔ (۴)

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ شریعت نے استعاذہ کو مشروع قرار دیا ہے قراءت یا اس کے ارادے کے وقت۔ ہر مرتبہ قرآن کے الفاظ کے

---

(۱) أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج۲ ص ۴۴۳

(۲) التحرير والتنوير: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج۱۴ ص ۲۷۷

(۳) التفسير المنير: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج۱۴ ص ۲۳۳

(۴) منحة الخالق على البحر الرائق: كتاب الصلاة، آداب الصلاة، ج۱ ص ۳۲۹

Marfat.com

تلفظ کرتے وقت چاہے ایک آیت کی صورت میں یا چند آیات کی صورت میں، تعلیم یا وعظ یا ان کے مشابہ کسی اور غرض کے لئے ہو تو تعوذ کا پڑھنا مشروع نہیں ہے، تعوذ بوقتِ تلاوت مشروع ہے:

فالاستعاذة مشروعة للشروع في القراءة أو لإرادته وليست مشروعة عند كل تلفظ بألفاظ القرآن كالنطق بآية أو آيات من القرآن في التعليم أو الموعظة أو شبههما۔ (۱)

نویں بحث: لفظ ''شیطان'' کی تحقیق

''شطن يشطن شيطانا'' میں لفظِ نون اصل کلمے میں سے ہوگا یا زائد ہوگا، اگر اصل ہو تو اس صورت میں شطن بمعنی بعد کے ہوگا، لأن الشيطن بعيد من الملاء الأعلى، بعيد من رحمة الله، بعيد من محبة الإنسان۔

لفظ ''شیطان'' کے مادے کے بارے میں دو قول ہیں:

ایک یہ لفظ ''شیطان'' شطن سے مشتق ہے اور دوسرا یہ ''شاط'' سے مشتق ہے۔ دونوں قول درج ذیل ہیں:

۱.....امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

الشيطان النون فيه أصلية وهو من شطن: اى تباعد۔ (۲)

لفظ شیطان میں نون اصلیہ ہے اور وہ ''شطن'' سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں وہ دور ہوا۔ لغت عرب میں کہا جاتا ہے ''غُرْبَةٌ شَطُونٌ'' (دور کی مسافری) امیہ بن ابی صلت، نابغہ ذبیانی اور سیبویہ نے یہ مادہ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں ''تَشَطَّنَ فُلَانٌ'' (کہ فلان نے شیطانی فعل کیا) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: صحیح

---

(۱) التحرير والتنوير: سورة النحل آیت نمبر ۹۸ کے تحت، ج۱۴ ص۲۷۸

(۲) المفردات في غريب القرآن: كتاب الشين، شطن، ص۴۵۴

Marfat.com

یہی ہے کہ شیطان ''بعد'' کا معنی رکھتا ہے اور اسی پر کلام عرب کی بھی دلالت ہے۔

۲.....امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے دوسرا قول بھی بیان کیا ہے:

قیل: بل النون فیه زائدة من شاط یشیط: احترق غضبا، فالشیطان مخلوق من النار کما دل علیه قوله تعالی: وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ۔ (۱)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ شیطان میں نون زائدہ ہے اور یہ شاط یشیط سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہے ''غصے میں جلنا'' ہے کیونکہ شیطان آگ کی مخلوق ہے۔ جیسا کہ اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے (اور جنات کو پیدا فرمایا آگ کے شعلے سے)۔

اس معنی کے لحاظ سے شیطان حسد، بغض اور عناد سے عبارت ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ پہلے مادۂ اشتقاق کی بناء پر شیطان رحمتِ حق اور نیکی سے دوری پر دلالت کرتا ہے اور دوسرے مادۂ اشتقاق کی بناء پر شیطان غصہ وحسد، بغض وعناد اور تکبر ونخوت کی آگ پر دلالت کرتا ہے۔

اگر لفظِ نون زائد ہو تو اس کی اصل ''شاط'' ہوگی اس صورت میں بمعنی ''احترق'' یعنی جلنا، لأن الشیطن یحترق من الإنسان حسدا۔

۱...امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ''شیطان'' مفرد ہے جس کی جمع تکسیر ''شیاطین'' ہے۔ اس میں نون اصلی ہے کیوں کہ یہ ''شطن'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی خیر سے دور ہونا ہے، کہا جاتا ہے: شَطَنَتْ دَارُهُ: أَیْ بَعُدَتْ (اس کا گھر دور ہے):

الشیطان واحد الشیاطین، علی التکسیر والنون أصلیة، لأنه من شطن إذا بعد عن الخیر وشطنت داره أی بعدت۔ (۲)

---

(۱) المفردات فی غریب القرآن: کتاب الشین، شطن، ص ۴۵۴

(۲) تفسیر القرطبی: القول فی الاستعاذة، ج ۱ ص ۹۵

Marfat.com

۲......علامہ سمین حلبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک لفظ شیطان ''شطن یشطن'' بمعنی ''بعد'' سے مشتق ہے اس لئے کہ شیطان اللہ کی رحمت سے دور ہے:

فقال جمهورهم: هو مشتق من شطن يشطن لأنه بعيد من رحمة الله۔ (۱)

۳......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''شیطان'' لغتِ عرب میں ''شطن'' سے مشتق ہے اس کے لفظی معنی دوری کے ہیں، چونکہ یہ مردود بھی انسانی طبیعت سے دور ہے، اور اپنے فسق کے سبب ہر بھلائی کے کام سے دور ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ''شاط'' سے مشتق ہے، اس لئے کہ یہ آگ سے پیدا شدہ ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ معنی کے اعتبار سے دونوں معنی صحیح ہیں لیکن اول معنی اصح ہے:

والشيطان في لغة العرب مشتق من شَطَن إذا بعد، فهو بعيد بطبعه عن طباع البشر، وبعيد بفسقه عن كل خير، وقيل: مشتق من شاط لأنه مخلوق من نار، ومنهم من يقول: كلاهما صحيح في المعنى، ولكن الأول أصح۔ (۲)

۴......علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ لفظِ شیطان اسم جامد ہے:

وعندی أنه اسم جامد۔ (۳)

---

(۱) الدر المصون في علوم الكتاب المكنون: ج۱ ص۱۰

(۲) تفسیر ابن کثیر: الكلام على تفسير الاستعاذة: ج۱ ص۳۰

(۳) التحریر والتنویر: سورة البقرة آیت نمبر ۱۴ کے تحت، ج۱ ص۲۹۱

Marfat.com

ابلیس شیطان کیسے بنا

قرآن مجید کے بیانات سے ابلیس کے شیطان بننے کے تین اسباب معلوم ہوتے ہیں:

۱.....حکمِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے بجائے اس نے اپنے عمل کی بنیاد ذاتی مشاہدے اور دلیل پر رکھی۔

۲.....اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی بشریت کو تنقیصِ نبوت کی بنیاد بنایا اور اپنا موازنہ پیکر نبوت سے کرنے لگا۔

۳...اس نے عظمت وفضیلتِ نبوت سے حسد کیا اور حسد وتکبر کی بنا پر اس کا منکر ہوا۔

شیطانی شر کی تین صورتیں

شیطانی شر کی عموماً تین صورتیں ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱.....وسوسہ اندازی ۲.....جادو ۳.....حسد

پہلی صورت دل میں کوئی خیال یا وسوسہ ڈال کر کسی غلط کام کے لئے اکسانا ہے، جھوٹی افواہیں بھی اس قبیل سے ہیں اسی سے افراد کے درمیان غلط فہمیاں، عداوتیں اور نفرتیں جنم لیتی ہیں۔ اس کا ذکر قرآن میں یوں آتا ہے:

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ (الاعراف: ۲۰)

پھر شیطان نے دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا۔

اسی طرح سورۂ ناس میں فرمایا گیا ہے:

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝ (الناس)

وسوسہ انداز (شیطان) کے شر سے جو (اللہ کے ذکر کے اثر سے) پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، خواہ وہ (وسوسہ انداز شیطان) جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

Marfat.com

ہماری سوسائٹی میں اس کی عملی مثال کسی کے خلاف شرانگیز اور بے بنیاد پروپیگنڈہ کرنا ہے، جو کئی لوگ اپنے مذموم مقاصد کے لئے اکثر کرتے رہتے ہیں۔

دوسری صورت جادو کے شر کی ہے، یہ بھی شیاطین کا کام ہے، اسے اسلام نے کفر سے تعبیر کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَتَى سَاحِرًا أَوْ كَاهِنًا أَوْ عَرَّافًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (۱)

جو شخص کسی جادوگر یا قسمت کا حال بتانے والے کے پاس گیا اور اس نے اس بات کو سچ جانا جو کچھ اس نے کہا، پس اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی ہدایت سے کفر کیا۔

اس لئے قرآن نے جادو کے شر سے بھی پناہ مانگنے کا حکم صادر فرمایا ہے:

وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ۝ (الفلق)

اور اُن کے جانوں کے شر سے جو (گنڈے کی) گرہوں میں پھونک مارتی ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر تکلیف اور مصیبت کو جادو یا جنات کے اثرات کی طرف منسوب کر دیا جائے، ایسا خیال جہالت کے باعث ذہنوں میں آتا ہے۔

تیسری صورت حسد کے شر کی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ۝ (الفلق)

اور ہر حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي: كتاب القسامة، باب تكفير الساحر وقتله، ج۸ ص۲۳۳، رقم الحديث:۱۶۴۹۷

Marfat.com

حضرت آدم علیہ السلام کو بہکانے کے لئے ایک جملے میں چھ تاکیدات

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ شیطان نے حضرت آدم وحواء علیہما السلام کو بہکانے کے لئے ایک جملے میں چھ (۶) تاکیدات استعمال کیں:

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ (الاعراف)

۱.....پہلی تاکید یہ ہے کہ قسم کھا کر کہنے لگا میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

۲.....''إِنَّ'' حرف مشبہ بالفعل لایا۔

۳.....''لَكُمَا'' میں معمول کو عامل پر مقدم کیا اختصاص کے لئے۔ یعنی میری نصیحت تم دونوں کے ساتھ خاص ہے اور تمہارا اس میں فائدہ ہے میرا اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

۴.....''اَلنَّاصِحِيْنَ'' صیغہ اسمِ فاعل کے ذریعے ثبوت اور دوام کی طرف اشارہ کیا، فعل ذکر نہیں کیا اس لئے کہ وہ تجدد پر دلالت کرتا ہے، اس میں استمرار اور دوام کا معنی نہیں ہوتا۔

۵.....''لَكُمَا'' جو جواب قسم ہے اس پر لام تاکید داخل کیا۔

۶.....''اَلنَّاصِحِيْنَ'' لا کر اپنے آپ کو ناصح شمار کرتے ہوئے کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ یعنی تمہارے بہت سے خیر خواہ ہیں اور ان میں سے ایک میں بھی ہوں:

فتضمن هذا الخبر أنواعا من التأكيد: أحدها: تأكيده بالقسم، الثاني: تأكيده بإن، الثالث: تقديم المعمول على العامل إيذانا بالاختصاص أى نصيحتى مختصة بكما وفائدتها إليكما لا إلى، الرابع: إتيانه باسم الفاعل على الثبوت واللزوم دون الفعل الدال على التجدد، الخامس: إتيانه بلام التأكيد فى جواب القسم، السادس: أنه صور نفسه لهما ناصحا من جملة الناصحين فكأنه قال لهما: الناصحون لكما فى ذلك كثير وأنا واحد منهم۔ (۱)

---

(۱) إغاثة اللهفان من مصائد الشيطان: الباب الثالث عشر، ص۱۱۴

Marfat.com

ابلیس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ اللہ تعالیٰ سے میری سفارش کیجئے

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

ابلیس نے ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام سے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت کے لئے منتخب کیا اور آپ سے ہم کلام ہوئے، میں بھی خدا کی مخلوق میں شامل ہوں اور مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا اب میں توبہ کرنا چاہتا ہوں، آپ پروردگار عز وجل کے ہاں میری سفارش کیجئے کہ میری توبہ قبول کرے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی، پس کہا گیا اے موسیٰ! ہم نے تمہاری دعا قبول کی لیکن اس سے کہو کہ آدم کی قبر کو سجدہ کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام شیطان سے ملے اور کہا مجھے یہ ارشاد ہوا کہ تم حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کرو تو تمہاری توبہ قبول ہو جائے گی، تو شیطان نے انکار کیا اور غصے میں آکر کہنے لگا جب میں نے آدم کو ان کی زندگی میں سجدہ نہیں کیا تو اب مرنے کے بعد کیسے سجدہ کروں؟

ولقی إبلیس موسی علیہ السلام فقال یا موسی انت الذی اصطفاك اللہ برسالتہ وکلمك تکلیما وانا من خلق اللہ تعالی أذنبت وارید أن اتوب فاشفع لی إلی ربی عز وجل ان یتوب علی فدعا موسی ربہ فقیل یا موسی قد قضیت حاجتك فلقی موسی إبلیس فقال لہ قد امرت ان تسجد لقبر آدم ویتاب علیك فاستکبر وغضب وقال لم أسجد لہ حیا أأسجد لہ میتا؟ (۱)

دسویں بحث: لفظ رجیم کی تحقیق

لفظ ''رجیم'' رجام سے مشتق ہے، رجیم بروزن فعیل بمعنی مفعول کے ہے وہ جس کو پتھروں سے مارا جائے، یہ اظہارِ نفرت کے لئے ہوتا ہے اس لئے اس کا ترجمہ مردود سے کرتے ہیں۔

---

(۱) تلبیس ابلیس: الباب الثالث، ص۲۹

Marfat.com

لفظ ''الرجیم'' جس کا مادہ رجم ہے، الرجام پتھر کو کہا جاتا ہے۔ بناء بریں ''الرمی بالرجام'' (پتھروں سے مارنا) کے معنی میں مستعمل ہے۔ جس پر پتھراؤ کیا گیا ہو اسے ''مرجوم'' کہتے ہیں۔ قرآن میں مذکور ہے کہ قومِ نوح نے تبلیغِ حق کا انکار کرتے ہوئے کہا:

لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ یٰنُوۡحُ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمَرۡجُوۡمِیۡنَ ﴿۱۱۶﴾ (الشعراء)

وہ بولے اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کیے جاؤ گے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے:

وَ لَقَدۡ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ وَ جَعَلۡنٰهَا رُجُوۡمًا لِّلشَّیٰطِیۡنِ (الملك: ۵)

اور بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

''الرجیم'' دراصل فعیل کے وزن پر اسم مفعول ہے جو ''مرجوم'' یعنی ''مطرود عن الخیر'' (خیر اور نیکی سے بھگایا ہوا یا محروم کیا ہوا) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ''الرجیم'' کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ اسمِ فاعل کے طور پر راجم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے:

لأنه یرجم الناس بالوساوس۔

کیونکہ یہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔

قرآن حکیم میں مذکور ہے:

الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الۡجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾ (الناس)

جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ خواہ وہ (وسوسہ انداز شیطان) جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

لہٰذا ''الرجیم'' کے دونوں معنی ''خیر اور نیکی سے دور بھگایا ہوا'' اور ''وسوسہ اندازی کرنے والا'' قرآن ہی سے ماخوذ ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

Marfat.com

''رجیـــــم'' سے مراد وہ شخص ہے جسے ذلیل کر کے بھلائی سے دور ہٹا دیا جائے۔

''رجیم'' کا اصل معنی پتھر مارنا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''رَجَمْتُهٗ أَرْجُمُهٗ'' میں نے اسے پتھر مارا، اور میں اسے پتھر مارتا ہوں ''فَهُوَ رَجِيْمٌ مَرْجُوْمٌ''

الرجيم أي المبعد من الخير المهان، وأصل الرجم الرمي بالحجارة، وقد رجمته أرجمه، فهو رجيم ومرجوم۔ (۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے دو قول نقل کئے ہیں پہلا قول یہ ہے کہ رجیم بروزن فعیل بمعنی مفعول کے ہے، دوسرا قول رجیم بمعنی راجم کے ہے، لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ''رجیم'' فعیل کے وزن پر بمعنی مفعول کے ہے، یعنی وہ جس کو پتھروں سے مارا جائے اور جو تمام خیر کے کاموں سے دھتکارا ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے زینت دی اور ہر سرکش شیطان سے بچاؤ بنایا۔ اس آیت میں ''رجیـــــم'' مفعول کے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ''رجیـــم'' بمعنی ''راجـــم'' کے ہے اس لئے کہ شیطان لوگوں کو وسوسوں اور گمراہیوں سے رجم کرتا ہے۔ پہلا قول زیادہ مشہور اور اصح ہے:

الرّجيم: فعيل بمعنى مفعول، أي: إنه مرجوم مطرود عن الخير كله، كما قال تعالى: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ ...... وقيل: رجيم بمعنى راجم لأنه يرجم الناس بالوساوس والربائث، والأول أشهر وأصح۔ (۲)

---

(۱) تفسير القرطبي: القول في الاستعاذة، ج۱ ص۹۰

(۲) تفسیر ابن کثیر: الكلام على تفسير الاستعاذة، ج۱ ص۳۱

Marfat.com

"الشیطان الرجیم" کے معنوی اطلاقات

یہ امر متفق علیہ ہے کہ استعاذہ یا تعوذ شیطان رجیم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے اور اس کے مل جانے کی امید کا نام ہے، اب یہ پہلو غور طلب ہے کہ "الشیطان الرجیم" کا معنوی اطلاق کس پر ہوتا ہے۔

پہلا اطلاق: ابلیس (فردِ خاص)

"الشیطان الرجیم" کا پہلا اور معروف اطلاق ایک مخصوص فرد پر ہوتا ہے۔ جس کا تعلق گروہ جنات سے ہے اور اس کا نام ابلیس ہے، اسی کو عرفِ عام میں شیطان کہتے ہیں۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں متعدد بار آیا ہے، غالباً سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ سورہ اعراف میں ہے۔ ابلیس کے شیطان قرار پانے کی وجہ قرآن خود بیان کرتا ہے:

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ (الأعراف)

ترجمہ: پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔ ارشاد ہوا (اے ابلیس!) تجھے کس بات نے روکا تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا، جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے مٹی سے بنایا ہے، ارشاد ہوا پس تو یہاں سے اتر جا تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ یہاں تکبر کرے، پس میری بارگاہ سے نکل جا، بے شک تو ذلیل و خوار لوگوں میں سے ہے۔

اس سے آگے پھر ارشاد ہوتا ہے:

Marfat.com

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا (الأعراف:۱۸)

ترجمہ: (اے ابلیس!) تو ذلیل ومردود ہو کر نکل جا۔

سورۂ حجر میں اسی واقعے پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ آدم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّ اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِىْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ (الحجر)

ترجمہ: لہٰذا جب میں اس کو پوری طرح بنالوں، اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اُس کے آگے سجدے میں گر جانا۔ پس سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔ (اللہ نے) ارشاد فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ (ابلیس نے) کہا میں ہرگز ایسا نہیں (کرسکتا) کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے کی کھنکناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (اللہ نے) فرمایا: تو یہاں سے نکل جا پس بے شک تو مردود (راندہ درگاہ) ہے۔ اور بے شک تجھ پر روز جزا تک لعنت (پڑتی) رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلعتِ خلافت ونبوت سے سرفراز کر کے ان کی فضیلت وعظمت کا سرِ عام اعتراف کرنے کے لئے سجدۂ تعظیمی کا حکم صادر فرمایا، جسے تمام ملائکہ نے بلا تامل تسلیم کر لیا۔ لیکن ابلیس عظمتِ آدم کے سامنے سر بسجود ہونے کے لئے تیار نہ ہوا۔ بلکہ اس نے اپنے انکار کا یہ جواز پیش کیا کہ میں آدم سے افضل ہوں۔ سورۂ اعراف

Marfat.com

اور سورۂ حجر کے دونوں مقامات پر یہ صراحت سے مذکور ہے، کہا ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے اپنا موازنہ کرتے ہوئے ان کی فضیلت سے انکار کر دیا جس پر وہ غضب الٰہی کا مستحق قرار پایا۔ اس کا استدلال یہ تھا کہ ایک بشر جس کی تشکیل مٹی کے گارے سے ہوئی ہے مجھ سے کیسے افضل ہو سکتا ہے؟ بارگاہ الوہیت میں یہی دلیل اس کے ملعون ہونے کا باعث بنی۔ حالانکہ بشریتِ آدم اور اس کی تشکیل کا ذکر کم و بیش اسی انداز میں اللہ تعالیٰ نے پہلے خود ہی فرما دیا تھا:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۲۸ (الحجر)

ترجمہ: اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں گارے کی کھنکناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کی تخلیق کا ذکر اس انداز میں کرنا محض اظہار مقصود کے لئے تھا۔ اس میں تنقیص نہ تھی جب کہ ابلیس بشریت آدم کا ذکر صرف انکار فضیلت آدم کی دلیل کے طور پر کر رہا تھا، اس کا مقصد بجائے اعترافِ عظمت کے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اپنا موازنہ تھا۔ یہ پہلو تنقیصِ نبوت کی طرف راجع تھا، اور اس کی یہی سوچ حکم الٰہی سے انحراف کی بنیاد بنی۔ جس پر اسے ابد الآباد تک کے لئے رحمت الٰہیہ سے دور، قربِ ایزدی سے محروم اور بارگاہ ربوبیت سے ملعون کر دیا گیا، اور قرآنی ارشاد کے مطابق وہ شیطان رجیم کا مصداقِ اتم قرار پا کر ہمیشہ کے لئے لعنت کا مستحق قرار پایا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے "الشیطان" اور "الرجیم" کے القاب سے یاد کیا۔ کیونکہ لفظ شیطان اپنے ایک معنی کے اعتبار سے دوری پر دلالت کرتا ہے، اس لئے ابلیس کو اس نام سے موسوم کیا گیا کہ وہ تنقیصِ نبوت اور حکم الٰہی سے تمرد و انحراف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی بارگاہِ عافیت سے دور کر دیا گیا ہے۔ اور یہ لفظ اپنے دوسرے معنی کے اعتبار سے حسد و عداوت کی آگ میں جلنے پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اس لئے شیطان کہا گیا ہے کیونکہ وہ عظمت و فضیلتِ

Marfat.com

آدم اور منصبِ نبوت کی رفعت وسطوت دیکھ کر حسد وعداوت کی آگ میں جل اٹھا۔ یہاں تک کہ باری تعالیٰ کے حکم سے بھی کھلی بغاوت پر تل گیا، چنانچہ یہ دونوں الفاظ ابلیس کے لئے قرآن حکیم میں متفرق طور پر بھی اور اکھٹے بھی استعمال ہوئے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ (التکویر)

ترجمہ: اور نہ یہ (قرآن) کسی مردود شیطان کی (بنائی ہوئی) کوئی بات ہے۔

دوسرا اطلاق

دوسرا اطلاق نوعِ انسانی اور جنات کے ان تمام افراد پر ہوتا ہے جو اپنے فکر وعمل کے اعتبار سے شیطنت کے مظاہر ہیں۔ شیطنت اپنے وسیع مفہوم کے لحاظ سے حسد وعداوت، بغض وعناد، فتنہ وشر اور وسوسہ اندازی کی تمام صورتوں کو محیط ہے۔ اس لئے وہ تمام افراد جو ایسے خصائل ذمیمہ سے متصف ہو کر مخلوق خدا کو مصائب وآلام، فتنہ وشر اور وسوسہ وتفرقہ کی آگ میں جھونکتے پھرتے ہوں، ان کے شر سے پناہ مانگی جائے۔ قرآنِ حکیم جنات اور انسانوں دونوں طبقات میں سے ایسے افراد کو شیطان کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ (الأنعام: ۱۱۲)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے نبی کے لئے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو دشمن بنادیا جو ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی ہوئی (چکنی چپڑی) باتیں (وسوسہ کے طور پر) دھوکہ دینے کے لئے ڈالتے رہتے ہیں۔

اسی طرح قرآن کفر وطاغوت کے ان علمبرداروں کو بھی شیطان کہتا ہے جو ہمہ وقت اہلِ ایمان کے اغواء واضلال میں مصروف رہتے ہیں:

وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ (البقرة)

Marfat.com

ترجمہ: اور جب (وہ منافق) اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں، اور جب اپنے شیطانوں سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم یقیناً تمہارے ساتھ ہیں، ہم (مسلمانوں کا تو) محض مذاق اڑاتے ہیں۔

دوسرے اطلاق کے اعتبار سے شیطان متعدد افراد کا لقب ہے۔ جو ہر وقت انسانوں کو حق وصواب اور امن وآشتی سے محروم کرنے پر تلے رہتے ہیں۔ قرآنِ حکیم ان کے اس منصوبے کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ (الأنعام)

ترجمہ: اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں (وسوسے) ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔

ارکانِ استعاذہ

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ تعوذ کے پانچ ارکان ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱.....الاستعاذہ: اس سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کے ذریعے بارگاہ ربوبیت میں تعوذ کیا جاتا ہے۔

۲.....المستعیذ: اس سے مراد وہ شخص ہے جو استعاذہ کرتا ہے یعنی بارگاہ ربوبیت میں پناہ کا طلب گار ہوتا ہے وہ اعوذ کا فاعل ہے۔

۳.....المستعاذ بہ: اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے، جس کی پناہ طلب کی جاتی ہے، ان کلمات میں لفظ اللہ اعوذ کا مفعول بہ ہے۔

۴.....المستعاذ منہ: اس سے مراد شیطان رجیم ہے جس سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔

۵.....اجل الاستعاذہ: اس سے مراد استعاذہ کی حکمت اور غرض وغایت ہے، جس کی

Marfat.com

خاطر خدا کی پناہ طلب کی جاتی ہے۔ یعنی شیطان کا وہ خاص شر جس سے محفوظ و مامون ہونے کے لئے تعوذ پڑھا جاتا ہے۔[1]

گیارہویں بحث: تعوذ میں کل چار چیزیں ہیں

۱......مستعیذ ۲......مستعاذ بہ ۳......مستعاذ منہ ۴......مستعاذ لہ

''اعوذ''میں مستعیذ کا بیان ہے،'' باللّٰہ''میں مستعاذ بہ کا بیان ہے۔

''الشیطان''میں مستعاذ منہ کا بیان ہے۔

مستعاذ لہ کے ذکر نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟

مستعاذ لہ کے ذکر نہ کرنے کی وجہ شیطان کی عداوت میں مبالغہ کا اظہار مقصود ہے، نیز شیطان کی دشمنی اولادِ آدم کے ساتھ عداوت کاملہ ہے جبکہ باقی اعداء کی عداوت عداوتِ ناقصہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ استعاذہ کے فوائد میں سے ہے کہ لغو اور بیہودہ باتوں سے جو منہ میں ناپاکی پیدا ہو جاتی ہے استعاذہ کے ذریعے وہ دور ہو جاتی ہے، اور منہ کلام اللہ کی تلاوت کے قابل ہو جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی ہے اور اس کی عظیم الشان قدرت کا اعتراف کرنا ہے:

ومن لطائف الاستعاذة أنها طهارة للفم مما كان يتعاطاه من اللغو والرفث، وتطييب له وتهيؤ لتلاوة كلام الله وهي استعانة بالله واعتراف له بالقدرة۔[2]

شیطان کے علاوہ باقی دشمنوں میں مضرت کے ساتھ منفعت کا بھی پہلو ہے جبکہ شیطان مجسمہ مضرت ہے، اس لئے قرآن میں''عدو''کے ساتھ لفظ''مبین''بھی آیا ہے، شیطان کے علاوہ انسان کا کوئی ایسا دشمن نہیں جس میں کوئی منفعت کا پہلو نہ ہو، تو

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الثاني في المباحث العقلية، ج۱ ص۷۰

(۲) تفسير ابن كثير: الكلام على تفسير الاستعاذة، ج۱ ص۲۹

Marfat.com

مستعاذ منہ اور مستعاذ لہ ایک ہی ذات کو قرار دیا تا کہ معلوم ہو کہ شیطان سراپا دشمن ہے۔ نیز شیطان سے پناہ کا مطلب ذات سے پناہ نہیں ہے بلکہ اس کی ایذاء سے بچنا ہے، لہٰذا شیطان ہی مستعاذ اور مستعاذ منہ دونوں ہے۔

بارہویں بحث: وہ نو آیات جن میں انبیاء واولیاء نے شیطان کے شر سے پناہ مانگی ہے

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے وہ آیاتِ کریمہ نقل کیں ہیں جن میں حضرات انبیاء واولیاء نے شیطان مردود سے پناہ مانگی ہے۔ پھر اس کے بعد دس (۱۰) احادیث مبارکہ نقل کیں ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو وہ دعائیں سکھلائی ہیں جن کے پڑھنے سے انسان شیطان کے مکروفریب سے بچ سکتا ہے۔

۱..... حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ (ھود: ۴۷)

ترجمہ: نوح نے کہا: میرے پروردگار میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آئندہ آپ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں۔

۲..... حضرت یوسف علیہ السلام کو جب زلیخا ورغلانے لگی تو آپ نے فرمایا:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ (یوسف: ۲۳)

ترجمہ: یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ میرا آقا ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔

۳..... نیز آپ نے فرمایا:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝ (یوسف)

ترجمہ: یوسف نے کہا: اس (ناانصافی) میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جس شخص

Marfat.com

کے پاس سے ہماری چیز ملی ہے اس کو چھوڑ کر کسی اور کو پکڑ لیں۔

۴.....حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو قوم نے کہا:

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ (البقرۃ)

ترجمہ: وہ کہنے لگے کیا آپ ہمارا مذاق بناتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا: میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں (ایسے) نادانوں میں شامل ہوں۔

۵.....نیز آپ نے فرمایا:

وَ اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ۝ (الدخان)

ترجمہ: اور میں اس بات سے اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو۔

۶.....حضرت مریم کی والدہ نے فرمایا:

وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُھَابِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ (آل عمران)

ترجمہ: اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے حفاظت کے لئے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔

۷.....حضرت مریم نے جبرئیل علیہ السلام کو جب انسانی صورت میں تنہائی میں دیکھا تو فرمایا:

قَالَتْ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ (مریم)

ترجمہ: مریم نے کہا: میں تم سے خدائے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تم میں خدا کا خوف ہے (تو یہاں سے ہٹ جاؤ)۔

۸.....جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَ اَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ (المومنون)

ترجمہ: اور دعا کرو کہ میرے پروردگار! میں شیطان کے لگائے ہوئے چرکوں

Marfat.com

سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے میرے پروردگار! میں ان کے اپنے قریب آنے سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

۹.....اسی طرح سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا:

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ (الأعراف)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) درگزر کا رویہ اپناؤ، اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو۔ اور اگر کبھی شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی کچو لگ جائے تو اللہ کی پناہ مانگ لو۔ یقیناً وہ ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے۔(۱)

تیرہویں بحث: بوقتِ قراءت تعوذ پڑھنے کی حکمت

۱.....علامہ ابن جزری رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ بے ہودہ اور فحش گفتگو کے صدور سے منہ میں جو ناپا کی پیدا ہو جاتی ہے وہ تعوذ پڑھنے کی وجہ سے دور ہو جاتی ہے اور منہ پاک صاف ہو جاتا ہے، اور اب وہ کلام اللہ کی تلاوت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے، وہ وساوس جو شیطان کی وجہ سے انسان پر طاری ہوتے ہیں اس سے حفاظت ہو جاتی ہے، تعوذ پڑھنے سے اللہ کی عظیم الشان قدرت کا اعتراف ہوتا ہے اور اس کھلے دشمن کے مقابلے میں اپنی کمزوری و عاجزی کا اعتراف کرنا ہے، شیطان کی مدافعت ورکاوٹ پر سوائے خالقِ باری تعالیٰ کے اور کوئی طاقت نہیں رکھتا، پس شیطان طبعاً شریر ہے، نہ رشوت کو قبول کرتا ہے نہ حسن وسلوک وبھلائی سے اس کی دشمنی دفع ہو سکتی ہے، نہ خوش خلقی وخندہ پیشانی اس پر اثر انداز ہوتی ہے بلکہ اس کے شرور اور برائی سے بچانے والی ذات صرف اللہ کی ذات ہے اس لئے تعوذ کو پڑھا جاتا ہے تا کہ اس کے وساوس وخطرات سے حفاظت ہو جائے:

---

(۱) التفسير الكبير: الباب الثاني: ج۱ ص۷۰

Marfat.com

ثم أن المعنى الذی شرعت الاستعاذة له یقتضی أن تکون قبل القراءة لأنها طهارة الفم مما کان یتعاطاه من اللغو والرفث وتطییب له، وتهیؤ لتلاوة کلام اللّٰه تعالی فهی التجاء إلی اللّٰه تعالیٰ واعتصام بجنابه من خلل یطرأ علیه أو خطأ یحصل منه فی القراءة وغیرها وإقرار له بالقدرة، واعتراف للعبد بالضعف والعجز عن هذا العدو الباطن الذی لا یقدر علی دفعه ومنعه إلا اللّٰه الذی خلقه، فهو لا یقبل مصانعة ولا یداری بإحسان ولا یقبل رشوة ولا یؤثر فیه جمیل بخلاف العدو الظاهر من جنس الإنسان۔ (۱)

۲.....امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ بے شک بندے کی زبان جھوٹ، غیبت، چغل خوری کی وجہ سے نجس ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے تعوذ کا حکم دیا تاکہ بندے کی زبان پاک ہوجائے، تاکہ وہ لسانِ طاہر کے ذریعے اس کلام باری تعالیٰ کو پڑھے جو پاکیزہ ذات نے اتارا ہے:

الحکمة فیه أن العبد قد ینجس لسانه بالکذب والغیبة والنمیمة فأمر اللّٰه تعالی العبد بالتعوذ لیصیر لسانه طاهرا فیقرأ بلسان طاهر کلاما أنزل من رب طیب طاهر۔ (۲)

۳.....علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری فرماتے ہیں کہ جو شخص تلاوت کا ارادہ کرتا ہے وہ درحقیقت ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرتا ہے، پس اب ضروری ہے کہ زبان کو پاک کیا جائے اس لئے کہ فضول کلام، بہتان، گالم گلوچ کی وجہ سے وہ نجس ہوگئی ہے تو اب

(۱) النشر فی القراءات العشر: باب اختلافهم فی الاستعاذة، ج۱ ص۵۶
(۲) التفسیر الکبیر: الباب السابع، ج۱ ص۹۵

Marfat.com

اس کی پاکی کے لئے تعوذ پڑھنے کا حکم دیا ہے:

من أراد قراءة القرآن إنما يريد الدخول فی المناجاة مع الحبيب فيحتاج إلى طهارة اللسان لأنه قد تنجس بفضول الكلام والبهتان فيطهره بالتعوذ۔ (۱)

چودھویں بحث: تعوذ کے متعلق چند اہم سوالات وجوابات

سوال: ''أَعُوْذُ'' میں صیغہ واحد متکلم کیوں استعمال کیا جبکہ عموماً دعا کے موقع پر جمع کے صیغے استعمال ہوتے ہیں؟

جواب: شیطان کے مقابلے میں جماعت فرد کی طرح ہے، کیونکہ شیطان غیر مرئی ہے اس کے مقابلے میں جماعت فرد کی حیثیت رکھتی ہے، شیطان کے مقابلے میں ہر فرد کو اپنے اپنے بچاؤ کا حکم دیا گیا ہے، جب شیطان دکھائی نہیں دیتا ہے تو اس کے ساتھ مقابلہ جماعت کی صورت میں کیا جائے:

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ (الأعراف:۲۷)

لہٰذا ہر شخص کو شیطان سے بچاؤ کے لئے انفرادی طور پر تعوذ کا حکم دیا گیا اور اس میں کوئی مستثنیٰ نہیں، چاہے انبیاء ہوں یا اولیاء یا صالحین، سب اس میں شامل ہیں کہ شیطان سے اپنا بچاؤ کریں۔

سوال: جب شیطان عدو مبین ہے تو دفاعی تدبیر کے لئے کیا صرف تعوذ کافی ہے؟

جواب: تعوذ شیطانی اضرار سے بچاؤ کے لئے مؤثر بالخاصہ ہے۔ اس جملے میں اللہ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ شیطانی حملوں سے نجات مل جاتی ہے، اس کی معقول توجیہ یہ ہے کہ

(۱) حدائق الروح والريحان: ج۱ ص۸۱

Marfat.com

مستعیذ بندہ ہے، مستعاذ بہ اللہ ہے، مستعاذ منہ شیطان ہے، شیطان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قوی ہے، وہ عالم الغیب ہے، وہ علیم ہے، شیطان کے تمام مکروفریب کو جانتا ہے، وہ بصیر ہے بندہ کی حالت سے واقف ہے، وہ سمیع ہے بندہ کی پکار بھی اس نے سن لی، اور وہ قادر مطلق ہے بندہ کی مدد کرنے پر قادر ہے، اور خود ذات باری تعالیٰ نے تعوذ پڑھنے کی تدبیر بھی سکھلائی ہے، لہٰذا وہ اپنے بندے کی مدد بھی کرے گا۔

مثال: جیسے ایک آٹھ سالہ بچہ چار سالہ بچے کو مارتا ہے تو چار سالہ بچہ جب اپنے والدین کو پکارتا ہے تو وہ مارنے والا بھاگ جاتا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے میں اگرچہ چار سالہ بچے سے قوی تھا لیکن اس کے والدین مجھ سے کہیں زیادہ مجھ پر قوی ہیں، اور وہ اپنے بچے کی مدد بھی کریں گے اور ان کے دل میں اپنے بچے کی محبت بھی ہے، تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز سے زیادہ قوی ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ والدین سے کہیں زیادہ اپنے بندوں سے محبت کرنے والے ہیں۔

سوال: تعوذ میں دنیا کی تمام مضرتوں اور نقصان دہ اشیاء میں صرف شیطان کا انتخاب کیوں؟

جواب: مضرت کے چار درجات ہیں:

مضرت ثوبی: کپڑے کو نقصان پہنچ جائے۔ جیسے پھٹ جائے، جل جائے۔

مضرت جسمی: بدن انسانی زخمی ہو جائے یا اس کو چوٹ لگ جائے۔

مضرت روحی: یعنی روح کو نقصان پہنچے اور وہ جسم سے الگ ہو جائے۔

مضرت روح الروحی: یعنی وہ جس سے ایمان متاثر ہو۔

تمام مضرتوں میں بڑھ کر مضرت ایمانی ہے اور اس کا دشمن شیطان ہے، دنیا میں رہنے والے اعداء مال کے دشمن ہیں جبکہ شیطان ایمان کا دشمن ہے۔ نیز شیطان کی عداوت اس کا وصفِ ذاتی ہے اور وصف ذاتی ناقابل تغیر ہوتا ہے، شیطان سے انسانی عداوت کا انفکاک اس طرح مشکل ہے جیسے حرارت کا انفکاک آگ سے مشکل ہے، اس لئے قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا (فاطر: ٦)

سوال: شیطان اور دیگر اعداء میں کیا فرق ہے؟

جواب: شیطان ایسا دشمن ہے جو رشوت کو قبول نہیں کرتا اور اس سے بچاؤ کے لئے صرف انسانی مدد کافی نہیں۔ شیطان غیر مرئی دشمن ہے جس سے مقابلہ کرنا مشکل ہے، نہ وہ چاپلوسی کو قبول کرتا ہے، اور نہ اس کی مدح کرنا اس کی ایذاء رسانی سے بچا سکتی ہے، نہ خوش خلقی کو وہ قبول کرتا ہے، نہ بداخلاقی اس پر اثر انداز ہوتی ہے، اور شیطان انسان کی سب سے قیمتی متاع ایمان کا دشمن ہے جس کا فائدہ اخروی اور دائمی ہے جبکہ دیگر اعداء صرف مال و متاع کے دشمن ہیں جن کا نقصان صرف دنیا تک محدود ہے، بقیہ اعداء سے بچاؤ کے لئے عقلی تدابیر کافی ہیں جبکہ شیطان سے بچاؤ کے لئے وحی الٰہی اور علومِ نبوت کی روشنی ضروری ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ شیطان جن سے استعاذہ کا حکم ہے اس لئے کہ یہ نہ رشوت کو قبول کرتا ہے اور نہ اچھی تعریف اس پر اثر انداز ہوتی ہے کیونکہ یہ اصل طبع کے اعتبار سے شریر ہے، شیطان کے شر سے کوئی نہیں بچ سکتا مگر اس ذات باری تعالیٰ کی قدرت سے جس نے اس کو پیدا کیا ہے:

وأمر بالاستعاذة به من شيطان الجن لأنه لا يقبل رشوة ولا يؤثر فيه جميل لأنه شرير بالطبع ولا يكفه عنك إلا الذي خلقه۔[1]

امام غزالی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ شیطان ایسا دشمن ہے جو نہ خوشامد کو قبول کرتا ہے اور نہ رشوت کو:

هو عدو لا يقبل التملق ولا الرشوة۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ انسانی اضلال کے لئے شیطان کے پاس دو تدابیر ہیں۔

(۱) تفسیر ابن کثیر: الکلام علی تفسیر الاستعاذة، ج۱ ص۲۹

Marfat.com

۱.....شبہات ۲.....شہوات

ایمان میں شبہات کو ڈالتا ہے جبکہ اعمال میں شہوات کو داخل کرتا ہے۔

چار قسم کی مخلوقات اعمال کے مکلّف ہیں

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ چار قسم کی مخلوقات مکلّف ہیں۔ ۱.....انسان ۲.....جنات ۳.....ملائکہ ۴.....شیاطین۔

اعلم أن طوائف المكلفين أربعة: الملائكة والإنس والجن والشياطين۔ (۱)

پندرہویں بحث: تعوذ سے مستنبط دس اہم لطائف

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''اَعُوْذُ'' میں اشارہ ہے انسان کے محتاج ہونے کی طرف، اگر انسان محتاج نہ ہوتا تو تعوذ پڑھنے کا کیا فائدہ؟ نیز اس میں اپنے نفس کے بارے میں فقر اور احتیاج کی طرف اشارہ ہے۔ ''باللہ'' میں اشارہ ہے کہ اللہ کی ذات مستغنی ہے، انسان اللہ کا محتاج ہے۔ تعوذ میں اپنے نفس کے عجز کا اور قدرت باری تعالیٰ کا اعتراف ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کے قرب کا کوئی اور وسیلہ نہیں سوائے اس کے اپنے نفس کے بارے میں عجز وانکساری اور ذات باری تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف کیا جائے۔ اقدام علی الطاعات کے لئے ضروری ہے کہ شیطان سے فرار حاصل کیا جائے اور یہ تعوذ سے حاصل ہوگا۔ زبان پر جب غیر اللہ کے تذکرے ہوں تو اس میں ایک قسم کی گندگی آجاتی ہے اب اس کی پاکی کے لئے ضروری ہے کہ تعوذ پڑھا جائے تاکہ طہارت حاصل ہو۔ انسان کے دو دشمن ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی، اور دونوں دشمنوں کے ساتھ مقابلے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ ''اَعُوْذُ بِاللہِ''

---

(۱) التفسير الكبير: الباب الثاني، ج۱ ص۸۵

Marfat.com

میں لفظ ''اللہ'' کوذکر کیا اس لئے کہ گناہوں سے روکنے میں لفظ ''اللہ'' سب سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ کا تصور کرتے ہی انسان گناہوں سے رک جاتا ہے۔ شیطان نام ہے رجیم اس کی صفت ہے، صرف نام پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کی صفت کو بھی ذکر کیا۔ لفظ شیطان پر جو الف لام ہے وہ الف لام جنس کا ہے، تعوذ میں گویا اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہا ہے کہ شیطان مردود سے دور رہو تاکہ تجھے رحمٰن ورحیم کا قرب حاصل ہو:

(أعوذ) إشارة إلى الحاجة التامة، فإنه لولا الاحتياج لما كان في الاستعاذة فائدة، (بالله) إشارة إلى الغنى التام للحق۔ (أعوذ بالله) اعتراف بعجز النفس وبقدرة الرب، وهذا يدل على أنه لا وسيلة إلى القرب من حضرة الله إلا بالعجز والانكسار، أن الإقدام على الطاعات لا يتيسر إلا بعد الفرار من الشيطان، وذلك هو الاستعاذة بالله، اللسان لما جرى بذكر غير الله حصل فيه نوع من اللوث، فلا بدّ من استعمال الطهور، فلما قال: أَعُوذُ بالله حصل الطهور، لك عدوان أحدهما ظاهر والآخر باطن، وأنت مأمور بمحاربتهما۔ (أعوذ بالله) ولم يذكر اسماً آخر، بل ذكر قوله (الله) لأن هذا الاسم أبلغ في كونه زاجراً عن المعاصي من سائر الأسماء والصفات۔

الشيطان اسم، والرجيم صفة، ثم إنه تعالى لم يقتصر على الاسم بل ذكر الصفة، أدخل الألف واللام في الشيطان ليكون تعريفاً للجنس كأنه تعالى يقول: إنه شيطان رجيم، وأنا رحمن رحيم، فابعد عن الشيطان الرجيم لتصل إلى الرحمن الرحيم۔ (۱)

(۱) التفسير الكبير: الباب الثالث، ج۱ ص۹۴

Marfat.com

سولہویں بحث: تعوذ پڑھنے کی سات اہم حکمتیں اور فوائد

استعاذہ کا معنی و مفہوم اور اس کے مختلف اطلاقات سمجھ لینے کے بعد اب ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اس کی حکمت و مصلحت کیا ہے؟ آخر مسلمانوں کو "شیطان رجیم" سے خواہ وہ ابلیس ہو، شیاطین انس و جن ہوں یا خصائل ذمیمہ کی صورت میں جنس شیطنت ہو، پناہ مانگنا کیوں ضروری ہے، اس کے مقاصد و نتائج کیا ہیں؟ اس حکم کی متعدد حکمتیں ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے۔

حکم استعاذہ کی پہلی حکمت یہ ہے کہ جب ابلیس نے بارگاہ ربوبیت میں تمرد و انحراف کی راہ اختیار کی اور اس کے نتیجے میں اسے مردود و ملعون بنا کر بھگا دیا گیا تو اس نے بنی نوع انسان اور بالخصوص مسلمانوں کو راہ حق سے گمراہ کرنے کا حلف اٹھایا اور اس عزم کا اظہار اسی موقع پر برملا کر دیا جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۸۲﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿۸۳﴾ (ص)

(شیطان) بولا: تیری عزت کی قسم! ضرور میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا، سوائے تیرے ان برگزیدہ بندوں کے جو (میرے اور نفس کے فریبوں سے) خلاصی پا چکے ہیں۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ﴿۸۴﴾ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۸۵﴾ (ص)

فرمایا: تو سچ یہ ہے اور میں سچ ہی فرماتا ہوں، بے شک میں (بھی) یقیناً جہنم بھر دوں گا تجھ سے اور ان سب سے جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے۔

حکم استعاذہ کی دوسری حکمت یہ ہے کہ اس دعا کے ذریعے انسان اپنے گرد و نواح میں بسنے والے بے شمار شیطانی خصلت کے حامل افراد کے شر و فساد اور حسد و عداوت سے محفوظ رہے۔ کیونکہ ابلیس کے علاوہ بھی کئی افراد از قبیلِ جن و انس ایسے ہیں جو منفی اور تخریبی

Marfat.com

مقاصد کے لئے دوسرے لوگوں کے جائز حقوق و مفادات کو نقصان پہنچانے پر تلے رہتے ہیں۔

حکم استعاذہ کی تیسری حکمت یہ ہے کہ انسان خود کو بری خصلتوں اور خسیس خواہشات سے پاک رکھے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفاتی مظہریت کا اہل بنانے کے لئے اس کے باطن کو تمام ناپسندیدہ اوصاف سے منزہ کرنا چاہا ہے۔ رذائل اخلاق کی آلودگیوں سے نجات حاصل کئے بغیر انسان ''تخلقوا بأخلاق الله'' (خدا کے اوصاف کے رنگ میں رنگے جاؤ) کا مصداق نہیں ہوسکتا۔ ''عاذ یعوذ'' میں التجاء کرنے اور وابستہ ہونے دونوں کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس لئے حکمت استعاذہ بھی یہی ہے کہ انسان بارگاہ ایزدی میں رذائل سے پاک ہونے کی التجاء کرے اور فضائل سے متصف ہونے کے لئے اس کے دامن رحمت سے متصل ہو جائے۔

حکم استعاذہ کی چوتھی حکمت انسان کے باطنی کمالات کے حصول سے متعلق ہے۔ ''شیطان'' دوری پر اور ''رجیم'' ملامت و شقاوت پر دلالت کرتا ہے۔ گویا استعاذہ کے ذریعے انسان کو ''خدا سے دوری'' اور ''شقاوت'' سے توبہ کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ دونوں چیزیں باہم لازم و ملزوم ہیں۔ کیونکہ خدا سے دوری شقاوت کا سبب ہے اور شقاوت خدا سے دوری کا۔ خدا سے دوری قرب الٰہی کے منافی ہے اور شقاوت سعادت کے۔ کیونکہ تمام تر روحانی کمال قرب الٰہی اور سعادت پر منحصر ہے۔ اس لئے انسان کو یہ تعلیم کی گئی ہے کہ وہ خدا سے بُعد اور شقاوت دونوں سے پناہ مانگے کہ جب اسے دوری سے نجات ملے گی تو قرب اَز خود میسر آ جائے گا اور شقاوت سے نجات ملے گی تو سعادت اَز خود نصیب ہو جائے گی۔

استعاذہ کی پانچویں حکمت یہ ہے کہ انسان کو اپنے عجز و بے بسی کا علم ہو جائے اور وہ یہ سمجھ لے کہ میں دینی و دنیوی منافع کے حصول اور بچاؤ پر خود قادر نہیں ہوں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان شامل حال نہ ہو اس وقت تک میں کامیاب و کامران نہیں ہوسکتا۔ یہی وہ احساس اور علم و شعور ہے جو انسان کو صحیح عظمت سے ہمکنار کرتا ہے۔ اگر اس کا فقدان ہو

Marfat.com

اور انسان خود کو قادر مطلق اور غنی و بے نیاز سمجھ لے تو اس سے غرور و تکبر اور نخوت و فرعونیت جنم لیتی ہے، جو انسان کی تمام اعلیٰ صلاحیتوں کو غارت کر کے اسے دنیا میں ذلیل و رسوا کر دیتی ہے۔ آداب و شرائط عظمت کا یہی سنگ بنیاد ہے کہ انسان اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کے باوجود خود کو عاجز سمجھے اور انہیں بروئے کار لاتے ہوئے بھی صحیح نتائج کے لحاظ سے رب العالمین کی رحمت اور عطاء و شفقت کا طلب گار رہے۔

چھٹی حکمت: جب انسان میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو ذہن میں اس احساس کے جاگزیں ہو جانے کے بعد دل میں تواضع، انکساری اور تذلل و تضرع کی نعمت سے بہرہ ور کر دیتی ہے۔ یہی حالت فی الحقیقت جوہر عبادت ہے۔

ساتویں حکمت: استعاذہ کا عملی پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے عجز و انکساری کے اعتراف اور خشوع و خضوع کے حصول کے بعد بارگاہ ایزدی کی طرف کمالِ یقین کے ساتھ متوجہ ہو اور اس سے استمداد کرے اور پھر اس کے لطف و احسان اور جود و سخاء پر پورا توکل رکھے۔ اسے ہر فتنہ و شر اور خوف و غم سے پناہ بھی ملے گی اور دیگر انعامات سے بھی نوازا جائے گا۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۶۱ھ) نے تعوذ کے پانچ فوائد نقل کئے ہیں۔

۱.....تعوذ پڑھنے سے دین پر ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے۔

۲.....شیطان کے فتنے و فساد سے انسان محفوظ رہتا ہے۔

۳.....ایک محفوظ قلعے میں انسان کو پناہ ملتی ہے۔

۴.....تعوذ کے پڑھنے سے انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیکوکاروں کی مصاحبت حاصل ہوتی ہے۔

۵.....ارض و سماء کے مالک کی مدد حاصل ہوتی ہے:

وليستفيد العبد بالاستعاذة خمسة أشياء: أحدها: الثبات على الدين والبقاء، الثاني: السلامة من شر اللعين والعناء، الثالث: الدخول في الحصن الحصين، الرابع: الوصول إلى اللقاء الأمين مع النبيين

Marfat.com

والصديقين والشهداء والصالحين، الخامس: نيل معونة رب الأرض والسماء۔ (۱)

سترہویں بحث: جنات اور شیاطین کے وجود سے متعلق

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦ھ) نے جنات اور شیاطین کے وجود کے بارے میں پانچ آیات اور سات احادیث نقل کی ہیں:

اعلم أن القرآن والأخبار يدلان على وجود الجن والشياطين: أما القرآن فآيات۔

جان لیں کہ بے شک قرآن اور احادیث دونوں جنات اور شیاطین کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔

پس قرآنِ کریم کی چند آیات یہ ہیں:

۱.....وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ (الأحقاف)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) یاد کرو جب ہم نے جنات میں سے ایک گروہ کو تمہاری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں، چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے (ایک دوسرے سے) کہا کہ خاموش ہو جاؤ، پھر جب وہ پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کے پاس انہیں خبردار کرتے ہوئے واپس پہنچے۔

۲.....وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ (البقرة: ۱۰۲)

ترجمہ: اور یہ (بنی اسرائیل) ان (منتروں) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کی سلطنت کے زمانے میں شیاطین پڑھا کرتے تھے۔

---

(۱) الغنية لطالبي طريق الحق عز وجل: ج۱ ص۱۹۸، الناشر: دار الكتب العلمية

Marfat.com

۳..... وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ۔ (سبا: ۱۲)

ترجمہ: اور جنات میں سے کچھ وہ تھے جو اپنے پروردگار کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے۔

۴..... وَ الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ۝ (ص)

ترجمہ: اور شریر جنات بھی ان کے قابو میں دے دیئے تھے، جن میں ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور شامل تھے، اور کچھ وہ جنات جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔

۵..... يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۚ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ (الرحمن)

ترجمہ: اے انسانوں اور جنات کے گروہ! اگر تم میں یہ بل بوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے پار نکل سکو تو پار نکل جاؤ، تم زبردست طاقت کے بغیر پار نہیں ہو سکو گے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تواتر سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی طرف گئے اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی:

وبلغ مبلغ التواتر من خروج النبی صلی اللہ علیه وسلم لیلة الجن وقراء ته علیهم ودعوته إیاهم إلی الإسلام۔

امام رازی رحمہ اللہ نے اس کے بعد سات احادیث نقل کی ہیں۔ دیکھئے تفصیلاً:

التفسیر الکبیر: الباب الثانی، ج ۱ ص ۸۴

Marfat.com

اٹھارہویں بحث: جنات، شیاطین اور ملائکہ کی حقیقت

شیاطین مذکر بھی ہوتے ہیں اور مونث بھی، ان کی نسل بھی جاری ہوتی ہے البتہ نفخہ اولی تک ان پر موت نہیں آئے گی۔ جنات مذکر بھی ہوتے ہیں اور مونث بھی ان میں توالد اور تناسل کا سلسلہ بھی جاری ہوتا ہے اور ان پر موت بھی واقع ہوتی ہے۔ ملائکہ نہ مذکر ہوتے ہیں اور نہ ہی مونث، نہ ان کی نسل جاری ہوتی ہے نہ ان پر موت واقع ہوتی ہے۔ ملائکہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ شیاطین اور جنات کے لئے ایک حقیقت اور وجود ہے، جنات کے وجود کا انکار نہیں کیا مگر فلاسفہ اور اطباء کی ایک چھوٹی سی جاہل جماعت نے:

الشياطين ذكور وإناث يتوالدون ولا يموتون إلى النفخة الأولى والجن ذكور واناث يتوالدون ويموتون والملائكة ليسوا بذكور ولا اناث لا يموتون ولا يتوالدون ولا يأكلون ولا يشربون فثبت بهذا أن للشيطان والجن حقيقة ووجود ا ولم ينكر وجود الجن إلا شرذمة قليلة من جهال الفلاسفة والأطباء ونحوهم۔ (۱)

انیسویں بحث: تعوذ میں بلاغت کے عمدہ نکات

علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری نے بلاغت کے تین عمدہ نکات نقل کئے ہیں:

''أعوذ بالله'' میں صیغہ انشاء یعنی امر کے صیغے سے فعل مضارع کی طرف عدول کیا ہے۔ اصل عبارت یہ تھی ''اعذني يا رب'' اے اللہ! میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔ صیغہ انشاء یعنی امر و نہی میں استقبال کا مفہوم ہوتا ہے جب کہ یہاں مقصود حال کا مفہوم ہے، اور فعل مضارع معنی حال میں حقیقت ہوتا ہے اور استقبال میں مجاز۔

---

(۱) حدائق الروح والريحان: ج۱ ص۹۱

Marfat.com

۲..... یہاں متکلم سے غائب کی طرف التفات ہے، ''اعوذ'' واحد متکلم ہے اور لفظ اللہ اسم ظاہر ہے جو غائب کے حکم میں ہوتا ہے، نیز لفظ اللہ کا ذکر برکت اور تلذذ کی غرض سے ہے۔

۳..... ''الشیطن'' موصوف کے لئے ''الرجیم'' صفتِ کاشفہ لائی، موصوف کو مؤکد کرنے کے لئے، اور مخاطبین کو اس سے نفرت دلانے کے لئے۔ شیطان تو اس قابل ہے کہ اسے پتھروں سے سنگسار کیا جائے نہ کہ محبت کا۔ (۱)

بیسویں بحث: تعوذ کی ترکیب

اعوذ فعل مضارع انا ضمیر مستتر اس کا فاعل، ''باللہ'' اور ''من الشیطان'' جار مجرور متعلق ہیں اعوذ فعل کے ساتھ، ''اعوذ'' فعل اپنے فاعل اور دونوں متعلقات سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ (۲)

تسمیہ کا تاریخی پسِ منظر

شریعتِ اسلامیہ میں ہمیشہ سے یہی تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ ہر جائز اور مشروع کام کا آغاز اللہ کے نام سے کیا جائے:

۱..... جب نوح علیہ السلام نے طوفان سے بچاؤ کے لئے اذنِ الٰہی کے مطابق کشتی تیار کر لی اور اپنے ساتھیوں کو اس میں سوار کر لیا تو کشتی چلانے سے قبل فرمایا:

وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (هود)

اور نوح نے کہا تم لوگ اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور

---

(۱) حدائق الروح والریحان: فصل في مباحث الاستعاذة، ج۱ ص۱۸

(۲) حدائق الروح والریحان: فصل في مباحث الاستعاذة، ج۱ ص۱۵

Marfat.com

اس کا ٹھہرنا ہے، بے شک میرا رب بڑا ہی بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

۲.....اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ صبا کو جو تبلیغی خط لکھا اس کا آغاز بھی انہی مبارک کلمات سے کیا گیا تھا:

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (النمل)

بے شک وہ (خط) سلیمان علیہ السلام کی جانب سے (آیا) ہے، اور وہ اللہ کے نام سے شروع (کیا گیا) ہے جو بے حد مہربان بڑا رحم کرنے والا ہے۔

۳.....عہدِ عیسوی میں بھی ان مبارک کلمات کی برکات وتاثیرات کا پتہ چلتا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے ''تفسیر کبیر'' میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ عیسی علیہ السلام کا ایک قبر پر گزر ہوا، آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ صاحبِ قبر عذاب میں مبتلا ہے، جب دوسری مرتبہ گزر ہوا تو دیکھا کہ رحمت کے فرشتے نور سے بھرے ہوئے طاقچے اس پر پیش کر رہے ہیں، اور وہ بڑی راحت میں ہے، آپ کو بہت تعجب ہوا نماز پڑھی اور کشفِ حال کے لئے دعا کی:

فأوحى الله تعالى إليه يا عيسى كان هذا العبد عاصيًا ومذ مات كان محبوسا في عذابي وكان قد ترك امرأة حبلى فولدت ولدا وربته حتى كبر فسلمته إلى الكتاب فلقنه المعلّم بسم الله الرحمن الرحيم فاستحيت من عبدي أن أعذبه بناري في بطن الأرض وولده يذكر اسمي على وجه الأرض۔ (۱)

پس اللہ تعالی نے وحی کی کہ اے عیسی! یہ بندہ اپنی موت کے دن سے میرے عذاب میں گرفتار تھا۔ وقتِ مرگ اس کی بیوی حاملہ تھی، جس سے بعد میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس کی ماں نے اسے پالا اور معلّم دین کے سپرد کر دیا، اس معلّم نے جب اس بچے کو ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھائی تو ہم کو شرم آ گئی کہ اس کا

---

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج۱ ص۱۵۵

Marfat.com

باپ قبر میں عذاب میں مبتلا رہے اور اس کا بیٹا زمین پر ہمارے نام کا ذکر کرے، پس ہم نے اس کو بخش دیا۔

۴.....اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ یہ حکم بعض معاملات میں ''واجب'' کا درجہ رکھتا ہے، بعض میں ''سنت'' کا اور بعض میں ''مستحب'' کا۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ (الأنعام:۱۱۸)

سو تم اس (ذبیحہ) سے کھایا کرو جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ (الأنعام: ۱۱۹)

اور تمہیں کیا ہے کہ تم اس (ذبیحہ) سے نہیں کھاتے جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا گیا ہے (تم ان حلال جانوروں کو بلاوجہ حرام ٹھہراتے ہو)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ كَلَامٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ فَهُوَ أَجْزَمُ۔ (۱)

جو کلام اللہ تعالیٰ کی تعریف سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص رہتا ہے۔ یعنی اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔

اس حدیث کا مفہوم اس طرح سمجھیں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه۔ (۲)

اس شخص کا وضو نہیں جس نے اس پر بسم اللہ نہ پڑھی۔

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ بسم اللہ کے نہ پڑھنے سے وضو کی فرضیت ہی ناقص رہ

---

(۱) سنن أبي داود: كتاب الأدب، باب الهدي في الكلام، ج۴ ص ۲۶۱، رقم الحديث: ۴۸۴۰

(۲) سنن أبي داود: كتاب الطهارة، باب في تسمية على الوضوء، ج۱ ص۲۵، رقم الحديث: ۱۰۱

Marfat.com

جاتی ہے بلکہ فرض تو ادا ہو جاتا ہے لیکن سنن و مستحبات کی شمولیت سے جو کمال نصیب ہوتا ہے انسان اس سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ فعل جو بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جائے، ممکن ہے دنیوی لحاظ سے مطلوبہ نتائج کے حصول میں تو ناکام نہ ہو لیکن اپنے اجر وثواب کے اعتبار سے عند اللہ کامل نہ ہوگا۔ اسی روحانی کمال اور نقص کی طرف مذکورہ بالا حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ کلام الٰہی جو سراسر خیر و برکت ہے، جب اس کے پڑھنے سے بھی پہلے بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے تو دیگر امور حیات سے قبل تسمیہ کا پڑھا جانا کس قدر ضروری ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی عملی مداومت بھی اسی اصول پر تھی۔

۵..... یہاں تک کہ باری تعالیٰ نے خود اپنے کلام مبارک کے نزول کے آغاز و افتتاح کے لئے جو کلمات منتخب فرمائے وہ بھی ''تسمیہ'' کی نوعیت کے تھے۔ غار حرا میں گونجنے والی سب سے پہلی قرآنی صدا یہ تھی:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○ (العلق)

(اے پیغمبر!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا۔

پہلی بحث: استعاذہ اور تسمیہ کے درمیان مناسبت

۱..... استعاذہ میں عقائد باطلہ اور اعمال سیئہ سے پرہیز تھی، بسم اللہ میں عقائد صحیحہ اور اعمالِ صالحہ کی طرف رجوع ہے۔

۲..... استعاذہ میں ماسویٰ اللہ سے لاتعلقی اور علیحدگی کا اعلان تھا، بسم اللہ میں توجہ الی اللہ کا باقاعدہ اقدام ہے۔

۳..... استعاذہ میں ہر قسم کے شر سے حفاظت طلب کی گئی تھی، بسم اللہ میں انعامات وعنایات کا سوال کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

۴.....استعاذہ گمراہی سے بچاتا ہے، بسم اللہ ہدایت کا حصول ہے۔

۵.....استعاذہ عزمِ سفر تھا، بسم اللہ حصولِ منزل ہے۔

۶.....استعاذہ مریض کے لئے مجوزہ پرہیز ہے، بسم اللہ اس کا مجوزہ علاج ہے۔

۷.....استعاذہ رذائل اور خصائص ذمیمہ سے نجات حاصل کرنا ہے، بسم اللہ میں خود کو اوصاف و اخلاقِ الٰہیہ سے متصف کرنا ہے۔

۸.....استعاذہ بُغض و عناد سے براءت کا نام ہے، بسم اللہ پیکر رحمت و راحت قرار پانے کا نام ہے۔

۹.....استعاذہ خدا کی دوری سے پناہ مانگنے کا نام تھا، بسم اللہ اس کے قرب و وصال کی طلب کا نام ہے۔

۱۰.....استعاذہ میں اپنی عاجزی کا اعتراف تھا، بسم اللہ میں خدا کی قدرت کا اعتراف ہے۔

۱۱.....استعاذہ کا آغاز نفس امارہ کے شعور اور اس کی مذمت سے ہوا تھا، بسم اللہ کا آغاز نفس لوامہ کے شعور اور ان کی تحسین سے ہوتا ہے۔

۱۲.....استعاذہ کا ثمرہ و نتیجہ نفس مطمئنہ تھا، بسم اللہ کا ثمرہ نفس راضیہ و مرضیہ ہے جو فی الحقیقت نفسِ کاملہ قرار پایا ہے۔

۱۳.....استعاذہ میں شخصیت کی اصلاح تھی، بسم اللہ میں اس کا منتہائے کمال ہے۔

تسمیہ کو تعوذ سے متاخر کرنے کی حکمت

علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری فرماتے ہیں کہ تسمیہ کو تعوذ سے متاخر اس لئے کیا تاکہ اس میں اشارہ ہو اس بات کہ طرف کی تحلیہ مؤخر ہوتا ہے تخلیہ سے۔ پہلے کسی چیز کی صفائی ستھرائی ہوتی ہے پھر بعد میں اس کی تزئین اور اس پر نقش و نگار ہوتا ہے:

الإشعار بأن باب التحلية مؤخر عن باب التخلية۔ (۱)

---

(۱) حدائق الروح والريحان: مباحث البسملة، ج۱ ص۲۲

Marfat.com

دوسری بحث: تسمیہ کے ذریعے جملہ امور کے افتتاح کی حکمت

ا......علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ مشرکین عرب اپنے کاموں کی ابتداء اپنے معبودوں کے نام سے کرتے تھے، پس وہ کہتے: لات کے نام سے، عزیٰ کے نام سے اس کام کو شروع کرتا ہوں۔ لہٰذا موحدین پر واجب ہے جب وہ اپنے کسی کام کا قصد کریں تو اللہ کے نام سے شروع کریں، اور یہ حاصل ہوگا لفظ اللہ کو مقدم کرنے اور فعل کو موخر کرنے سے، پس اس صورت میں تخصیص کا معنی حاصل ہوگا، جیسے "إياك نعبد" میں عامل کو موخر کرنے اور معمول کو مقدم کرنے سے حصر کا معنی پیدا ہوتا ہے:

لأنهم كانوا يبدء ون بأسماء آلهتهم فيقولون باسم اللات باسم العزى فوجب أن يقصد الموحد معنى اختصاص اسم الله عز وجل بالابتداء وذلك بتقديمه وتأخير الفعل كما في قوله: إياك نعبد حيث صرح بتقديم الإسم إرادة للاختصاص.(۱)

۲......علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ (متوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ تسمیہ پڑھنے میں مشرکین کی مخالفت کا اظہار کرنا ہے، مشرکین اپنے کاموں کی افتتاح بتوں اور مخلوقات کے ناموں سے کرتے جن کی یہ عبادت کرتے تھے:

وفيه إظهار مخالفة المشركين الذين يفتتحون أمورهم بذكر الأصنام أو غيرها من المخلوقين الذين كانوا يعبدونهم۔(۲)

۳......علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ

---

(۱) الكشاف: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳

(۲) أحكام القرآن للجصاص: باب القول في بسم الله، ج۱ ص۱۹

Marfat.com

مشرکین اپنے کاموں کی ابتداء اپنے معبودوں کے ناموں سے کرتے تھے، پس وہ کہتے لات کے نام سے، عزی کے نام سے، تو موحد پر واجب ہے کہ وہ اپنے جملہ امور کی ابتداء صرف اللہ کے نام سے کرے، اسی وجہ سے تسمیہ کو فاتحہ پر مقدم کیا:

وكانوا يبدأون بأسماء آلهتهم فيقولون باسم اللات وباسم العزى، فوجب أن يقصد الموحد معنى اختصاص اسم الله عز وجل بالابتداء وذا بتقديمه۔ (۱)

۴......علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری فرماتے ہیں کہ مشرکین اپنے کاموں کی ابتداء اپنے معبودوں کے ناموں سے کرتے تھے پس وہ کہتے لات کے نام سے، عزی کے نام سے، تو موحد پر واجب ہے کہ وہ اپنے جملہ امور کی ابتداء صرف اللہ کے نام سے کرے، اسی وجہ سے تسمیہ کو فاتحہ پر مقدم کیا:

كانت الكفار يبدأون بأسماء آلهتهم فيقولون باسم اللات والعزى، فوجب أن يقصد الموحد معنى اختصاص اسم الله عز وجل بالابتداء۔ (۲)

بسم اللہ لکھنے کا طریقہ

بسم اللہ کو بغیر الف کے لکھا جاتا ہے کیوں کہ بولتے اور لکھتے وقت باء الصاق اس کی جگہ کافی ہو جاتی ہے، اور کثرتِ استعمال کی وجہ سے الف کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ارشاد باری تعالیٰ: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ۔ میں قلتِ استعمال کی وجہ سے لکھنے میں الف حذف نہیں کیا جاتا۔

(۱) تفسير مدارك: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۷

(۲) حدائق الروح والريحان: مباحث البسملة، ج۱ ص۲۲

Marfat.com

ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے:

ندب الشرع إلى ذكر البسملة في أول كل فعل۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کا عہد نامہ

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا حلف نامہ ہے جو انہوں نے ہر سورت سے پہلے نازل فرما کر اپنے بندوں کے ساتھ حلفاً عہد کیا ہے کہ اے میرے بندو! میں نے اس سورت میں تم لوگوں کے لئے جو کچھ بھیجا ہے وہ سچ ہے، اور یقین رکھو کہ میں نے اس سورت میں جو وعدہ کیا یا جس مہربانی اور عنایت کا ذکر کیا ہے اسے ضرور پورا کروں گا۔

امت کے لئے خاص تحفہ

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" اس کلامِ باری تعالیٰ کا حصہ ہے جو اس نے ہماری کتاب قرآن مجید میں نازل فرمایا۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اس امت کو ملنے والا خصوصی تحفہ ہے۔

شریعت کا خلاصہ

بعض علماء کرم فرماتے ہیں: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں پوری شریعت سمائی ہوئی ہے کیوں کہ اس میں باری تعالیٰ کی ذات کا ذکر بھی ہے اور صفات کا بھی، اور یہ بات صحیح ہے۔ (۲)

---

(۱) التفسير القرطبي: الكلام في البسملة، ج۱ ص۹۷

(۲) تفسير القرطبي: الكلام في البسملة، ج۱ ص۹۱

Marfat.com

"بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ" لکھنے کی ابتداء

امام شعبی اور امام اعمش رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "باسمك اللّٰھم" لکھا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بسم اللہ لکھنے کا حکم دیا گیا، تو آپ نے یہ لکھنا شروع کر دیا، پھر جب ارشاد باری تعالیٰ:

قُلِ ادۡعُوا اللّٰهَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ (الإسراء: ۱۱۰)

ترجمہ: آپ کہیے: اللہ (کہہ کر) پکارو یا رحمان کہہ کر پکارو۔

نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ" لکھنا شروع کر دیا۔ پھر جب "اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ" نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری "بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ" لکھنے کا معمول بنا لیا۔

امام ابوداود نے امام شعبی، امام ابو مالک، امام قتادہ، اور امام ثابت بن عمارہ رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری "بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ" نہیں لکھی یہاں تک کہ سورۂ نمل نازل ہوئی۔[1]

تیسری بحث: تسمیہ پڑھنے کے مسنون مواقع

قرآن کریم کی کئی آیات اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی میں بسم اللہ کی بڑی اہمیت ہے، اور کوئی بھی کام کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا خیر و برکت کا باعث ہے، اللہ کی نصرت وحمایت کا ذریعہ اور تائید وحفاظت کا سبب ہے۔ بسم اللہ پڑھنے سے شیطان ذلیل ہو جاتا ہے، جیسا کہ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں گدھے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، گدھا ذرا پھسلا تو میں نے کہا شیطان کا برا ہو، تو نبی کریم

---

(۱) سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب من جهر بها، ج۱ ص۲۰۹، رقم الحديث:۷۸۷/ تفسير القرطبي: الكلام في البسملة، ج۱ ص۹۲

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: یہ نہ کہو کہ شیطان کا برا ہو، کیونکہ اس سے شیطان پھول جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اپنی قوت کے ساتھ اسے گرایا ہے، سو اگر تم بسم اللہ کہو تو اس سے شیطان اپنے آپ کو نہایت چھوٹا اور حقیر سمجھتا ہے یہاں تک کہ مکھی سے بھی زیادہ چھوٹا اور زیادہ حقیر:

عَنْ أَبِى تَمِيمَةَ عَنْ رَدِيفِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ عَنْ رَجُلٍ عَنْ رِدْفِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ عَلَى حِمَارٍ فَعَثَرَ فَقَالَ الَّذِى خَلْفَهُ تَعِسَ الشَّيْطَانُ، فَقَالَ لَا تَقُلْ تَعِسَ الشَّيْطَانُ فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ تَعِسَ الشَّيْطَانُ تَعَاظَمَ وَقَالَ بِعِزَّتِى صَرَعْتُكَ وَإِذَا قُلْتَ بِسْمِ اللّٰهِ تَصَاغَرَ حَتَّى يَصِيرَ مِثْلَ ذُبَابٍ۔ (۱)

۱......خط و کتابت کا آغاز بسم اللہ سے کرنا چاہئے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہرقل (شاہ روم) نے ان کے پاس قریش کے قافلے میں ایک آدمی بلانے کو بھیجا اور اس وقت یہ لوگ تجارت کے لئے ملک شام گئے ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خط منگایا جو آپ نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے حاکم بصری کے پاس بھیجا تھا اور اس نے وہ ہرقل کے پاس بھیج دیا تھا، پھر اس کو پڑھا تو اس میں لکھا تھا "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ"

أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِى رَكْبٍ مِنْ قُرَيْشٍ وَكَانُوا تُجَّارًا بِالشَّامِ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِى بَعَثَ بِهِ دِحْيَةُ إِلَى عَظِيمِ بُصْرَى، فَدَفَعَهُ إِلَى هِرَقْلَ فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔ (۲)

---

(۱) مسند احمد: مسند البصريين، ج۳۴ ص ۲۹۱، رقم الحديث: ۲۰۶۰۹

(۲) صحيح البخاري: كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ج۱ ص۸، رقم الحديث:۷

Marfat.com

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو خط ملکہ سبا کو لکھا تھا اس کا آغاز یوں کیا:

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ (النمل)

یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے، اور شروع اللہ کے نام سے ہے جو بے حد رحم والا نہایت مہربان ہے۔

سیدنا مسور بن مخرمہ اور مروان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حدیبیہ کے مقام پر صلح نامہ لکھوانے کا ارادہ کیا تو آپ نے کاتب کو بلوایا اور اس سے فرمایا ''اکتب بسم الله الرحمن الرحیم'' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو:

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ يُصَدِّقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَدِيثَ صَاحِبِهِ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ ...... فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَاتِبَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الخ۔ (۱)

۲......وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے وضو کا پانی طلب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں میں سے کیا کسی شخص کے پاس پانی موجود ہے؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک پانی میں رکھا اور فرمایا ''تم اللہ کے نام کے ساتھ وضو کرو'' تو میں نے یہ منظر دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی نکل رہا تھا یہاں تک کہ تمام لوگوں نے وضو کیا اور کوئی شخص وضو سے باقی نہ بچا:

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد---الخ، ج۳ ص۱۹۳، رقم الحدیث: ۲۷۳۱/ صحیح مسلم: کتاب الجهاد، باب صلح الحدیبیة فی الحدیبیة، ج۳ ص۱۴۱۰، رقم الحدیث: ۱۷۸۳

Marfat.com

عَنْ أَنَسٍ قَالَ طَلَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضُوءًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَ أَحَدٍ مِنْكُمْ مَاءٌ، فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الْمَاءِ وَيَقُولُ تَوَضَّئُوا بِسْمِ اللّٰهِ، فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ حَتَّى تَوَضَّئُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ۔ (۱)

۳......دعاؤں کی ابتداء بسم اللہ سے کریں

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور پوچھا اے محمد! کیا آپ بیمار ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! تو جبرئیل علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی:

بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيكَ بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ۔

اللہ کے نام کے ساتھ میں تمہارے لئے ہر اس چیز سے جو تمہیں تکلیف پہنچاتی ہے اور ہر نفس کی برائی سے یا حاسد کی نظر بد کی برائی سے شفاء طلب کرتا ہوں، اللہ تمہیں شفاء عطا فرمائے، میں اللہ کے نام کے ساتھ تمہارے لئے شفاء طلب کرتا ہوں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اشْتَكَيْتَ فَقَالَ نَعَمْ، قَالَ بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ اللّٰهُ يَشْفِيكَ بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ۔ (۲)

---

(۱) سنن النسائي: كتاب الطهارة، باب التسمية عند الوضوء، ج۱ ص ۶۱، رقم الحديث: ۷۸

(۲) صحيح مسلم: كتاب السلام، باب الطب والمرض والرقى: ج۴ ص ۱۷۱۸، رقم الحديث: ۲۱۸۶

Marfat.com

۴......جس جگہ درد ہو وہاں ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ پڑھنا

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے جسم میں کسی جگہ درد ہونے کی شکایت کی جو قبولِ اسلام کے بعد پہلی دفعہ ہوئی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا ہاتھ درد کے مقام پر رکھو پھر تین مرتبہ بسم اللہ اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھو:

أَعُوذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ۔

میں اللہ کی اور اس کی قدرت کی پناہ طلب کرتا ہوں اس بیماری کی برائی سے جو اس وقت مجھے لاحق ہے اور اس سے بھی جس کے آئندہ ہونے کا اندیشہ ہے:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ الثَّقَفِيِّ أَنَّهُ شَكَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهُ فِي جَسَدِهِ مُنْذُ أَسْلَمَ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِي تَأَلَّمَ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِاسْمِ اللّٰهِ ثَلَاثًا، وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ۔ (۱)

۵......بیماری سے شفایابی کے لئے اُنگشتِ شہادت زمین پر رکھیں پھر اسے اٹھا کر یہ دعا پڑھیں

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مریض کی شفا کے لئے) یہ دعا پڑھتے تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيقَةِ بَعْضِنَا يُشْفَى سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا۔

---

(۱) صحيح مسلم: كتاب السلام، باب استحباب وضع يده على موضع الألم ..... الخ، ج۴ ص۱۷۲۸، رقم الحديث: ۲۲۰۲

Marfat.com

اللہ کے نام کے ساتھ ہماری زمین کی مٹی اور ہم میں سے بعض کے لعاب دہن سے ہمارے رب کے حکم سے ہمارا مریض شفایاب ہو جائے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ لِلْمَرِيضِ بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيقَةِ بَعْضِنَا، يُشْفَى سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا۔ (۱)

صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُنگشتِ شہادت زمین پر رکھتے پھر اٹھاتے اور مذکورہ بالا دعا پڑھتے:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اشْتَكَى الْإِنْسَانُ الشَّيْءَ مِنْهُ أَوْ كَانَتْ بِهِ قَرْحَةٌ أَوْ جَرْحٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِصْبَعِهِ هٰكَذَا وَوَضَعَ سُفْيَانُ سَبَّابَتَهُ بِالْأَرْضِ ثُمَّ رَفَعَهَا بِاسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفَى بِهِ سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا۔ (۲)

۶.....کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب بچہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھا اور (کھانا کھاتے وقت) میرا ہاتھ برتن میں چاروں طرف گھوم رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ۔

اے لڑکے! بسم اللہ پڑھ کر اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الطب، باب رقیة النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ج۷ ص۱۳۳، رقم الحدیث: ۵۷۴۵

(۲) صحیح مسلم: کتاب السلام، باب استحباب الرقیة من العین والنملة، ج۴ ص۱۷۲۴، رقم الحدیث: ۲۱۹۴

Marfat.com

عُمَرَ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ يَقُولُ كُنْتُ غُلَامًا فِي حَجْرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ يَدِي تَطِيشُ فِي الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا غُلَامُ سَمِّ اللهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ۔ (۱)

۷......اگر کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائیں تو یہ پڑھیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو بسم اللہ کہے اور اگر شروع میں بسم اللہ بھول جائے تو یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللهِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ۔

اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ (کھاتا ہوں) اس کے شروع اور اس کے آخر میں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ فَإِنْ نَسِيَ فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ۔ (۲)

۸......جانور ذبح کرتے وقت کی دُعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چتکبرے سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی کی اور انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور آپ نے یہ دعا پڑھی:

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الأطعمة، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين، ج۷ ص۶۸، رقم الحدیث: ۵۳۷۶

(۲) سنن الترمذی: کتاب الأطعمة، باب ما جاء في التسمية على الطعام، ج۳ ص۳۵۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۸

Marfat.com

بسم اللہ واللہ أکبر۔

اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ سب سے بڑا ہے:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ ضَحَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ، ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ، وَسَمَّى وَكَبَّرَ۔ (۱)

۹......شکار کرتے وقت یا تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھنا

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم اس قوم میں سکونت رکھتے ہیں جو ان کتوں سے شکار کرتی ہے، آپ نے فرمایا جب تم نے اپنا سکھایا ہوا کتا چھوڑ و اور اس پر اللہ کا نام لے لو تو اگر وہ کتا تمہارے لئے شکار لایا تو تم اسے کھا سکتے ہو:

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنَّا قَوْمٌ نَتَصَيَّدُ بِهٰذِهِ الْكِلَابِ، فَقَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كِلَابَكَ الْمُعَلَّمَةَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ، فَكُلْ مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكَ۔ (۲)

۱۰......جس ذبیحہ کے متعلق تسمیہ پڑھنے کا علم نہ ہو تو خود پڑھ لیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بعض لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں ہمیں نہیں معلوم کہ انہوں نے اس پر بسم اللہ پڑھی ہے یا نہیں، (تو کیا ہم یہ گوشت کھا سکتے ہیں یا نہیں؟)

---

(۱) صحيح البخاري: كتاب الأضاحي، باب التكبير عند الذبح، ج۷ ص۱۰۲، رقم الحديث: ۵۵۶۵/ صحيح مسلم: كتاب الأضاحي، باب استحباب الضحية ...... الخ، ج۳ ص۱۵۵۶، رقم الحديث: ۱۹۶۶

(۲) صحيح البخاري: كتاب الذبائح، باب ما جاء في التصيد، ج۷ ص۸۸، رقم الحديث: ۵۴۸۷

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر بسم اللہ پڑھ لو اور کھالو، (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہ لوگ ابھی اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے):

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ هُنَا أَقْوَامًا حَدِيثًا عَهْدُهُمْ بِشِرْكٍ، يَأْتُونَا بِلُحْمَانٍ لَا نَدْرِي يَذْكُرُونَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا أَمْ لَا قَالَ اذْكُرُوا أَنْتُمْ اسْمَ اللهِ وَكُلُوا۔ (۱)

۱۱......گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنے کی فضیلت

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا ذکر کرے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے: اب تمہارے لئے نہ ٹھکانہ ہے نہ کھانا، اور اگر وہ شخص داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہ لے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے: اب تمہارے لئے ٹھکانہ مل گیا:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَذَكَرَ اللهَ عِنْدَ دُخُولِهِ وَعِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ الشَّيْطَانُ لَا مَبِيتَ لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ، وَإِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللهَ عِنْدَ دُخُولِهِ قَالَ الشَّيْطَانُ أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ، وَإِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللهَ عِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ وَالْعَشَاءَ۔ (۲)

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب السؤال بأسماء الله تعالیٰ، ج۹ ص۱۱۹، رقم الحدیث: ۷۳۹۸

(۲) صحیح مسلم: کتاب الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحکامها: ج۳ ص۱۵۹۸، رقم الحدیث: ۲۰۱۸

Marfat.com

۱۲......سونے سے قبل بسم اللہ پڑھنا

سونے سے قبل بسم اللہ پڑھ کر انجام دیئے جانے والے چند اعمال بیان کرتے ہوئے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سونے لگو تو دروازوں کو اللہ کا نام لے کر بند کر دو کیونکہ شیطان بند دروازوں کو نہیں کھولتا، اللہ کا نام لے کر مشکیزوں کے منہ باندھ دو، اللہ کا نام لے کر اپنے برتنوں کو ڈھانک دو، خواہ کسی چیز کو چوڑائی میں رکھ کر ہی ڈھک سکو اور (اللہ کا نام لے کر) اپنے چراغ بجھا دو:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...... فَأَغْلِقُوا الأَبْوَابَ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَابًا مُغْلَقًا، وَأَوْكُوا قِرَبَكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ، وَخَمِّرُوا آنِيَتَكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَلَوْ أَنْ تَعْرُضُوا عَلَيْهَا شَيْئًا وَأَطْفِئُوا مَصَابِيحَكُمْ۔ (۱)

۱۳......لشکر کو روانہ کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو نصیحت کرتے تو فرماتے:

اُغْزُوا بِاسْمِ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔

اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو۔ (۲)

۱۴......سوار ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنا

حضرت علی بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میرے سامنے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لئے سواری لائی گئی، جب انہوں نے رکاب میں پاؤں رکھا تو تین مرتبہ بسم اللہ کہا، پھر جب اس

---

(۱) صحيح البخاري: كتاب الأشربة، باب تغطية الإناء، ج۷ ص۱۱۱، رقم الحديث: ۵۶۲۳

(۲) صحيح مسلم: كتاب الجهاد، باب تامير الإمام، ج۳ ص۱۳۵۷، رقم الحديث: ۱۷۳۱

Marfat.com

کی پیٹھ پر سیدھے بیٹھ گئے تو کہا الحمد للہ، پھر کہا:

سُبْحَانَ الَّذِی سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ۔

اللہ تمام برائیوں سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دیا حالانکہ ہم اس کو قابو میں نہ لا سکتے تھے، اور بے شک ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ بھی ایسا ہی کرتے تھے جیسا میں نے کیا ہے:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ شَهِدْتُ عَلِيًّا أُتِيَ بِدَابَّةٍ لِيَرْكَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهٗ فِي الرِّكَابِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ ثَلَاثًا فَلَمَّا اسْتَوٰى عَلٰى ظَهْرِهَا قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ۔۔۔۔ إلخ۔[1]

۱۵......مباشرت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے تو یہ کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔

شروع اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور جو (اولاد) تو ہمیں دے اسے بھی شیطان سے محفوظ رکھ۔

تو اب اگر اس کے مقدر میں اولاد ہو تو شیطان اس کو کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا:

---

(۱) سنن الترمذی: کتاب الدعوات، باب ما جاء ما یقول إذا رکب دابة، ج۵ ص۱۵۰۱، رقم الحدیث: ۳۴۴۶

Marfat.com

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَقُضِيَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَمْ يَضُرَّهُ۔ (۱)

چوتھی بحث: ''كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ'' والی روایت پر محدثانہ بحث

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر جائز و مشروع کام کا آغاز اللہ کے نام کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے، احادیث میں تین قسم کے الفاظ مروی ہیں، بعض روایات میں ''بحمد الله'' کے الفاظ ہیں، اور بعض میں ''بسم الله'' اور بعض میں ''بذكر الله'' کے الفاظ مروی ہیں۔ یہ حدیث ایک ہی ہے البتہ مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ اس میں کوئی اختلاف وتناقض نہیں ہے جس کی تطبیق کی ضرورت پڑے۔ مطلب حدیث کا یہ ہے ہر کام کا آغاز اللہ تعالی کے بابرکت اور عظیم الشان نام کے ساتھ کیا جائے، چاہے وہ تسمیہ کی صورت میں ہو یا تحمید یا ذکر اللہ کی صورت میں۔ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ بہت سے مصنفین کو الفاظ کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس بات کا وہم ہوا کہ یہ حدیث متعدد ہے، پس انہوں نے تطبیق دینے کے لئے ابتداء کی تین قسمیں گھڑ دیں، حقیقی، اضافی اور عرفی، بعض الفاظ کو ابتداء حقیقی پر اور بعض کو ابتداء اضافی پر محمول کیا جیسا کہ مشہور ہے، یہ سب تکلف پر مبنی ہے اور اس فنِ حدیث اور ان کے قواعد وتحقیقات سے غفلت اور لاپرواہی کے نتیجے میں انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ احادیث

---

(۱) صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب ما يقول الرجل إذا اتى أهله، ج۷ ص۲۳، رقم الحديث: ۵۱۶۵/ صحيح مسلم: كتاب النكاح، باب ما يستحب أن يقوله عند الجماع، ج۲ ص۱۰۵۸، رقم الحديث: ۱۴۳۴

Marfat.com

مختلف ہیں (اور ان میں تعارض ہے تو تطبیق کے لئے ان اقسام کا سہارا لیا) حالانکہ انہیں معلوم نہیں ہے یہ ایک ہی حدیث ہے البتہ اختلاف الفاظ میں ہے۔ دیکھئے تفصیلاً:

معارف السنن شرح سنن الترمذی: مقدمة، ج ۱ ص ۶۳، ۶۴

اب اس حدیث کی کچھ تحقیق عرض کی جاتی ہے کہ یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ کن کتبِ حدیث میں مروی ہے اور فنی اعتبار سے اس کا حکم کیا ہے۔

"كُلُّ كَلَامٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ فَهُوَ أَجْزَمُ"

مذکورہ الفاظ کے ساتھ یہ روایت "سنن ابی داود" میں موجود ہے۔(۱)

سنن ابن ماجہ میں روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے:

كُلُّ أَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِالْحَمْدِ أَقْطَعُ۔ (۲)

"صحیح ابن حبان" میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

كُلُّ أَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِحَمْدِ اللّٰهِ فَهُوَ أَقْطَعُ۔ (۳)

بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ "عمل اليوم والليلة" میں ہے۔ دیکھئے:

باب ما يستحب من الكلام عند الحاجة، ج ۱ ص ۴۴۵، رقم الحديث: ۴۹۴

انہی الفاظ کے ساتھ "السنن الكبرى للنسائي" میں موجود ہے۔ دیکھئے:

كتاب عمل اليوم والليلة: باب ما يستحب من الكلام عند الحاجة، ج ۹ ص ۱۸۲، رقم الحديث: ۱۰۲۵۵

---

(۱) سنن ابی داود: كتاب الأدب، باب الهدى فى الكلام، ج ۴ ص ۲۶۱، رقم الحديث: ۴۸۴۰

(۲) كتاب النكاح: باب خطبة النكاح، ج ۱ ص ۶۱۰، رقم الحديث: ۱۸۹۴

(۳) مقدمة: باب ما جاء فى الابتداء، ج ۱ ص ۱۷۳، رقم الحديث: ۱

Marfat.com

انہی الفاظ کے ساتھ "سنن الدار قطنی" میں بھی ہے۔ دیکھئے:

كتاب الصلاة، ج۱ ص۴۲۷، رقم الحديث: ۸۸۳

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے "قرة بن عبد الرحمن بن حيوئيل" کے ان سے امام اوزاعی رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے وہ ان کی توثیق کرتے ہیں لیکن امام احمد، امام یحیی بن معین، امام ابوزرعہ، امام ابو حاتم، امام نسائی رحمہم اللہ نے ان پر جرح کی ہے۔ دیکھئے تفصیلاً:

تهذيب التهذيب: حرف القاف، من اسمه قرة، ج۸ ص۳۷۲، ۳۷۳

امام مسلم رحمہ اللہ نے ان سے شواہد میں روایت نقل کی ہے۔ دیکھئے:

صحيح مسلم: كتاب المساقاة، باب بيع القلادة فيها خرز وذهب، ج۳ ص۱۲۱۴، رقم الحديث: ۱۵۹۱

خلاصہ کلام یہ ہے کہ روایت ان الفاظ کے ساتھ حسن درجے کی ہے۔

نیز اس روایت کا متابع بھی موجود ہے، متابع سعید بن عبد العزیز ہیں۔ دیکھئے تفصیلاً:

السنن الكبرى للنسائي: كتاب عمل اليوم والليلة، ما يستحب من الكلام عند الحاجة، ج۹ ص۱۸۴، رقم الحديث: ۱۰۲۵۶

نیز کبار محدثین کے ہاں یہ روایت حسن درجے کی ہے، اختصار کے ساتھ چند ایک ہی تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ (متوفی ۶۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ یہ روایت حسن درجے کی ہے جو صحیح سے کم تر اور ضعیف سے بڑھ کر ہے، اس روایت کے رجال صحیحین کے راوی ہیں سوائے قرہ بن عبد الرحمٰن کے، امام مسلم رحمہ اللہ ان سے روایت تخریج کرنے میں منفرد ہیں:

ان الحديث حسن دون الصحيح وفوق الضعيف محتجا بأن رجال الصحيحين سوى قرة قال فإنه ممن انفرد مسلم عن البخاري

Marfat.com

بالتخریج له۔ (۱)

شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ یہ روایت حسن درجے کی ہے:

والمشهور رواية أبي هريرة وهذا الحديث حسن۔ (۲)

امام ذہبی رحمہ اللہ کے تلمیذِ رشید علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ان سے روایت امام مسلم رحمہ اللہ نے دیگر روایات کے ساتھ بطور شواہد کے نقل کی ہے، اور اس کے لئے اصل کا حکم نہیں ہے، ان سے سنن اربعہ والوں نے روایت تخریج کی ہے یعنی ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے، بے شک یہ حدیث صحیح ہے، جیسے کہ دو کبارِ اہلِ علم امام ابن حبان اور امام ابن البیع رحمہما اللہ نے دعوی کیا:

وأنا أقول لم يخرج له مسلم إلا في الشواهد مقرونا بغيره وليس لها حكم الأصول وإنما خرج له الأربعة أبو داود والترمذي والنسائي وابن ماجه، ان الحديث صحيح كما ادعاه هذان الحبران ابن حبان وابن البيع۔ (۳)

نیز آگے امام سبکی رحمہ اللہ نے قرہ بن عبدالرحمٰن کی توثیق نقل کی ہے اور ان پر کی گئی جرحوں کے تفصیلاً جواب دیئے ہیں۔ دیکھئے:

طبقات الشافعية الكبرى: مقدمة: ج۱ ص۱۰

علامہ ابن الملقن رحمہ اللہ (متوفی ۸۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ یہ روایت حسن درجے کی ہے:

وقد علمت أن الصواب حسنه۔ (۴)

---

(۱) طبقات الشافعية الكبرى: مقدمة: ج۱ ص۹

(۲) شرح النووي على مسلم: مقدمة، فصل، ج۱ ص۴۳

(۳) طبقات الشافعية الكبرى: مقدمة: ج۱ ص۱۰

(۴) البدر المنير: كتاب النكاح، باب استجاب الخطبة، الحديث الأول، ج۷ ص۵۳۰

Marfat.com

شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ وہ حدیث جسے ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، اور ابن حبان نے بھی اس روایت کی تصحیح نقل کی ہے، اس روایت کی سند میں کلام ہے، اور اگر اس روایت کی صحت کو تسلیم کرلیا جائے تو جو روایت "بحمد اللہ" کے الفاظ کے ساتھ مروی ہے وہ روایت مشہور ہے، اس کے علاوہ جن الفاظ کے ساتھ روایت مروی ہے جنہیں امام نووی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے ان کے بعض طرق کی اسانید واہی (نہایت کمزور) ہیں:

والحديث الذى أشار إليه أخرجه أبو عوانة فى صحيحه وصححه ابن حبان أيضا وفى إسناده مقال وعلى تقدير صحته فالرواية المشهورة فيه بلفظ حمد الله وما عدا ذلك من الألفاظ التى ذكرها النووى وردت فى بعض طرق الحديث بأسانيدها واهية۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید علامہ سخاوی رحمہ اللہ (متوفی ۹۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا روایت کو امام ابوداود اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے، اور میں نے تسمیہ سے متعلق روایت پر ایک جز لکھا ہے:

حديث كل أمر ذى بال لا يبدأ فيه بحمد الله فهو أقطع. أبو داود وابن ماجه عن أبى هريرة به مرفوعا وأفردت فيه جزءا۔ (۲)

محدثین کی مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ یہ روایت حسن درجے کی ہے۔

اگر بالفرض والمحال یہ روایت ضعیف ہو تو بھی کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ فضائل میں ضعیف روایت پر عمل شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

---

(۱) فتح البارى: كتاب التفسير، باب قوله تعالى قل يا اهل الكتاب تعالوا..... الخ، ج۸ ص۲۲۰

(۲) المقاصد الحسنة: حرف الكاف، ص۵۱۳، رقم الحديث:۸۱۷

Marfat.com

خطیب بغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) نے باب باندھا ہے "باب التشدد فی احادیث الأحکام والتجوز فی فضائل الأعمال" اس کے تحت امام احمد رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ) کا قول نقل کیا ہے کہ جب ہم حلال وحرام، سنن واحکام کی روایات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں تو اسانید میں سختی کرتے ہیں، اور جب ہم فضائل سے متعلق روایات نقل کرتے ہیں تو اسانید میں تساہل برتتے ہیں:

إذا روینا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الحلال والحرام والسنن والأحكام تشددنا في الأسانيد وإذا روينا عن النبي صلى الله عليه وسلم في فضائل الأعمال .... تساهلنا في الأسانيد۔ (۱)

امام نووی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ محدثین، فقہاء اور دیگر اہل علم نے فرمایا کہ فضائل، ترغیب وترہیب میں ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز ہے جب تک کہ موضوع نہ ہو، البتہ احکام جیسے حلال وحرام، بیع ونکاح اور طلاق سے متعلقہ احکام میں عمل جائز نہیں ہے مگر حدیث صحیح یا حسن پر:

قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعا وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلك فلا يعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن۔ (۲)

نیز امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے فضائل میں ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز ہے نہ کہ حلال وحرام میں:

---

(۱) الكفاية في علم الرواية: باب التشدد في أحاديث الأحكام، ج۱ ص۱۳۴

(۲) الأذكار: مقدمة: فصل في حكم العمل بالحديث الضعيف، ص۳۶

Marfat.com

اتفاق العلماء على العمل بالحديث الضعيف فی فضائل الأعمال دون الحلال والحرام۔ (۱)

سلطان المحدثین ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے فضائل میں ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز ہے:

لکن یعمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الأعمال باتفاق العلماء۔ (۲)

محقق ابن ہمام رحمہ اللہ (متوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت درست ہو تو فبہا ورنہ موضوع روایت کے علاوہ فضائل میں ضعیف روایت پر عمل جائز ہے:

فإن صح وإلا فالضعیف غیر الموضوع یعمل به فی فضائل الأعمال۔ (۳)

علامہ مرتضیٰ حسن زبیدی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ علماء حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موضوع روایت کا نقل کرنا جائز نہیں ہے کسی بھی صورت میں مگر یہ کہ اس کے موضوع ہونے کو بیان کیا جائے، بخلاف ضعیف حدیث ہے کہ عقائد اور احکام کے علاوہ میں ان کا روایت کرنا جائز ہے:

قد أطبق علی ذلك علماء الحدیث فجزموا بأنه لا یحل روایة الحدیث الموضوع فی أی معنی کان إلا مقرونا بیان وضعه بخلاف الضعیف فإنه یجوز روایته فی غیر الأحکام والعقائد۔ (۴)

بہرحال یہ میرا موضوع نہیں ہے ورنہ میں بفضل اللہ تعالیٰ کم از کم تیس حوالے اس پر ذکر کر سکتا ہوں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس روایت کے تمام روای ثقہ ہیں سوائے قرہ بن

---

(۱) المجموع شرح المهذب: کتاب الصلاة، باب استقبال القبلة، ج۳ ص۲۴۸

(۲) مرقاة المفاتیح: کتاب الصلاة، باب قیام شهر رمضان، ج۳ ص۹۶۹

(۳) فتح القدیر: کتاب الصلاة، باب الإمامة، ج۱ ص۳۴۹

(۴) إتحاف السادة المتقین بشرح إحیاء علوم الدین: ج۱ ص۴۱۷

Marfat.com

عبدالرحمٰن کے، اور ان سے بھی امام مسلم رحمہ نے شواہد میں روایت نقل کی ہے، اور امام اوزاعی اور سبکی رحمہما اللہ نے ان کی توثیق نقل کی ہے۔ نیز امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کا متابع بھی نقل کیا ہے، اور اس روایت کو کبار محدثین نے اپنی کتب حدیث میں نقل کیا ہے، جن میں صحاح ستہ کے محدثین بھی شامل ہیں، نیز بلند پایہ محدثین نے اس رویات کی تحسین کی ہے جن میں علامہ ابن صلاح، امام نووی، علامہ تاج الدین سبکی، علامہ ابن الملقن، حافظ ابن حجر، امام سخاوی، امام عجلونی رحمہم اللہ اور دیگر کئی محدثین شامل ہیں۔ اور اگر بالفرض یہ روایت ضعیف بھی ہو تو کوئی حرج نہیں، محدثین کے ہاں فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔

نیز یہ روایت مرسل بھی مروی ہے اور اس کی سند درست ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والمرسل هو الصواب۔ (۱)

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۲۰ھ) بھی مرسل روایت کو درست قرار دیتے ہیں:

والصحيح عنه مرسلا۔ (۲)

اگر روایت مرسل ہو تو بھی کوئی حرج کی بات نہیں جمہور علماء کے ہاں مرسل روایت حجت ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ (متوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

والمرسل عندنا وعند جمهور العلماء حجة۔ (۳)

ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ مرسل حدیث ہمارے اور جمہور علماء کے نزدیک حجت ہے:

---

(۱) سنن الدار قطني: كتاب الصلاة، ج۱ ص۴۲۷، رقم الحديث: ۸۸۳

(۲) إرواء الغليل في تخريج احاديث منار السبيل: مقدمة، ج۱ ص۳۲، رقم الحديث: ۲

(۳) فتح القدير: كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء، ج۱ ص۴۰

Marfat.com

لکن المرسل حجة عندنا وعند الجمهور۔ (۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ "بحمد اللہ" کے الفاظ کے ساتھ روایت حسن درجے کی ہے۔ اس پر عمل کرنا اور اس کی ترغیب دینا جائز ہے۔

یہ روایت "بذکر اللہ" کے الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:

کل کلام أو أمر ذی بال لا یفتح بذکر اللہ فھو أبتر أو قال أقطع۔ (۲)

کل أمر ذی بال لا یبدأ فیہ بذکر اللہ أقطع۔ (۳)

ان الفاظ کے ساتھ بھی اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے قرہ بن عبد الرحمٰن کے اور اس پر تفصیلاً بحث ماقبل میں ہو چکی ہے۔

یہ روایت "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" کے الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:

کل أمر ذی بال لا یبدأ فیہ ببسم اللہ الرحمن الرحیم فھو أبتر۔

اس روایت کا اصل ماخذ حافظ عبد القادر الرہاوی رحمہ اللہ کی "اربعین" ہے لیکن باوجود تلاش کے یہ اصل کتاب دستیاب نہیں ہو سکی۔

علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۳۱ھ) نے اس حدیث کے تحت نقل کیا ہے کہ یہ روایت خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے تاریخ میں نقل کی ہے:

وکذا الخطیب فی تاریخہ عن أبی ھریرۃ۔ (۴)

یہ امام مناوی رحمہ اللہ کا تسامح ہے یہ روایت خطیب نے تاریخ میں نہیں بلکہ اپنی کتاب "الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع" میں نقل کی ہے، دیکھئے تفصیلاً:

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: کتاب الطھارۃ، باب ما یوجب الوضوء، ج۱ ص۳۶۸

(۲) مسند أحمد: مسند أبی ھریرۃ، ج۱۴ ص۳۲۹، رقم الحدیث: ۸۷۱۲

(۳) سنن الدار قطنی: کتاب الصلاۃ، ج۱ ص۴۲۸، رقم الحدیث: ۸۸۴

(۴) فیض القدیر: حرف الکاف، ج۵ ص۱۳، رقم الحدیث: ۶۲۸۴

Marfat.com

(ما يبتدئ به المستملي من القول ينبغي أن يقرأ .... إلخ، ج۲
ص۶۹، رقم الحديث: ۱۲۱۰)

نیز اس روایت کو سند کے ساتھ علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۱ھ) نے بھی نقل کیا ہے، دیکھئے:

(طبقات الشافعية الكبرى: مقدمة، ج۱ ص۱۲)

لیکن ان دونوں سندوں میں راوی ''احمد بن محمد بن عمران ابوالحسن بن الجندی'' موجود ہے، اور یہ راوی ضعیف ہے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ روایت میں ضعیف ہیں، اور مذہب کے اعتبار سے بھی ان پر طعن موجود ہے، نیز امام ازہری رحمہ اللہ نے فرمایا: ليس بشيء۔[1]

یہی جرح امام ذہبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۸ھ) نے بھی نقل کی ہے، لیکن آخر میں یہ بھی نقل کیا کہ میں کہتا ہوں ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کیا ہے:

قلت: روى عنه خلق۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) نے بھی خطیب کی مذکورہ جرح نقل کرنے کے ساتھ یہ بھی نقل کیا ہے:

وقال العتيقي كان يرمى بالتشيع وأورد بان الجوزي في الموضوعات۔[3]

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) نے ان سے مروی روایت کو موضوعات میں نقل کیا ہے، اور ان کے متعلق خطیب بغدادی، امام ازہری اور امام عتیقی رحمہم اللہ کی جرح نقل کی ہے، دیکھئے تفصیلاً:

---

(۱) تاريخ بغداد: ترجمة: أحمد بن محمد بن عمران، ج۵ ص۲۸۲، رقم الترجمة: ۲۷۸۰

(۲) ميزان الاعتدال: ترجمة: أحمد بن محمد بن عمران، ج۱ ص۱۴۷، رقم الترجمة: ۵۷۵

(۳) لسان الميزان: ترجمة: أحمد بن محمد بن عمران، ج۱ ص۲۸۸، رقم الترجمة: ۸۵۲

Marfat.com

(الموضوعات: كتاب الفضائل والمثالب، ج۱ ص۳۶۸، ۳۶۹)

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۲۰ھ) کی تحقیق یہ ہے کہ مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ یہ روایت ''ضعیف جدا'' ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(إرواء الغليل: مقدمة: ج۱ ص۲۹، ۳۰، رقم الحديث: ۱)

علامہ احمد بن محمد بن الصدیق غماری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۸۰ھ) کی تحقیق کے مطابق ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت موضوع ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(المداوي لعلل الجامع الصغير وشرحي المناوي: حرف الكاف،

ج۵ ص۲۹، رقم الحديث: ۶۲۸۴)

ان الفاظ کے ساتھ ''كل أمر ذي بال لا يبدأ فيه بحمد الله والصلاة على فهو أقطع أبتر، ممحوق من كل بركة''

یہ روایت موضوع ہے۔ اس کی مکمل سند امام سبکی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے، اس میں ایک راوی اسماعیل بن ابی زیاد شامل ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''متروک يضع الحديث'' دیکھئے تفصیلاً:

(ميزان الاعتدال: ترجمة: إسماعيل بن أبي زياد، ج۱ ص۲۳۱،

رقم الحديث: ۸۸۴)

علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے، دیکھئے:

(طبقات الشافعية الكبرى: مقدمة: ج۱ ص۱۹)

علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اسماعیل بن ابی زیاد بہت ضعیف راوی ہے ان کی روایت اور زیادت کا اعتبار نہیں ہے:

وهو ضعيف جدا لا يعتبر بروايته ولا بزيادته۔

امام خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شيخ ضعيف۔

Marfat.com

اس میں ایک راوی حسن بن ابی القاسم اصبہانی ہے، امام مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مجہول ہے، نیز ان سے مروی روایت ان اسانید کے ساتھ ہے جو ضعفاء اور مجاہیل راویوں سے بھری ہوئی ہے:

بأسانيد كلها مشحونة بالضعفاء والمجاهيل۔ [1]

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو موضوع کہا ہے، دیکھئے:

(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة: ج۲ ص۳۰۳، رقم: ۹۰۲)

پانچویں بحث: تسمیہ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی

اہلِ علم حضرات تسمیہ کے فضائل سے متعلق تفصیلاً روایات کے لئے ان تفاسیر کی طرف مراجعت فرمائیں۔

۱......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے تسمیہ کی فضیلت کے بارے میں گیارہ (۱۱) روایات نقل کی ہیں، نیز روایات میں اگر سنداً کچھ کلام ہے تو اس کی بھی نشاندہی بھی کی ہے، دیکھئے:

(تفسير ابن كثير: فصل في فضلها، ج۱ ص۳۳ تا ۳۶)

۲......علامہ ابن عادل حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۸۸۰ھ) نے "فصل في فضل البسملة" کا عنوان ڈال کر تسمیہ کی فضیلت سے متعلق مختصر مگر عمدہ بحث کی ہے، دیکھئے:

(اللباب في علوم الكتاب: ج۱ ص۱۵۵، ۱۵۶)

۳......علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) نے تسمیہ کی فضیلت سے متعلق سترہ (۱۷) روایات کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے، کتب حدیث سے بسم اللہ کے متعلق احادیث وآثار کا ایک عمدہ ذخیرہ جمع کیا ہے، لیکن صحت کا التزام نہیں کیا ہے:

---

(۱) فيض القدير: حرف الكاف، ج۵ ص۱۴، رقم الحديث: ۶۲۸۵

Marfat.com

(الدر المنثور فی تفسیر الماثور: قوله تعالی: بسم اللہ الرحمن الرحیم، ج ۱ ص ۲۱ تا ۳۰)

۴......علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) نے "وقد ورد فی فضلھا أحادیث" کا عنوان ڈال کر آٹھ (۸) روایات کو نقل کیا ہے، پھر آخر میں فرمایا کہ شریعت میں بہت سارے مواقع پر تسمیہ پڑھنا مشروع ہے، شارع نے ان مقامات کو بیان کیا ہے، ان میں سے چند ایک یہ ہیں: وضو کی ابتداء میں، ذبح کے وقت، کھانے کے شروع میں، جماع کرتے وقت اور اس کے علاوہ دیگر مواقع میں:

وقد شرعت التسمیة فی مواطن کثیرة، قد بینھا الشارع منھا عند الوضوء، وعند الذبیحة، وعند الأکل، وعند الجماع وغیر ذلک۔ (۱)

۵......علامہ محمد بن عبد اللہ ہرری نے تسمیہ کی فضیلت کے بارے میں آٹھ (۸) احادیث نقل کی ہیں، دیکھئے:

(حدائق الروح والریحان: البحث الثانی فی فضلھا، ج ۱ ص ۲۶، ۲۷)

چھٹی بحث: کیا تسمیہ اس امت کے خواص میں سے ہے؟

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ تسمیہ پڑھنا اس امت کے خواص میں سے ہے یا پہلی امتوں میں بھی اس کے پڑھنے کا رواج تھا؟ علامہ ابو بکر تونسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امت کے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر کتاب کا افتتاح تسمیہ سے کیا ہے:

اختلف العلماء فیھا ھل ھی من خواص ھذہ الأمة أم لا فقال العلامة أبو بکر التونسی إجماع علماء کل ملة علی أن اللہ تعالی افتتح کل کتاب بھا۔ (۲)

---

(۱) فتح القدیر: ج ۱ ص ۱۸، ۱۹

(۲) روح المعانی: سورۃ الفاتحة، آیت نمبر ۱ کے تحت، ج ۱ ص ۴۱

Marfat.com

تسمیہ کی ایک امتیازی حیثیت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ قرآن حکیم کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے سورۂ توبہ کے علاوہ باقی تمام سورتوں کی ابتدائی آیت مبارکہ ہے، ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

كان النبي صلى الله عليه وسلم لا يعرف فصل السورة حتى تنزل عليه بسم الله الرحمن الرحيم۔ (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی سورتوں کے درمیان علیحدگی اور جدائی کو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نازل ہونے سے پہچانتے تھے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنی آیات طیبات کا نزول ہوتا رہتا تھا، جب بسم اللہ نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جاتا کہ پہلی سورت مکمل ہو چکی ہے اور اب نئی سورت کا نزول شروع ہو گیا ہے۔

اس سے آپ بسم اللہ کی عظمت اور شان کا اندازہ فرمائیں کہ قرآن حکیم کی کوئی آیت ایک مرتبہ نازل ہوئی، کوئی آیت دو دفعہ نازل ہوئی، کوئی تین دفعہ نازل ہوئی، مگر بسم اللہ کی عظمت و بزرگی کا یہ عالم ہے کہ یہ آیت مقدسہ اللہ رب العالمین کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر ایک سو چودہ مرتبہ نازل فرمائی گئی۔

واضح رہے کہ سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہیں ہے مگر سورۂ نمل میں دو دفعہ ہے، ایک مرتبہ شروع سورت میں اور دوسری بار اسی سورت کی آیت نمبر ۳۰ میں۔ لہٰذا اس کی تعداد قرآن کریم کی سورتوں کی تعداد کے برابر ہے۔

ساتویں بحث: تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں؟

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے کہ تسمیہ قرآن کریم کی ایک آیت تامہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دو سورتوں کے درمیان فصل کے لئے اتارا ہے، لیکن یہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

---

(۱) سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب من جهر بها، ج ۱ ص ۲۰۹، رقم الحديث: ۷۸۸

Marfat.com

مفسرین احناف کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں

۱......علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ مدینہ، بصرہ اور شام کے قراء وفقہاء کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں ہے اور نہ ہی اس کے علاوہ سورتوں میں سے کسی کا جز ہے، تسمیہ کو سورتوں کی ابتداء میں فاصلے اور برکت کے لئے لکھا جاتا ہے، یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے متبعین کا مذہب ہے:

قراء المدينة والبصرة والشام وفقهاؤها على أن التسمية ليست بآية من الفاتحة ولا من غيرها من السور، وإنما كتبت للفصل والتبرك للابتداء بها، وهو مذهب أبي حنيفة ومن تابعه رحمهم الله۔ (۱)

۲......علامہ محمد بن مصلح الدین المعروف شیخ زادہ رحمہ اللہ (متوفی ۹۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ فقہاء کے درمیان اختلاف اس تسمیہ کے بارے میں جو سورتوں ں کے شروع میں ہے، متقدمین احناف اس بات کے قائل ہیں کہ یہ قرآنِ کریم کا جز نہیں ہے، اور انہوں نے قرآن کریم کی تعریف میں تواتر کے ساتھ ''بلا شبهة'' کی قید لگا کر اس تسمیہ سے احتراز کیا ہے، اور جب متاخرین علماء احناف نے دلائل میں غور وفکر کیا تو ان کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ تسمیہ قرآن کریم کا جز ہے تو انہوں نے کہا کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ تسمیہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے اور یہ سورتوں کے درمیان فصل اور برکت کے لئے اتاری گئی ہے:

إنما الخلاف في البسملة التي في أوائل السور فعند قدماء الحنفية أنها ليست من القرآن وأن تقييد التواتر في تعريف القرآن بقولهم بلاشبهة احتراز عنها ولما لاح للمتاخرين منهم بالنظر إلى الأدلة أنها من القرآن قالوا الصحيح من المذهب أنها آية واحدة من القرآن أنزلت للفصل والتبرك۔ (۲)

---

(۱) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۵

(۲) حاشية محي الدين شيخ زاده على تفسير القاضي البيضاوي: ج۱ ص۲۸

Marfat.com

۳......علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ متقدمین علمائے احناف، مدینہ، بصرہ اور شام کے قراء اور فقہاء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تسمیہ قرآن کریم کی مستقل ایک آیت ہے اور یہ سورتوں کے درمیان فصل اور برکت کے لئے اتاری گئی ہے اور یہی بات درست ہے:

المشهور من مذهب قدماء الحنفية، وعليه قرّاءُ المدينة والبصرة والشام وفقهاؤها، إنها آية مفردة من القرآن أنزلت للفصل والتبرك بها وهو الصحيحُ۔ (۱)

۴......علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ مدینہ اور بصرہ کے قراء امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر فقہاء کوفہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ تسمیہ نہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے اور نہ اس کے علاوہ دیگر سورتوں کا جز ہے، سورتوں کے آغاز میں جو تسمیہ ہے یہ برکت کے حصول کے لئے ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ تسمیہ قرآن کریم کا جز نہیں ہے، لیکن درست بات یہ ہے کہ تسمیہ سورتوں کے درمیان فصل کے لئے اتاری گیا ہے:

ذهب قراء المدينة والبصرة وأبو حنيفة وغيره من فقهاء الكوفة إلى أنها ليست من الفاتحة ولا من غيرها من السور والافتتاح بها للتيمن فقيل وليست من القرآن والحق أنها من القرآن انزلت للفصل۔ (۲)

۵......علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ ہمارا درست مذہب یہ ہے کہ تسمیہ قرآن کریم کی مستقل ایک آیت ہے اور قرآن کا جز ہے اگرچہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے:

---

(۱) تفسیر أبی السعود: سورة الفاتحة، ج۱ ص۸

(۲) التفسیر المظهری: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۴

Marfat.com

لأن الصحيح من مذهبنا أنها آية مستقلة وهي من القرآن وإن لم تكن من الفاتحة۔ (۱)

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور ہر ہر سورت کا بھی جز ہے۔

مفسرین شوافع کی تصریحات ملاحظہ کریں

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ مکہ اور کوفہ کے قراء اور اکثر حجاز کے فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے اور یہی حضرت عبد اللہ بن مبارک اور امام سفیان ثوری رحمہما اللہ کا قول ہے:

وقال قراء مكة والكوفة وأكثر فقهاء الحجاز إنها آية من الفاتحة، وهو قول ابن المبارك والثوري۔

پھر اس کے بعد امام علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے تفصیلاً اپنے مذہب کی ترجیح کے لئے سولہ (۱۶) دلائل نقل کئے ہیں، اہلِ علم حضرات اصل تفسیر کی طرف مراجعت کریں۔ (۲)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے تفصیلاً پہلے امام رازی رحمہ اللہ کے تمام ادلہ کے ایک ایک کر کے جوابات دیئے، پھر مذہب احناف کی ترجیح کے لئے قوی ادلہ نقل کئے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس مقام پر طویل گفتگو کی ہے اور سولہ (۱۶) دلائل اس بات کے اثبات پر نقل کئے ہیں کہ تسمیہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے، جیسا کہ ان کے کلام میں اس بات کی صراحت موجود ہے، پس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان کا رد کرتا ہوں، اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے (محض اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے) اور میں اپنے مذہب کی نصرت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی توفیق وتائید اور نصرت سے یہ بات کہتا ہوں:

---

(۱) أحكام القرآن: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵

(۲) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۷۳

Marfat.com

وقد أطال الفخر في هذا المقام المقال وأورد ست عشرة حجة لإثبات أنها آية من الفاتحة كما هو نص كلامه فها أنا بتوفيق الله تعالى راده ولا فخر وناصر مذهبي بتأييد الله تعالى ومنه التأييد والنصر فأقول۔ (۱)

اس کے بعد دس صفحات میں اسی موضوع پر سیر حاصل بحث کی اور امام رازی رحمہ اللہ کے تمام ادلہ کے جوابات دیئے پھر احناف کے دلائل نقل کئے، باذوق حضرات اصل تفسیر کی طرف مراجعت فرمائیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ نہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور نہ ہی قرآن کریم کی کسی اور سورت کا جز ہے۔

مالکی مفسرین کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ تسمیہ نہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور نہ اس کے علاوہ کسی اور سورت کا، اور یہی امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے:

لیست بآية من الفاتحة و لا غيرها، وهو قول مالك۔

تمام اقوال میں صحیح قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے کیوں کہ کسی چیز کا قرآن ہونا خبر واحد سے ثابت نہیں ہوسکتا، اس کے لئے ایسے قطعی تواتر کا ہونا ضروری ہے جس میں اختلاف کی گنجائش نہ ہو:

الصحيح من هذه الأقوال قول مالك، لأن القرآن لا يثبت بأخبار الآحاد وإنما طريقة التواتر القطعي الذي لا يختلف فيه۔ (۲)

علامہ ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۳ھ) امام مالک کا مذہب نقل کرتے

---

(۱) روح المعاني: الاختلاف في البسملة، ج۱ ص۵۴ تا ۶۵

(۲) تفسير القرطبي: البسملة، الخامسة، ج۱ ص۱۲۹

Marfat.com

ہوئے فرماتے ہیں کہ اس بات پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ سورۂ نمل کی آیت میں جو بسم اللہ ہے یہ قرآن کریم کا جز ہے، اختلاف اس تسمیہ کے بارے میں ہے جو ہر صورت کے شروع میں ہے، امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سورتوں کے شروع میں جو تسمیہ ہے یہ قرآن کی آیت نہیں ہے، یہ آغاز کلام کے لئے ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ سورت کی ابتداء یہاں سے ہو رہی ہے:

اتفق الناس على أنها آية من كتاب الله تعالى فى سورة النمل، واختلفوا فى كونها فى أول كل سورة، فقال مالك وأبو حنيفة: ليست فى أوائل السور بآية، وإنما هى استفتاح ليعلم بها مبتدؤها۔

آگے فرماتے ہیں کہ تسمیہ قرآن میں سے نہ ہونے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، اگر یہ سورہ فاتحہ کا جز ہوتا تو ائمہ فقہاء کا اس میں اختلاف نہ ہوتا، کیوں کہ قرآن میں اختلاف نہیں ہو سکتا، یقینی بات ہے کہ قرآن کریم کا انکار کرنا کفر ہے:

ويكفيك أنها ليست بقرآن للاختلاف فيها، والقرآن لا يختلف فيه، فإن إنكار القرآن كفر۔ (۱)

علامہ محمد علی صابونی نے تمام فقہاء کے مذاہب پھر ان کے دلائل تفصیلاً نقل کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں کہ احناف کا مسلک راجح ہے کیونکہ اس میں اعتدال ہے، افراط وتفریط نہیں ہے، جبکہ شوافع کا مذہب ہے تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور ہر ہر سورت کا بھی جز ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب تسمیہ نہ سورہ فاتحہ کا جز ہے نہ قرآن کی کسی اور سورت کا جز ہے اور نہ ہی قرآن کریم کی آیت ہے، جب کہ احناف کا مذہب ہے تسمیہ قرآن کریم کی ایک مستقل آیت تامہ ہے:

وبعد استعراض الأدلة وما استدل به كل فريق من أئمة المذهب

---

(۱) أحكام القرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ٦

Marfat.com

نقول لعل ما ذهب إليه الحنفية هو الأرجح من الأقوال فهو المذهب الوسط بين القولين المتعارضين فالشافعية يقولون أنها من آية من الفاتحة ومن أوائل كل سورة في القرآن والمالكية يقولون ليست بآية لا من الفاتحة ولا من القرآن۔ (۱)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اس بات پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ ہر دستاویز کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا جائز ہے، خواہ وہ کوئی دینی کتاب ہو یا خطوط ورسائل ہوں:

اتفقت الأمة على جواز كتبها في أول كل كتاب من كتب العلم والرسائل۔ (۲)

آٹھویں بحث: تسمیہ کو نماز میں جہراً پڑھا جائے گا یا سراً؟

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ، تابعین، ائمہ مسلمین اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ مذہب ہے کہ تسمیہ کو سورہ فاتحہ کے ساتھ جہراً پڑھا جائے، جبکہ خلفاء راشدین، عبداللہ بن مغفل، امام ابوحنیفہ، امام سفیان ثوری، امام احمد بن حنبل اور سلف میں سے تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت اس بات کے قائل ہیں کہ تسمیہ کو نماز میں سراً پڑھا جائے:

فذهب الشافعي رحمه الله إلى أنه يجهر بها مع الفاتحة والسورة، وهو مذهب طوائف من الصحابة والتابعين وأئمة المسلمين ...... وذهب آخرون إلى أنه لا يجهر بالبسملة في الصلاة، وهذا هو الثابت عن الخلفاء الأربعة وعبد الله بن مغفل، وطوائف من سلف

---

(۱) روائع البيان في تفسير آيات الأحكام من القرآن: سورة الفاتحة، الترجيح، ج۱ ص۴۷

(۲) تفسير القرطبي: البسملة، السادسة، ج۱ ص۱۳۳

Marfat.com

التابعين والخلف، وهو مذهب أبی حنیفة، والثوری، وأحمد بن حنبل.

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فقہاء کے دلائل کو تفصیلاً لکھا ہے۔ اہلِ علم حضرات اصل تفسیر کی طرف مراجعت کریں، دیکھئے:

(تفسیر ابن کثیر: البسملة، ج۱ ص۱۱۱ تا ۱۱۳)

علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری نے فقہاء کے اختلافات کو پھران کے دلائل کو نہایت بسط کے ساتھ لکھا ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(حدائق الروح والریحان: ج۱ ص۲۹، ۳۰)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۴ھ) نے احناف کے مذہب کو راجح قرار دیتے ہوئے اختصاراً عمدہ بحث کی ہے، دیکھئے:

(أحکام القرآن: أحکام البسملة، ج۱ ص۶)

نویں بحث: تسمیہ کے فقہی مسائل

۱...... ہر اچھا کام شروع کرنے سے پہلے تسمیہ پڑھنا مستحب ہے۔

۲...... وضو سے پہلے تسمیہ پڑھنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب ہے۔

۳...... نماز میں ثناء کے بعد تعوذ کے ساتھ تسمیہ پڑھنا بھی سنت ہے۔

۴...... قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے دو سورتوں کے درمیان تسمیہ کا پڑھنا مستحب ہے۔

۵...... حلال جانور کو ذبح کرتے وقت تسمیہ پڑھنا فرض ہے۔

۶...... سورہ توبہ کے علاوہ قرآن مجید کی ہر سورت کی تلاوت تسمیہ سے شروع کی جائے۔ اگر تلاوت کی ابتداء ہی سورہ توبہ سے کی جارہی ہو تو اس کے شروع میں بھی تسمیہ پڑھی جائے گی۔

۷...... اگر شکاری تسمیہ پڑھ کر تیر وغیرہ چلائے، یا شکاری کتے اور باز وغیرہ کو شکار پر

Marfat.com

چھوڑتے ہوئے "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھ لے تو یہ شکار حلال ہے، اگرچہ بعد میں اس کو اس جانور کے ذبح کرنے کا موقع نہ ملے۔

۸.....ناجائز اور حرام کاموں کو اللہ کے نام (تسمیہ وغیرہ) سے شروع نہیں کرنا چاہئے ورنہ کفر کا اندیشہ ہے۔

۹.....خطبہ سے پہلے اور کھانا کھانے سے پہلے بھی تسمیہ پڑھنا مستحب ہے۔(۱)

دسویں بحث: حرف باء چودہ معانی میں استعمال ہوتا ہے

علامہ ابن ہشام رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۱ھ) نے لفظ باء کے چودہ معانی نقل کئے ہیں:

الاول: الالصاق، الثانی: التعدية، الثالث: الاستعان، الرابع: السببية، الخامس: المصاحبة، السادس: الظرفية، السابع: البدل، الثامن: المقابلة، التاسع: المجاوزة، العاشر: الاستعلاء، الحادى عشر: التبعيض، الثاني عشر: القسم، الثالث عشر: الغاية، الرابع عشر: التوكيد۔

علامہ ابن ہشام رحمہ اللہ نے ان تمام معانی کو مع امثلہ کے ذکر کیا ہے۔ اس کے متعلق مالہا وما علیہا تمام مباحث کو تفصیلاً لکھا، اہلِ علم حضرات مراجعت فرمائیں۔(۲)

حرفِ باء کی افادیت

کلمات تسمیہ کا پہلا حرف باء ہے، جس کا معنیٰ "سے" کیا گیا ہے یہ فعل محذوف سے

---

(۱) أحكام القرآن للجصاص: البسملة، ج۱ ص۱۲/ الفقه الإسلامي وأدلته، قراءة القرآن وحفظه، آداب التلاوة، ج۲ ص۱۱۰۱، ۱۱۰۲/ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الرابع، ج۵ ص۳۱۵، ۳۱۶/ أحكام القرآن للعثماني: سورة الفاتحة، أحكام البسملة، ج۱ ص۴/ حدائق الروح والريحان: مباحث البسملة، ج۱ ص۲۵ تا ۲۸

(۲) مغني اللبيب عن كتب الأعاريب: الباب الأول، حرف الباء، ج۱ ص۲۷۳ تا ۲۸۷

Marfat.com

متعلق ہے، محذوف سے مراد وہ فعل اور فاعل ہے جس کا ذکر یہاں لفظاً نہیں بلکہ معناً موجود ہے۔ یعنی ''میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے'' گویا حرفِ باء فعل محذوف کو اللہ کے نام سے ملانے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ حرف باء کی اپنے استعمال وافادیت کے لحاظ سے متعدد اقسام ہیں، جنہیں علماءِ نحو نے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے، لیکن یہاں یہ حرف ان میں سے تین اقسام پر مشتمل ہوسکتا ہے:

۱..... بائے مصاحبت۔ ۲..... بائے استعانت۔ ۳..... بائے تیمن وتبرک

۱..... بائے مصاحبت

الصاق ومصاحبت کا معنی اکٹھا ہونا، متصل ہونا اور رفاقت ومعیت اختیار کرنا ہے، اس صورت میں جب کہ باء مصاحبت کے لئے تصور کی جائے تو تسمیہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ میں اللہ کے نام کو اپنا ساتھی بناتے ہوئے اس کے دامنِ رحمت سے وابستہ اور منسلک ہوتے ہوئے اور محض اسی کی رفاقت ومعیت پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے کام کا آغاز کرتا ہوں۔ امام رازی رحمہ اللہ اس مقام پر فرماتے ہیں:

هذا الباء باء الإلصاق فهو يلصق العبد بالرب فهو كما المقصود۔ [۱]

یہ ''باء'' بائے الصاق ہے چنانچہ یہ بندے کو رب سے ملاتی ہے اور یہی انسانی مقصود کا کمال ہے۔

بسم اللہ کے ذریعے دل ودماغ میں یہ احساس جاگزیں کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالی پر بھروسہ کروگے تو اس کی معیت تمہیں حاصل ہوگی، جس کی معیت وحفاظت کے باعث تمہیں نہ کوئی نقصان پہنچ سکے گا اور نہ ہی تمہاری کاوشیں بے نتیجہ ہوں گی۔ اسی تصور کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (الحديد)

اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور اللہ تمہارے کام کو دیکھ رہا ہے۔

---

(۱) تفسير كبير: ج۱ ص۹۹

Marfat.com

اسی طرح شبِ ہجرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غارِ ثور میں تنہائی کے احساس سے کچھ خدشہ سا محسوس ہوا کہ شاید کفار مکہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں تھے انہیں نقصان نہ پہنچادیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بزبان وحی ارشاد فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ (التوبة)

غمزدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرمادی۔

۲..... بائے استعانت

استعانت سے مراد مدد طلب کرنا ہے، اس معنی کے لحاظ سے مفہوم تسمیہ یہ ہوگا کہ اللہ کے نام سے مدد طلب کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں، حضرت نوح علیہ السلام نے قیامت خیز طوفان سے اپنے پیروکاروں کو بچانے کے لئے حکم الٰہی سے ایک کشتی بنائی اور انہیں اس میں سوار ہو جانے کو کہا۔ قرآن حکیم اس کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے:

وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (هود)

اور نوح نے کہا: تم لوگ اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اُس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ہے، بے شک میرا رب بڑا ہی بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

گویا اس آیت مبارکہ کے ذریعے جملہ مہمات میں خدائے رحمٰن رحیم کے نام سے استعانت کی تعلیم دی جا رہی ہے تاکہ انسان پر یہ حقیقت آشکارا ہو کہ اللہ تعالی کی مدد واعانت کے بغیر نہ تو کسی خیر کو حاصل کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی شر سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

قرآنِ کریم میں حرف باء کا استعمال کئی مقامات پر اسی مقصد کے لئے ہوا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (البقرة)

Marfat.com

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے (مجھ سے) مدد چاہا کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ (ہوتا) ہے۔

یہاں صبر اور نماز دونوں کو ذریعۂ استعانت کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ استعانت تو لامحالہ باری تعالی سے ہوگی، لیکن اس کے کامل استحقاق کے لئے صبر و نماز کو اپنا لو تا کہ ان کے واسطے سے اللہ تعالی کا لطف و کرم اور عنایت و اعانت زیادہ سے زیادہ نصیب ہو سکے۔

اسی تصور کو ایک اور مقام پر یوں واضح کیا گیا ہے:

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا (الأعراف: ۱۲۸)

موسی علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: تم اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔

۳..... بائے تبرک

تبرک کا معنی برکت حاصل کرنا ہے، لہذا بائے تبرک کے حوالے سے تسمیہ کا معنی یہ ہوگا کہ ''اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں'' خدا کے نام سے شروع کرنا اس اعتبار سے باعث برکت ہے کہ اس کام کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے امکانات زیادہ روشن ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اسباب و وسائل کا مہیا کرنا بھی تو اسی کا کام ہے، اس لئے جب اس ذات کے مقدس نام سے برکت طلب کی جائے تو وہ ذات اس کام کا انجام تک پہنچنا آسان کر دیتی ہے اس لئے حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں جو کام بسم اللہ پڑھے بغیر شروع کیا جائے وہ دُم بریدہ اور ناقص رہ جاتا ہے۔ جس امر کا افتتاح خدا کے ذکر کے بغیر ہوگا، انجام خیر تک نہیں پہنچے گا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ باء استعانت کے لئے ہے یا مصاحبت یا الصاق یا استعلاء یا زائدہ یا قسم کے لئے ہے، آخری چار معانی مراد لینا یہاں درست نہیں ہے، اب اختلاف اس میں کہ راجح معنی کون سا ہے، امام بیضاوی رحمہ

Marfat.com

اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پہلے والے یعنی استعانت کے معنی کو ترجیح دی ہے۔ جب کہ امام زمخشری رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا معنی یعنی مصاحبت والے کو ترجیح حاصل ہے۔ جب کہ میرے نزدیک راجح استعانت والا معنی ہے، بلکہ قریب ہے کہ یہی معنی متعین ہو اس لئے کہ اس میں ادب، عاجزی اور عبودیت کا اظہار زیادہ ہے، جو مصاحبت والا معنی مراد لینے کی صورت میں نہیں ہے:

فالباء إما للاستعانة أو المصاحبة أو الإلصاق أو الاستعلاء أو زائدة أو قسمية والأربعة الأخيرة ليست بشيء و اختلف في الأرجح من الأولين فالذي يشعر به كلام البيضاوي أرجحية الأول... ما يدل عليه كلام الزمخشري أرجحية الثاني... وعندي: أن الاستعانة أولى بل يكاد أن تكون متعينة إذ فيها من الأدب والاستكانة وإظهار العبودية ما ليس في دعوى المصاحبة۔[1]

گیارہویں بحث: حرف باء کے ذریعے قرآنِ کریم شروع کرنے کی حکمت

علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری نے اس کی متعدد حکمتیں نقل کی ہیں۔

١......الف میں ترفع اور تکبر ہے جبکہ لفظ باء میں عاجزی اور تواضع ہے۔

٢......حرف باء ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اس میں صورتاً انکساری کا معنی ہے۔

٣......حرف باء صرف ایک نقطے کو قبول کرتا ہے جیسے محبّ ایک محبوب کو قبول کرتا ہے۔

٤......الف حرف علت ہے بخلاف باء کے۔

---

(١) روح المعاني في تفسير القرآن العظيم: سورة الفاتحة، البحث الثالث في معناها، ج ١ ص ٦٤، ٦٥

Marfat.com

۵......باء حرف شفوی میں سے ہے، سب سے پہلا لفظ جو انسانی زبان سے جاری ہوا وہ باء ہے کیونکہ ''عَهۡدِ اَلَسۡتُ'' کے جواب میں لفظ ''بَلٰی'' کہا، تو اس میں سب سے پہلا حرف باء ہے:

احدها: أن فی الألف ترفعا وتكبرا وفی الباء انكسارا وتواضعا، ثانيها: أن الباء مكسورة أبدا وانكسار فی الصورة، ثالثها: أنه لما عرضت عليها النقط ما قبلت إلا واحدة ليكون حالها كحال محب لا يقبل إلا محبوبا واحدا، رابعها: أن الألف حرف علة بخلاف الباء۔ خامسها: أن الباء حرف شفوی ولذلك كان أول انفتاح نسم الذرة الإنسانية فی عهد الله بربكم بالباء فی جواب بلی فلما كان الباء أول حرف نطق به الانسان۔ [1]

علامہ محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا آغاز لفظ باء سے کیا، اس میں کئی حکمتیں ہیں:

۱.....ازل میں عالم مثال میں سب سے پہلے انسانوں نے جس حرف پر تکلم کیا وہ لفظ باء ہے، جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں سے وعدہ لیا ''اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ'' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے جواب میں لفظ ''بلی'' کہا اور اس میں سب سے پہلا حرف باء ہے۔

۲.....اکثر کبار محدثین نے اس بات کی تصریح کی ہے بچہ سب سے پہلے عموماً جس لفظ پر تکلم کرتا ہے وہ ''باء'' ہے اور یہ اس وجہ سے کہ اس نے ازل میں ''عَهۡدِ اَلَسۡتُ'' کے جواب میں لفظ ''بَلٰی'' کہا ہے (اور عالم ازل میں چونکہ سب سے پہلے تکلم ''باء'' پر کیا تھا اس لئے عالم دنیا میں بھی عموماً انسان سب سے پہلے اس پر تکلم کرتا ہے)۔

۳.....قرآن کریم کا آغاز تسمیہ سے ہوتا ہے اور اس میں پہلا حرف لفظ ''باء'' ہے۔

(۱) حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، البحث الخامس، ج ۱ ص ۳۱، ۳۲

Marfat.com

۴.....حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مہتم بالشان کام کا آغاز بسم اللہ سے کرو، اور بسم اللہ کی ابتداء میں سب سے پہلا حرف ''باء'' ہے:

منها أنها أول حرف نطق به بنو آدم في عالم المثال في الأزل حيث قالوا بلى في جواب قوله تعالى الست بربكم وأول حرف بلى هو الباء، منها ما صرح به غير واحد من المفسرين الكبار أن أول حرف يتكلم به الطفل غالبا حرف الباء وذلك من نتائج ما قالوا في الأزل بلى في جواب سؤاله تعالى الست بربكم، منها أنها أول القرآن، منها أنها أول كل امر ذي بال، حديث يبدأ بالبسملة وأول البسملة الباء۔ (۱)

بسم اللہ کے باء کو طویل کر کے لکھنے کی وجہ

سوال: رسم الخط کا قاعدہ یہ ہے کہ جس اسم کے شروع میں ہمزہ وصل ہو تو وہ اسم درمیان کلام میں ہوگا یا اول کلام میں، اگر اول کلام میں ہو تو ہمزہ وصل کتابت اور تلفظ دونوں میں باقی رہے گا، اور اگر درمیان میں ہو تو ہمزہ وصل کتابت میں باقی رہتا ہے لیکن تلفظ میں گر جاتا ہے۔ جیسے ''اقرا باسم ربك'' میں، لہٰذا ''بسم اللہ'' میں درمیان کلام میں ہونے کی وجہ سے گر جاتا، البتہ کتابت میں باقی رہتا، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تلفظ اور کتابت دونوں میں گرا ہوا ہے؟

۱......جواب: ''بسم اللہ'' کثرتِ استعمال کی وجہ سے خفت کا تقاضا کرتا ہے اور کبھی خفت حاصل ہوتی ہے حذف کرنے سے، لہٰذا یہاں بھی ہمزہ کو کتابت میں حذف کر دیا تا کہ آسانی ہو، اور بالکل نسیاً منسیا نہیں کیا بلکہ حذف پر قرینہ موجود ہے۔ یعنی حرف باء کو ذرا طویل کر کے لکھنا تا کہ حذفِ ہمزہ پر دلالت کرے۔

---

(۱) فتح الله بخصائص اسم الله: الباب الثاني والسبعون، ج۲ ص ۱۷۱

Marfat.com

۲...... جواب: علامہ قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرف باء کو طویل کر کے لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا آغاز ایک طویل وعریض لفظ سے ہو، اسی وجہ سے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے کاتبوں کو حکم دیا کہ حرف باء کو طویل کر کے لکھو اور سین کے دندانے خوب ظاہر کرو اور میم کو گولائی میں لکھو، کتاب اللہ کی تعظیم کی وجہ سے:

طولوا الباء من بسم الله وما طولوها فى سائر المواضع، وذكروا فى الفرق وجهين: الأول: أنه لما حذفت ألف الوصل بعد الباء طولوا هذه الباء ليدل طولها على الألف المحذوفة التى بعدها، قال القتيبى، إنما طولوا الباء لأنهم ارادوا أن لا يستفتحوا كتاب الله إلا بحرف معظم، وكان عمر بن عبد العزيز يقول لكتابه طولوا الباء، واظهروا السين، ودوروا الميم تعظيما لكتاب الله۔ (۱)

حرفِ باء کو کسرہ دینے کی وجہ

باء جارہ کو کسرہ دینے میں تین اقوال ہیں: ایک یہ کہ اس کا لفظ بھی اس کے عمل کے مطابق ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ چوں کہ باء صرف اسماء پر داخل ہوتی ہے اور کسرہ اسماء کی خصوصیات میں سے ہے اس لئے اسے بھی کسرہ دیا گیا۔ اس کی تیسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں اور ایسے حروف میں فرق واضح ہو جائے جو کبھی کبھی بطور اسم استعمال ہوتے ہیں۔ (۲)

بسم اللہ کے حرفِ باء میں تمام مضامین کا خلاصہ ہے

علامہ خطیب شربینی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ تمام کتابوں کے مضامین کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں ہے، اور سورۂ فاتحہ کے معانی ومضامین کا خلاصہ تسمیہ میں

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثانى، الباب الثانى، ج۱ ص۱۰۳

(۲) تفسير القرطبى: الكلام فى البسملة، ج۱ ص۱۰۰

Marfat.com

ہے،اورتسمیہ کے معانی ومطالب کا خلاصہ لفظ باءمیں ہے:

وجميع كل الكتب مجموعة فى الفاتحة ومعانى الفاتحة مجموعة فى البسملة ومعانيها مجموعة فى بائها۔ (۱)

علامہ علی بن احمد العزیزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ تمام کتابوں کے معانی ومضامین کا خلاصہ قرآن کریم میں ہے،اورقرآن کریم کے مضامین کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں ہے،اور سورۂ فاتحہ کے مضامین کا خلاصہ بسم اللہ میں ہے،اور بسم اللہ کے معانی کا خلاصہ لفظ ''باء''میں ہے:

ومعانى كل الكتب مجموعة فى القرآن ومعانى القرآن مجموعة فى الفاتحة ومعانى الفاتحة مجموعة فى البسملة ومعانى البسملة مجموعة فى بائها۔ (۲)

بارھویں بحث: جار مجرور کے لئے متعلق مقدم نکالیں گے یا مؤخر؟

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم اور میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ جار مجرور کے لئے متعلق مقدم نکالیں گے۔اور جن حضرات نے یہ فرمایا کہ مؤخر نکالیں گے ان کا قول تحقیق سے ہٹ کر ہے:

وعندى هنا يقدر مقدمًا، وبه قال الأكثرون وإن تقديره مؤخرا مؤخر عن ساحة التحقيق۔ (۳)

---

(۱) السراج المنير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۷

(۲) السراج المنير شرح الجامع الصغير فى أحاديث البشير النذير: ج۱ ص۳

(۳) روح المعانى: سورة الفاتحة، البحث الثالث، ج۱ ص۶۸

Marfat.com

تسمیہ میں عامل کے حذف کرنے کی وجہ

شریعت نے تمام جائز کاموں میں بسم اللہ پڑھنے کی ترغیب دی ہے اب انسانی افعال غیر محصور ہیں، اگر ہر ہر فعل کو ذکر کیا جاتا تو کلام میں بہت طوالت آجاتی، اس لئے قرینہ کے مطابق اس کا عامل محذوف نکالا جائے گا، مثلاً بوقتِ تلاوت ''اقرأ'' پانی پیتے وقت ''اشرب'' کھانا کھاتے وقت ''اکل'' وغیرہ، تو حذفِ عامل کی وجہ کلام کو طوالت سے بچانا ہے، ورنہ بسم اللہ اتنا طویل ہوجاتا کہ اس کا پڑھنا ہی دشوار ہوجاتا اس لئے عامل کو حذف کیا گیا ہے۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) نے ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے کہ ہر کام کرنے والے شخص کو چاہئے کہ جس کام کو تسمیہ سے شروع کرے اسی کام پر دلالت کرنے والے لفظ سے ایک فعل مشتق مان کر تسمیہ کو اس کے متعلق کردے:

کذلك یضمر کل فاعل ما یجعل التسمیة مبدأ له۔ (۱)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

کل فاعل یبدأ فی فعله بسم الله کان مضمرا ما جعل التسمیة مبدأ له۔ (۲)

تسمیہ سے پہلے حذفِ فعل کے فوائد

سوال: بسم اللہ سے پہلے کسی فعل کا ذکر کیوں نہیں کیا جاتا، یعنی ''ابدأ'' بسم اللہ کیوں نہیں کہا جاتا؟

جواب: بسم اللہ کے عامل (فعل) کو چند فوائد کی بنا پر حذف کیا گیا ہے۔ ا..... یہ ایسا مقام ہے جہاں اللہ کے ذکر کے سوا اور کوئی چیز مقدم نہیں ہونی چاہئے۔ اگر پہلے فعل ذکر کیا

(۱) التفسیر البیضاوی: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۴

(۲) مدارك التنزیل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۶

Marfat.com

جاتا تو بہر حال وہ فاعل کے ساتھ پہلے آتا، تو ایسی صورت میں اصل مقصود کے خلاف ہوتا۔

فعل کے حذف ہونے کی صورت میں لفظاً و معناً مشابہت ہوگئی، یعنی معنوی اور حقیقی طور پر اللہ کی ذات ہر چیز پر مقدم ہے، اسی طرح لفظاً ابتداء بھی اسی کے نام سے ہونی چاہئے۔ جیسا کہ ہم نماز میں کہتے ہیں "الله أكبر" یعني من کل شيء (اللہ ہر چیز سے بڑا ہے) لیکن ہم اس مقدر لفظ "من کل شيء" کو زبان پر نہیں لاتے تاکہ لفظ قلبی مقصود کے مطابق ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ دل میں اللہ کے سوا اور کوئی نہ ہو۔ جب نمازی کا دل خالص اللہ ہی کی یاد سے بھر پور ہے تو پھر اسی طرح زبان پر بھی اسی کا نام آنا چاہئے۔

۲..... فعل کے حذف ہونے کی صورت میں ہر قسم کی حرکات، اعمال و اقوال کو بسم اللہ کے ساتھ شروع کرنا درست ہوگا۔ کسی ایک فعل کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی اس بنا پر حذفِ فعل، ذکرِ فعل سے زیادہ عمومیت رکھتا ہے۔ کیونکہ آپ جو بھی فعل ذکر کریں گے محذوف بہر حال اس سے زیادہ وسعت رکھے گا۔

۳..... فعل کے حذف میں زیادہ بلاغت ہے۔ اس کلمہ بسم اللہ کا بولنے والا گویا یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ مشاہدہ کی بنا پر فعل کے تلفظ سے بے نیاز ہے۔ اس لئے کہ مشاہدہ اور زبانِ حال بتلا رہی ہے کہ یہ کام اور باقی تمام افعال اللہ تعالیٰ کے نام سے ہی وابستہ ہیں۔ اس لئے زبانِ حال کی طرف توجہ دلانا مقال کی طرف توجہ دلانے سے زیادہ بلیغ اور واضح ہے۔ [1]

تیرہویں بحث: لفظِ اسم کے متعلق تحقیق

لفظِ اسم کا معنی اور ماخذِ اشتقاق

لفظ "اسم" نام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس کی تعریف عام طور پر یوں کی گئی ہے:

---

(۱) بدائع الفوائد: سورة الفاتحة، ج۱ ص ۲۶

Marfat.com

الاسم ما یعرف به ذات الشیئ۔ (۱)

اسم وہ لفظ یا علامت ہے جس سے کوئی چیز پہچانی جائے۔

اس کے لغوی اشتقاق کے بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں، پہلے قول کے مطابق یہ ''سَمَا یَسْمُوْ'' سے مشتق ہے اور دوسرے کے مطابق ''وَسَمَ یَسِمُ'' سے۔

۱..... ''سِــمُــوٌ'' یہ لفظِ اسم کا پہلا مادۂ اشتقاق ہے جس کا معنی بلندی ہے، اسی سے ''السُّمُوُ'' ہے جو بلند ہونے اور ظاہر ہونے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، آسمان کو بھی اس کی بلندی کے باعث ''سماء'' کہتے ہیں۔ نام کو محض اس لئے ''اسم'' کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے کسی شخص کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کی ذات کو ظہور ملتا ہے۔ اگر کسی کا نام نہ لیا جائے تو وہ شخصیت مخفی رہتی ہے، اس کے ظاہر ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ گمنامی اور اخفاء کی کیفیت سے نکل کر ذکر اور ظہور کی بلندی تک پہنچ جائے۔ کیونکہ نا معلوم کا معلوم ہو جانا یقیناً ظہور اور بلندی ہی کی ایک صورت ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلسُّمُوُ وهو الذی به رفع ذکر المسمی فیعرف به۔ (۲)

''سمو'' اس سے مراد وہ نام ہے جس کے ذریعے مسمی کا ذکر بلند اور نمایاں ہوتا ہے اور وہ پہچانا جاتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ لفظِ اسم کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فاسم الشیئ ما علاه حتی ظهر ذلك الشئ به۔ (۳)

پس کسی چیز کا اسم وہ (نام) ہے جو اس چیز کو بلند کرے یہاں تک کہ وہ چیز ظاہر ہو جائے۔

---

(۱) المفردات فی غریب القرآن: کتاب السین، سما، ۴۲۸

(۲) المفردات فی غریب القرآن: کتاب السین، سما، ۴۲۸

(۳) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الکتاب الثانی، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۰۵

Marfat.com

اسم کے اشتقاق کے سلسلے میں یہ نقطۂ نظر علماء بصرہ کا تھا۔

۲.....''وِسْمٌ'' علماء کوفہ کے نزدیک اسم کا مادہ اشتقاق ''وَسَم'' ہے۔

''وَسَمَ، یَسِمُ، سِمَۃً'' کا معنی علامت اور پہچان ہے، جب کہ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الوسم: التأثیر، والسِّمة: الأثر۔ (۱)

وسم تاثیر کو اور سمہ اثر کو کہتے ہیں۔

قرآن میں ''وسم'' بمعنی علامت کی تائید یوں ملتی ہے:

سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (الفتح: ۲۹)

ان کی علامت ان کے چہروں پر نمایاں ہے جو سجدوں کا اثر ہے۔

قرآن پاک میں مزید فرمایا گیا:

تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ (البقرۃ: ۲۷۳)

تم انہیں ان کی صورت سے پہچان لو گے۔

علامت اور تاثیر کے دونوں معنوں میں تطبیق یہ ہے کہ کسی چیز کی تاثیر ہی دراصل اس چیز کی صحیح پہچان اور علامت ہوا کرتی ہے، اس لئے یہ دونوں معنی ایک ہی مدعا کو پورا کر رہے ہیں۔ مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بالکل واضح ہو چکا ہے کہ لفظِ اسم کا پہلا معنی بھی کسی چیز کے ظاہر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور دوسرا بھی۔

بصریوں اور کوفیوں کے درمیان اختلاف اور ان کے دلائل

بصریوں کا مذہب ہے کہ لفظ اسم اصل میں ''سمو'' تھا جبکہ کوفیوں کے ہاں اصل میں ''وسم'' تھا بصری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس کی جمع ''اسماء'' اور جمع الجمع ''آسامی'' آتی ہے اور اس کی تصغیر ''سُمَیٌّ'' آتی ہے، اور فعلِ مجہول کا صیغہ ''سمیت'' آتا ہے اگر یہ

---

(۱) المفردات: کتاب الواو، وسم، ص ۸۷۱

Marfat.com

اصل میں ''وسم'' ہوتا تو اس کی جمع ''أوسام'' اور جمع الجمع ''أواسم'' اور تصغیر ''وسیم'' آتی جبکہ اس طرح نہیں۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ اسم بصریوں کے نزدیک ان اسماء میں سے ہے جن کے آخری حرف کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور ابتدائی حرف کو ساکن رکھا گیا، پھر ابتداء کرنے کے واسطے شروع میں ہمزہ وصل کا اضافہ کیا گیا کیونکہ اہل عرب کا طریقہ یہی ہے کہ وہ حرف متحرک سے ابتداء کرتے ہیں اور حرف ساکن پر ٹھہرتے ہیں، اور بصریوں کے مسلک کے لئے شاہد اسم کی وہ گردان ہے جو ''أسماء، أسامی، سمی، سمیت'' کے وزن پر آتی ہے۔ اور کوفیوں کے نزدیک اسم ''سمة'' سے مشتق ہے، اور اصل میں ''وسم'' تھا، واؤ کو حذف کر کے ہمزہ وصل کو اس کے عوض میں لائے تاکہ اعلال کم ہو:

والاسم عند أصحابنا البصريين من الأسماء التي حذفت أعجازها لكثرة الاستعمال، وبنيت أوائلها على السكون، وأدخل عليها مبتدأ بها همزة الوصل، لأن من دأبهم أن يبتدء وا بالمتحرك ويقفوا على الساكن، ويشهد له تصريفه على أسماء وأسامي وسمي وسميت ومن السمة عند الكوفيين، وأصله وسم حذفت الواو وعوضت عنها همزة الوصل ليقل إعلاله۔ (۱)

امام بغوی رحمہ اللہ کے نزدیک راجح مذہب

امام بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں کہ بصریوں میں سے امام مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسم مشتق ہے ''سمو'' سے اور اس کا معنی بلندی ہے، گویا کہ یہ اپنے معنی پر بلند اور غالب ہے اور معنی اس کے ماتحت ہے، کوفیوں میں سے امام ثعلب رحمہ اللہ

(۱) التفسير البيضاوي: البسملة، ج۱ ص۲۵

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ اسم مشتق ہے ''وسم'' سے اور اس کا معنی علامت ہے گویا یہ اپنے معنی کے لئے علامت ہے، لیکن اول مذہب زیادہ صحیح ہو اور راجح ہو:

قال المبرد من البصريين: هو مشتق من السمو وهو العلو، فكأنه علا على معناه وظهر عليه وصار معناه تحته، وقال ثعلب من الكوفيين: هو من الوسم وهي العلامة وكأنه علامة لمعناه والأول أصح۔ (۱)

لفظِ اسم کے زائد لانے میں حکمت

یہاں لفظ اسم زائد لانے کا مقصد متعین کرنے میں اختلاف ہے۔ امام قطرب رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ذکر کی جلالتِ شان اور تعظیم کے پیشِ نظر اسے لایا گیا۔ امام اخفش رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر اصل لفظ باللہ لایا جاتا تو اس سے قسم کا معنی پایا جاتا، اس سے بچنے کے لئے لفظ اسم کا اضافہ کر دیا گیا تا کہ اس سے قسم کے بجائے برکت کا مفہوم پیدا ہو۔

چودہویں بحث: اسم اور مسمی کا تعلق

اس موضوع پر زمانہ قدیم میں حشویہ، کرامیہ اور اشاعرہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اسم اور مسمی ایک دوسرے کا عین ہیں ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں، لیکن یہ موقف اس لئے درست نہ تھا کیونکہ مسمی کسی ذات یا صفت کو کہتے ہیں اور اسم اس کے مظہر یعنی ظاہر کرنے والے کو۔ اس لئے ان کو ایک ہی چیز تصور کرنا غلط ہے، مذہب مختار بھی یہی ہے کہ اسم مسمی کا غیر ہے۔ اس فرق کو یوں آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ''آگ'' کا لفظ اسم ہے اور آگ بذاتِ خود مسمی، آگ کی اپنی ایک مستقل ماہیت اور تاثیر ہے جس کی بناء پر وہ جلاتی ہے، یہ جلانے کا کام آگ (یعنی مسمی) کا ہے، آگ کے لفظ (یعنی اسم) کا نہیں لیکن آگ کی نشاندہی بھی صحیح طور پر اس لفظ (یعنی اسم) کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ گویا یہ لازم و ملزوم تو ہیں مگر ایک دوسرے سے

---

(۱) معالم التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۶۱

Marfat.com

واضح طور پر ممتاز بھی ہیں۔ لہذا کسی بھی صورت میں آگ کے لفظ کو بذات خود آگ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہی تعلق اور فرق ہر اسم اور اس کے مسمی کے درمیان ہوتا ہے کہ اسم اپنے مسمی پر دلالت کرتا ہے اور یقیناً اس کے بغیر مسمی کی نشاندہی بھی نہیں ہو سکتی، لیکن اسم کو مسمی یا مسمی کو اسم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ حشویہ، کرامیہ، اشعریہ کا مذہب ہے: اسم اپنے مسمی کا عین ہوتا ہے جبکہ تسمیہ کا غیر ہوتا ہے۔ معتزلہ کے نزدیک اسم اپنے مسمی کا غیر ہوتا ہے جبکہ تسمیہ کا عین ہوتا ہے، امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارا مختار مذہب یہ ہے کہ اسم اپنے مسمی اور تسمیہ کا غیر ہوتا ہے:

قالت الحشوية والكرامية والأشعرية: الاسم نفس المسمى وغير التسمية وقالت المعتزلة: الاسم غير المسمى ونفس التسمية، والمختار عندنا أن الاسم غير المسمى وغير التسمية۔ (۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے اس موضوع پر مختصر مگر نہایت جامع بحث کی ہے، دیکھئے:

(تفسیر ابن کثیر: البسملة، ج۱ ص۱۱۵)

لفظِ اللہ کی حیثیت

لفظ اللہ مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کے تمام اسماء مبارکہ میں سب سے عظیم تر ہے۔ بعض علماء نے اسی کو اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم قرار دیا ہے، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ نام ذاتِ باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ نہ اس سے تثنیہ آتا ہے نہ جمع۔ یہی ارشار باری تعالیٰ:

هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ (مریم) کے دو معانی میں سے ایک ہے۔ مطلب یہ کہ کیا آپ کے علم میں ایسی کوئی ہستی ہے جس کا نام ذات باری تعالیٰ کی طرح ''اللہ'' ہو۔ چنانچہ اللہ اس

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الثالث، ج۱ ص۱۰۵

Marfat.com

ذات کا نام ہے جو موجود برحق ہے۔ الوہیت کی جملہ صفات اس کی ذات میں جمع ہیں اسی کو ربوبیت کے تمام مفاہیم ومعانی کی نسبت سجتی ہے اور وہ اکیلا ہی ہے جس کا وجود حقیقی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی ذات پاک ہے۔

اللہ کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ ذات جو عبادت کے لائق ہے۔ بعض کہتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ واجب الوجود ہستی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور ان سب سے مراد ایک ہی ہے۔[۱]

تسمیہ میں لفظ اللہ کو پہلے اور رحمٰن ورحیم کو بعد میں ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے

علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ عرب کے ہاں اس بات کا رواج ہے کہ جب وہ کسی بات کی خبر دیتے ہیں تو اسم کو پہلے ذکر کرتے ہیں پھر اس کے بعد صفات کو ذکر کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے بھی پہلے اپنے نام کو ذکر فرمایا پھر اپنی صفات کو ذکر فرمایا:

لأن من شأن العرب إذا أرادوا الخبر عن مُخبَر عنه، أن يقدّموا اسمه، ثم يتبعوه صفاته ونعوته۔[۲]

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' میں اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت، علوّ شان اور قہر وغضب کی طرف، پھر لفظ ''الرحمن الرحیم'' کو اس کے بعد لایا تاکہ یہ دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے قہر وغضب سے زیادہ اور کامل ہے:

---

(۱) تفسیر القرطبی: الکلام فی البسملة، ج۱ ص۱۰۲

(۲) جامع البیان فی تأویل آی القرآن: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳۲

Marfat.com

اللّٰــه إشارة إلى القهر والقدرة والعلو، ثم ذكر عقيبه الرحمن الرحيم، وذلك يدل على أن رحمته أكثر وأكمل من قهره۔ (۱)

پندرہویں بحث: لفظِ اللہ کے متعلق تحقیق

لفظِ اللہ کی ترکیب اور اس کی معنوی حکمت

لفظِ اللہ کا باری تعالی کے اسم ذات کی حیثیت سے مستعمل ہونا کئی حکمتوں کی بناء پر ہے، ان میں سے ایک اس کی ترکیب لفظی میں پنہاں ہے، اگر اس لفظ سے کوئی حرف حذف بھی کر دیا جائے تب بھی بقیہ حروف ذاتِ باری تعالی کی نشاندہی کے لئے اپنا معنی برقرار رکھتے ہیں، مثلاً اللہ کا پہلا حرف (الف) حذف کر لیں تو ''للہ'' باقی رہ جائے گا جس کا معنی ہے ''اللہ کے لئے'' اگر دوسرا حرف (لام) حذف کر لیں اور پہلا (الف) بحال رکھیں تو ''الہ'' باقی رہ جائے گا جس کا معنی ہے ''اس کے لئے'' اور اگر پہلے تینوں حروف حذف کر لئے جائیں تو ''ہ'' باقی رہ جائے گا جو پھر اسی کی ذات کی نشاندہی کرتا ہے۔ ''ہ'' (وہ) کے معنی میں بطور ضمیر استعمال ہوتا ہے اور صوفیاء بالعموم اس کا ذکر کرواتے ہیں گویا ''اللہ'' ایک ایسا لفظ ہے جو من حیث الکل بھی اور اپنے ہر حرف اور جز کے اعتبار سے بھی ذات حق پر معنوی دلالت کرتا ہے۔ اس نام کی ترکیبِ لفظ کے حسن کا یہ عالم ہے کہ اس کا کوئی حرف یا حصہ بھی بے معنی نظر نہیں آتا، گویا یہ لفظ بھی ذات باری تعالی کی طرح ہر ہر اعتبار سے کامل ہے، کسی اسم کا اپنے مسمی پر اس سے زیادہ سے دلالت کا اور کیا تصور ہو سکتا ہے۔

پہلا قول: لفظِ اللہ کی اصل اور اس کا مادہ اشتقاق

جمہور علماء کے نزدیک لفظِ اللہ اسم علم غیر مشتق ہے، جب کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ لفظ اسم مشتق ہے، اس لحاظ سے اس کے متعدد مادے بیان کئے گئے ہیں، ان میں

---

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج ۱ ص ۱۵۳

Marfat.com

سے ہر ایک مشتق منہ معنوی طور پر ذات باری تعالیٰ کی مختلف شانوں اور حیثیتوں پر روشنی ڈالتا ہے، عام طور پر اہل علم یہ تصور کرتے ہیں کہ اس لفظ کی اصل ''الٰہ'' ہے جس کا معنی ''معبود'' ہے، جو ''ال'' کے اضافے سے معرف ہو کر ''اللّٰہ'' قرار پا گیا۔ لام تعریف کے بارے میں عربی زبان کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی اسم کو معرف باللام کر دیا جائے (یعنی اس کے آغاز میں ''ال'' کا اضافہ کر دیا جائے) تو وہ اسم اپنے استعمال اور اطلاق میں خاص ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اس حکیم و خبیر نے اپنی ذات کی دلالت کے لئے ایسے لفظ کو منتخب فرمایا جو بیک وقت اس کے لئے الوہیت کا اثبات اور اس کے ماسوی کے لئے الوہیت کی نفی کر رہا ہے۔ یہاں نفی و اثبات کا اجتماع اس پہلو کو بھی اجاگر کر دیتا ہے کہ اسلام صرف حق کے اثبات کی ہی نہیں بلکہ ہر باطل کی نفی کا بھی نام ہے۔ لفظ اللہ کی اصل کے بارے میں امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

أصله إله فحذفت همزته وأدخل عليها الألف واللام فخص بالباری تعالی۔ (۱)

اس کی اصل الٰہ ہے، جس کے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا اور اس پر ''ال'' داخل کر کے اسے ذات باری کے لئے خاص کر دیا گیا ہے۔

پہلا مادہ اشتقاق: أَلَهَ (عبادت کرنا)

اس لفظ کے کئی مادے بیان کئے گئے ہیں، چنانچہ اس کے لغوی اشتقاق کے سلسلے میں علماء کا ایک قول یہ ہے کہ یہ ''أَلَهَ یَأْلَهُ'' سے مشتق ہے، اس کا معنی عبادت کرنا ہے، اس طرح الٰہ کا معنی معبود (جس کی عبادت کی جائے) قرار پایا۔ زمانہ قدیم میں سورج کی پرستش کرنے والوں نے سورج کا نام ''الٰہہ'' رکھا ہوا تھا، اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی تھی کہ وہ اسے معبود تصور کرتے تھے۔

---

(۱) المفردات في غريب القرآن: كتاب الألف، اله، ص ۸۲

Marfat.com

دوسرا مادہ اشتقاق: أَلِہَ (متحیر ہونا)

لفظ اللہ کے اشتقاق میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ''أَلِــہَ'' سے ماخوذ ہے، اس کا معنی تحیر ودر ماندگی ہے۔ رب ذوالجلال کے لئے اس لفظ کا اسم قرار پا جانا اس کی عظمت اور علو مرتبت کی صحیح نشاندہی ہے، کیونکہ انسان ذات باری تعالی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ جان سکتا ہے وہ عقل کے تحیر اور فہم وادراک کی درماندگی کے سوا کچھ نہیں، وہ جس قدر بھی اس ذات مطلق کی ہستی میں غور کرے گا، اس کی حیرت واستعجاب میں اضافہ ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ معرفت الٰہی کی ابتدا بھی عجز وحیرت تھی اور انتہاء بھی عجز وحیرت ہے۔

تیسرا مادہ اشتقاق: أَلَہَ (سکون پانا)

اس بارے میں تیسرا قول یہ ہے کہ لفظ اللہ ''أَلَہَ'' سے مشتق ہے، جس کا معنی سکون پانا ہے۔ کہا جاتا ہے ''الهتُ إلى فلان أى سكنتُ إليه'' (کہ میں نے فلاں سے سکون پایا) ذاتِ باری تعالی کو اللہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ بیتاب دلوں کو اسی سے تسکین ملتی ہے، قرآن حکیم میں ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ (الرعد)

جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

چوتھا مادۂ اشتقاق: اَلْوَلَہُ (عقل کا گم ہونا)

دوسرے اور چوتھے مادوں میں معنوی یکسانیت ہے، دوسرا مادہ اشتقاق ''أَلِــہَ'' تھا، جس کا معنی تحیر ودرماندگی بیان کیا گیا ہے اور ''وَلَــہٌ'' میں بھی یہی مفہوم پایا جاتا ہے، ان دونوں مادوں کے اعتبار سے لفظ ''إلــہ'' اور اللہ کا معنی قرار پایا کہ وہ ذات جس کی جستجو میں عقل وخرد گم ہو جائیں۔

Marfat.com

پانچواں مادۂ اشتقاق: لَاہٌ (بلندی وارتفاع)

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "إلٰہ" اور "اللّٰہ" کا مشتق منہ "لَاہٌ" ہے، جس کا معنی "بلند ہونا" ہے۔ چنانچہ اس لفظ کی معنوی دلالت یہ ہوئی کہ وہ ذات جو ہر عجز اور کمزوری سے بلند ہو، جو ہر نقص اور حرمان سے بلند ہو، جو ہر عیب وخطا سے بلند ہو، جو ہر ضرورت واحتیاج سے بلند ہو، جو ہر مناسبت ومماثلت سے بلند ہو، جو ہر ایک کے کفر وشرک سے بلند ہو، جو انسانوں کے ظلم ومعصیت سے بلند ہو، جو انسانی وہم وگمان سے بلند ہو، جو ممکنات ومحدثات سے بلند ہو، جو ہر مخلوق کی قوتِ اِدراک سے بلند ہو۔

چھٹا مادۂ اشتقاق: لَاہَ یَلُوْہُ (مخفی ہونا)

اس اعتبار سے الٰہ اور اللہ کا اطلاق اس ذات اقدس پر ہوتا ہے جو ہر آنکھ سے پنہاں ہے، قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ (الحدید)

وہی اول ہے وہی آخر، وہی عیاں ہے، وہی نہاں اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

گویا وہی ذات عیاں بھی ہے اور نہاں بھی، ظہور واحتجاب (اجاگر ہونا اور مخفی ہونا) دونوں شانوں کا بیک وقت ایک ہی ذات میں موجود ہونا اس طرح ممکن ہے کہ وہ جلوہ حسن اپنی صفات کے اعتبار سے عیاں ہو مگر ذات کے اعتبار سے نہاں، گویا کائنات میں ہر سو اس کی صفات وکمالات ربوبیت کا جلوہ ظہور پذیر ہو، اس کی بے پناہ رحمتیں اور نشانیاں اظہر من الشّمس ہوں جو قدم قدم پر انسان کو اس کے ہونے کا یقین دلا رہی ہوں، لیکن جب انسان اس کی ذات کا بے حجاب دیدار کرنا چاہے تو وہ مستور ومحجوب رہے، یعنی اس کی صفات ظاہر ہوں اور ذات باطن جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَ هُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ (الانعام)

نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

Marfat.com

ساتوں مادۂ اشتقاق: إلِهَهُ (جھکنا، راغب ہونا اور رجوع کرنا)

یہ مشتق ہے ''أَلِهَ الْفَصِيلُ'' سے، فصیل کہتے ہیں اونٹ کے بچے کو، یہ اُس وقت بولا جاتا ہے جبکہ اونٹ کا بچہ اپنی ماں کا بہت زیادہ مشتاق ہو اور اس سے جا کر چمٹ جائے۔

اس اعتبار سے الٰہ کا معنی ہوا جس کی طرف جھکا جائے اور رجوع کیا جائے، اور لفظ اللہ کا معنی لام تعریف کے باعث یہ طے پایا کہ وہی ایک ذات ہے جس کی طرف جھکنا، راغب ہونا اور رجوع کرنا فطری اور لابدی امر ہے گویا ''اللہ'' کے کلمات اس حقیقت کا کھلا اعلان کر رہے ہیں کہ اے انسان! تو چاہے جتنا سرکش و باغی بن جا، اپنے رب کی اطاعت وغلامی سے جتنا بھی منہ موڑ لے، سرکش و باغی شخص بھی بالآخر اسی کی طرف جھکتا ہے، اس کی ذات سے دل کا علاقہ جس قدر چاہے منقطع کر لے لیکن جب بھی تجھ پر آفت ومصیبت کی گھڑی آئے گی ساری دنیا کے اسباب وذرائع سے تو کلیۃً مایوس ہو جائے گا اور کسی چیز پر بھی تیری کوئی امید باقی نہ رہے گی تو اس وقت تیرا دل عاجزی اور شکستگی کے ساتھ بے اختیار ذات باری تعالیٰ کی طرف جھک جائے گا، تو اسے والہانہ رغبت اور رجوع کے ساتھ پکار اٹھے گا کہ اے اللہ! مجھے بچا لے اور میرے حال پر رحم فرما۔

آٹھواں مادۂ اشتقاق: إله (پناہ دینا)

اس مادے کے اعتبار سے لفظ اللہ اس معنی پر دلالت کرتا ہے کہ وہی وہ ذات ہے جو ہر ایک کو پناہ دینے والی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَّ هُوَ يُجِيرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ (المومنون:۸۸)

اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف (کوئی) پناہ نہیں دی جاسکتی۔

پناہ دینا مصیبت زدہ افراد کے لئے سب سے بڑی نعمت اور عطا ہے، انسان اپنی زندگی میں جتنی بھی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے وہ بالواسطہ یا بلا واسطہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہیں، وہ فی الحقیقت انسان کا اپنا کسب نہیں ہیں، آنکھوں کی بصارت ہو یا کانوں کی

Marfat.com

سماعت، زبان کا ذائقہ ہو یا ہاتھ پاؤں کی حرکت، دماغ کی فکری قوت ہو یا طبعی ونفسانی لذات، الغرض حیات دنیوی کی تمام نعمتیں اگر اللہ تعالی عطا نہ کرے تو پیدائش سے لے کر تا دم مرگ انسان کسی وقت بھی ان کے حصول پر قادر نہیں ہو سکتا، جب خود زندگی بھی اللہ تعالی ہی کی دین ہے تو اس کے لوازمات وانعامات اس کی عطا کیوں نہ ہوں، قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (النحل:۵۳)

اور تمہیں جو نعمت بھی حاصل ہے سو وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

وَ هُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ (الأنعام:۱۴)

اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور (خود اسے) کھلایا نہیں جاتا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (النساء:۷۸)

آپ فرما دیں (حقیقتاً) سب کچھ اللہ کی طرف سے (ہوتا) ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے لفظ اللہ کے مشتق منہ کے متعلق آٹھ (۸) اقوال نقل کئے ہیں، دیکھئے تفصیلاً:

(التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب التاسع، ج۱ ص۱۴۵ تا ۱۴۸)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) نے لفظ اللہ کے مشتق منہ کے بارے میں سات (۷) اقوال نقل کئے ہیں، دیکھئے:

(التفسير البيضاوي: البسملة، ج۱ ص۲۷)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے بھی لفظ اللہ کے مشتق منہ کے بارے میں سات (۷) اقوال نقل کئے ہیں، دیکھئے:

(روح المعاني: سورة الفاتحة، اشتقاق لفظ "الله" ج۱ ص۷۸)

Marfat.com

دوسرا قول: لفظِ اللہ سریانی زبان کا لفظ ہے

یہ ہے کہ لفظ اللہ سریانی زبان کا لفظ ہے اصل میں ''لاھا'' تھا آخر کے حرف کو حذف کر کے شروع میں الف لام داخل کیا پھر لام کو دوسرے لام میں مدغم کیا تو اللہ ہو گیا۔

تیسرا قول: لفظِ اللہ صفت کا صیغہ ہے

یہ ہے کہ لفظ اللہ صیغہ وصف ہے، قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے نزدیک یہی قول راجح ہے، چنانچہ فرماتے ہیں اظہر یہ ہے کہ لفظ ''اللہ'' درحقیقت وصف ہے لیکن جب غلبہ ذات باری کے لئے اس طور پر استعمال ہونے لگا کہ غیر کے اندر بالکل مستعمل نہیں تو علم کے مشابہہ ہو گیا جس طرح کہ لفظ ثریا اور صعق:

والأظهر أنه وصف في أصله لكنه لما غلب عليه بحيث لا يستعمل في غيره وصار له كالعلم مثل: الثريا والصعق۔ (1)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے اس قول کو اختیار کرنے پر ان کی تردید کی ہے، فرماتے ہیں کہ امام بیضاوی رحمہ اللہ باوجودیکہ انہیں تحقیق میں خوب دسترس ہے لیکن یہاں ان کا قول روشن نہیں ہے، اور یہ ایسی واضح بات ہے کہ اس میں غور و فکر اور گہرائی کی طرف انسان محتاج نہیں ہے:

والإمام البيضاوي مع أن له اليد البيضاء في التحقيق لم يتبلج له صبح هذا القول وهو لا يحتاج إلى النظر الدقيق۔ (2)

چوتھا قول: لفظِ اللہ علم ہے

حضرت امام شافعی، امام محمد، امام ابوالحسن الاشعری، علامہ فخر الدین رازی، علامہ خلیل بن احمد، امام سیبویہ، علامہ مازنی، علامہ ابن کیسان، علامہ سید محمود آلوسی اور دیگر جمہور اہل علم رحمہم اللہ کے ہاں لفظ اللہ عَلَم ہے۔

---

(1) التفسير البيضاوي: البسملة، ج1 ص28

(2) روح المعاني: سورة الفاتحة، اشتقاق لفظ "الله" ج1 ص78

Marfat.com

سولہویں بحث: جمہور اہلِ علم کے ہاں لفظ اللہ عَلَم ہے

۱......علامہ ابوالليث نصر بن محمد سمرقندی رحمہ اللہ (متوفی ۳۷۳ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' نام ہے جو وضع کیا گیا ہے، یہ مشتق نہیں ہے، اور یہی بات درست ہے امام کسائی رحمہ اللہ کے اس قول سے کہ یہ مشتق ہے، امام ابوالليث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس طرح ہم نے امام ابوجعفر رحمہ اللہ سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ لفظ ''اللہ'' اصل وضع کے اعتبار سے نام ہے، یہ مشتق نہیں ہے:

"اللّٰه" هو اسم موضوع ليس له اشتقاق وهو أجل من ان يذكر له اشتقاق وهو قول الكسائي قال أبو الليث رحمه الله هكذا سمعت أبا جعفر يقول روى عن محمد بن الحسن أنه قال هو اسم موضوع ليس له اشتقاق۔ (۱)

۲......شیخ الاسلام علامہ ابوالمظفر سمعانی رحمہ اللہ (متوفی ۴۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' کے متعلق اہلِ علم کا اختلاف ہے، امام خلیل، امام ابن کیسان رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نام ہے اور خاص اللہ تبارک وتعالیٰ کا عَلَم ہے یہ مشتق نہیں ہے، جیسا کہ وہ نام جو بندوں کے لئے متعین ہیں جیسے زید، عمرو وغیرہ، اور اسی قول کو امام قفال شاشی رحمہ اللہ اور اہلِ علم کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے:

اللّٰه تعالى فقد اختلفوا فيه، فقال الخليل وابن كيسان هو اسم علم خاص للّٰه تعالى لا اشتقاق له، وهو كأسماء الأعلام للعباد، مثل: زيد وعمرو ونحوه، وهو اختيار القفال الشاشي وجماعة من أهل العلم۔ (۲)

---

(۱) بحر العلوم: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳

(۲) تفسير القرآن: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۲

Marfat.com

۳......محی السنۃ علامہ حسین بن مسعود المعروف بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں کہ امام خلیل رحمہ اللہ اور اہل علم کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ لفظ ''اللہ'' نام ہے اور ذات باری تعالیٰ کی ذات کے لئے خاص ہے، یہ مشتق نہیں ہے جیسا کہ بندوں کے متعینہ نام مثلاً زید، عمرو وغیرہ:

قوله تعالى: "الله" قال الخليل وجماعة: هو اسم علم خاص لله عز وجل لا اشتقاق له كأسماء الأعلام للعباد مثل زيد وعمرو۔ (۱)

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ لفظ ''اللہ'' ذات باری تعالیٰ کا عَـلَـم ہے، اور یقیناً یہ مشتق نہیں ہے، اکثر اصولیین، فقہاء، امام خلیل، امام سیبویہ رحمہم اللہ کے نزدیک بھی راجح قول یہی ہے:

المختار عندنا أن هذا اللفظ اسم علم لله تعالى، وأنه ليس بمشتق ألبتة، وهو قول الخليل وسيبويه، وقول أكثر الأصوليين والفقهاء۔ (۲)

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ یہ بھی علماء کی ایک جماعت کا موقف ہے جن میں امام ابو المعالی، امام خطابی، امام غزالی، امام شافعی رحمہم اللہ شامل ہیں، امام خلیل اور امام سیبویہ رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ لفظ ''اللہ'' کے شروع میں الف لام اسی کے ساتھ لازم ہے، اسے حذف کرنا جائز نہیں، امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات کی دلیل کہ الف اور لام لفظ ''اللہ'' کے اصلی حروف میں سے ہیں اور یہ معرفہ بنانے کے لئے نہیں لگائے گئے، اس پر حرفِ ندا کا داخل ہونا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں ''یا اللہ'' حالانکہ حروف ندا الف لام کے ساتھ نہیں آسکتے۔ غور کیجئے ہم کبھی ''یا الرحمٰن، یا الرحیم'' نہیں کہتے، جیسے ''یا اللہ'' کہتے ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ الف لام لفظ ''اللہ'' کے بنیادی حروف

(۱) معالم التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص ۷۱

(۲) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب التاسع، ج۱ ص ۱۴۳

Marfat.com

میں سے ہیں۔ واللہ اعلم:

ذهب إليه جماعة من العلماء أيضاً منهم الشافعي وأبو المعالي والخطابي والغزالي والمفضل وغيرهم، وروى عن الخليل وسيبويه: أن الألف واللام لازمة له لا يجوز حذفهما منه، قال الخطابي: والدليل على أن الألف واللام من بنية هذا الاسم، ولم يدخلا للتعريف: دخول حرف النداء عليه؛ كقولك: يا اللّٰه، وحروف النداء لا تجتمع مع الألف واللام للتعريف، ألا ترى أنك لا تقول: يا الرحمن ولا يا الرحيم، كما تقول: يا اللّٰه، فدل على أنهما من بنية الاسم، والله أعلم۔ (۱)

۶......علامہ علاء الدین المعروف بخازن رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' نام ہے جو اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ خاص ہے، ذات باری تعالی اس نام کے ساتھ متفرد ہے، یہ مشتق نہیں ہے، اور اس میں کوئی بھی آپ کے ساتھ شریک نہیں ہے، یہی صحیح اور پسندیدہ قول ہے:

الله هو اسم علم خاص لله تعالى تفرد به البارى سبحانه وتعالى ليس بمشتق ولا يشركه فيه أحد وهو الصحيح المختار۔ (۲)

۷......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' ذات باری تعالی کا نام ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اسم اعظم ہے، اس لئے کہ یہ تمام صفات کے ساتھ متصف ہے:

---

(۱) التفسير القرطبي: البسملة، الحادية والعشرون، ج۱ ص۱۴۰

(۲) تفسير الخازن: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۷

Marfat.com

الله عَلَمٌ على الرب تبارك وتعالى، يقال: إنه الاسم الأعظم لأنه يوصف بجميع الصفات۔ (۱)

۸......خطیب شربینی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' اس ذات کا جو واجب الوجود ہے اور تمام تعریفوں کا مستحق ہے اس ذات کا نام ہے:

الله علم على الذات الواجب الوجود، المستحق لجميع المحامد۔ (۲)

۹......علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' عربی زبان میں نام ہے، یہ سُریانی زبان میں معرب نہیں ہے اور یہ اس ذات کا نام ہے جو ساری کائنات کو بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا ہے، اور اس کا اطلاق غیر اللہ پر درست نہیں ہے:

والله اسم عربي لا سرياني معرب، وهو علم مختص بمبدع العالم لم يطلق على غيره فيما بين المسلمين وغيرهم۔ (۳)

۱۰......علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' کو عَـلَـم بنایا اس ذات کا جو واجب الوجود ہے، تمام کمالات کا جامع ہے، اور تمام رذائل سے منزہ اور پاک ہے:

ثم جعل علما لذات الواجب الوجود المستجمع للكمالات المنزه عن الرذائل۔ (۴)

۱۱......علامہ احمد بن محمد الصاوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' نام ہے اس متعینہ ذات کا جو تمام صفات کمال کا جامع ہے:

---

(۱) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۱٦

(۲) السراج المنير: سورة الفاتحة، ج۱ ص٦

(۳) فيض القدير شرح الجامع الصغير: مقدمة المؤلف، ج۱ ص۲

(۴) التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳

Marfat.com

أنه علم علی ذات معینة مستجمعة لصفات الکمال۔ (۱)

۱۲......علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ "اللہ" نام ہے اس ذات کا جو واجب الوجود ہے اور اس کا اطلاق غیر اللہ پر کرنا درست نہیں:

واللہ علم لذات الواجب الوجود لم یطلق علی غیرہ۔ (۲)

۱۳......علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ اکابر معتبر علماء جیسے امام شافعی، امام محمد، امام ابوالحسن اشعری اور ان کے اکثر متبعین، امام خطابی، امام الحرمین، امام غزالی، امام رازی اور اکثر اصولیین اور فقہاء، اور اسی بات کو امام خلیل، امام سیبویہ، امام مازنی، امام ابن کیسان رحمہم اللہ نے پسند کیا ہے کہ لفظ اللہ عربی ہے اور اصل کے اعتبار سے ذات باری کا خاص نام ہے:

والذی علیه أکابر المعتبرین کالشافعی ومحمد بن الحسن والأشعری وغالب أصحابه والخطابی وإمام الحرمین والغزالی والفخر الرازی وأکثر الأصولیین والفقهاء، ونقل عن اختیار الخلیل وسیبویه والمازنی وابن کیسان أنه عربی وعلم من أصله لذاته تعالی المخصوصة۔ (۳)

۱۴......علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ "اللہ" اکثر علماء کے نزدیک عربی زبان میں نام ہے اور اس ذات کے ساتھ خاص ہے جو واجب الوجود ہے، اور اس کا اطلاق غیر اللہ پر درست نہیں، اور نہ ہی اس میں کوئی ایک آپ کے ساتھ شریک ہے:

---

(۱) حاشیة الصاوی علی تفسیر الجلالین: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۹

(۲) فتح القدیر للشوکانی: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۸

(۳) روح المعانی: سورة الفاتحة، اشتقاق لفظ "اللہ"، ج۱ ص۷۷

Marfat.com

اللہ علم عربی عند الأکثر خاص لذات الواجب الوجود لم یطلق علی غیرہ ولا یشر که فیه أحد۔[1]

۱۵......علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' ذات باری تعالیٰ کا نام ہے:

اللہ علم علی ذاته تعالی۔[2]

سترہویں بحث: لفظ اللہ کی خصوصیات

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے فرمایا کہ لفظ ''اللہ'' میں دو ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو کسی اور اسماء میں نہیں ہیں۔

پہلی خصوصیت

لفظ اللہ سے آپ ایک ایک حرف کو حذف کرتے جائیں تو اس صورت میں بھی یہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہوگا، اس کے معنی میں تبدیلی نہیں آئے گی مثلاً: ''اَللّٰـهُ لَا إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ'' اب آپ پہلے حرف کو حذف کرو تو ''لِلّٰه'' باقی رہ جائے گا، یہ بھی قرآن کریم میں ذات باری تعالیٰ کے لئے استعمال ہوا ہے ''وَلِلّٰـهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ'' اور اگر ایک لام کو حذف کرو تو ''لَهُ'' باقی رہ جائے گا، یہ بھی قرآن میں اللہ کے لئے استعمال ہوا ہے ''لَـهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ'' اور اگر ایک لام کو حذف کرو تو ''هو'' رہ جائے گا، قرآن میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ'' باقی رہا لفظ واؤ تو وہ زائد ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ تثنیہ اور جمع کے صیغوں میں ساقط ہو جاتا ہے، اگر یہ زائد نہ ہوتا تو کبھی ساقط نہ ہوتا بلکہ باقی رہتا:

---

(۱) فتح البیان فی مقاصد القرآن: سورة الفاتحة، ج۱ ص۴۱

(۲) محاسن التاویل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵

Marfat.com

اعلم أن هذا الاسم مختص بخواص لم توجد فی سائر أسماء الله تعالی، ونحن نشير إليها: فالخاصة الأولى: أنك إذا حذفت الألف من قولك: "اللّٰه" بقی الباقی علی صورة "لله"وهو مختص به سبحانه، كما فی قوله: وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالارْضِ، وإن حذفت عن هذه البقية اللام الأولی بقيت البقية علی صورة "لَهُ" كما فی قوله تعالی: لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالارْضِ فإن حذفت اللام الباقية كانت البقية هی قولنا: "هُوَ" وهو أيضًا يدل عليه سبحانه كما فی قوله: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، والواو زائدة بدليل سقوطها فی التثنية والجمع فإنك تقول هما، هم فلا تبقی الواو فيهما، فهذه الخاصية موجودة فی لفظ "الله" غير موجودة فی سائر الأسماء۔ (۱)

دوسری خصوصیت

کلمہ شہادت میں لفظ اللہ کا ذکر کرنا ضروری ہے، کلمہ شہادت وہ کلمہ ہے جس کے ذریعے انسان کفر کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آتا ہے، اور کلمہ شہادت کا حصول ہوگا لفظ اللہ کے ساتھ، اگر کوئی ساری زندگی ''لا إلـــه إلا الـــرحـــمـــن'' یا ''إلا الرحیم'' یا'' إلا الملك'' یا'' إلا القدوس'' کہے تو وہ کفر سے نہیں نکلے گا اور نہ ہی اسلام میں داخل ہوگا:

ان كلمة الشهادة وهی الكلمة التی بسببها ينتقل الكافر من الكفر إلی الإسلام لم يحصل فيها إلا هذا الاسم فلو أن الكافر قال: اشهد أن لا إله إلا الرحمن أو إلا الرحيم، أو إلا الملك، أو إلا القدوس لم يخرج من الكفر ولم يدخل فی الإسلام، اما إذا قال اشهد ان لا

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب التاسع، ج۱ ص۱۴۹

Marfat.com

إله إلا الله فإنه يخرج من الكفر ويدخل في الإسلام، وذلك يدل على اختصاص هذا الاسم بهذه الخاصية الشريفة۔[1]

علامہ ابن عادل حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۸۸۰ھ) نے لفظ "اللہ" کی انہی دو خصوصیات کو نقل کیا ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(اللباب في علوم الكتاب: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۴۴، ۱۴۵)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروزآبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) نے لفظ "اللہ" کی دس (۱۰) خصوصیات نقل کی ہیں:

۱.....لفظ "اللہ" تمام اسماء اور صفات کا قائم مقام ہوتا ہے۔

۲.....تمام اسماء معانی میں اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔

۳.....تمام امور میں اسی نام کے ساتھ ابتداء کا حکم ہے جیسے آپ کا قول "بسم الله"۔

۴.....تمام امور اور احوال کا اختتام اسی نام پر ہوتا ہے جیسے "وآخر دعواهم أن الحمد لله رب العلمين۔

۵.....اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی توحید کو اسی نام کے ساتھ معلق کیا ہے "لا إله إلا الله"۔

۶.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو اسی نام کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہے "محمد رسول الله"۔

۷.....حُجاجِ کرام کے حج کو تلبیہ میں ان الفاظ کے ساتھ مزین کیا "لبيك اللهم لبيك" (اس میں بھی لفظ "اللہ" موجود ہے)

۸.....نماز کا آغاز اور اختتام لفظ "اللہ" پر ہوتا ہے، ابتداء "الله أكبر" سے اور اختتام "السلام عليكم ورحمة الله"۔

۹.....دعا کرنے والے اپنی دعاؤں کا آغاز اسی نام کے ساتھ کرتے ہیں، جیسے "اللهم

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب التاسع، ج ۱ ص ۱۴۹

Marfat.com

اغفر، اللّٰھم ارحم‘‘۔

۱۰.....لفظ’’اللّٰہ‘‘ کے حروف کو حذف کرنے سے اس کے معانی میں کمی نہیں ہوتی، (حروف کے حذف کے باوجود اس کے مصداق میں فرق نہیں آتا جیسا کہ تفصیلاً ماقبل میں گزرا)

أنّه يقوم مقامَ جملةِ أسماءِ الحقّ تعالى وصفاته، أنّ جملة الأسماءِ في المعنى راجعة إليه، الابتداء به في جميع الأُمور بمثل قولك: بسم الله، ختم المناشير والتواقيع في قولك: حسبي الله، ختم الأُمور والأحوال به وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رب العلمين، تعليق توحيد الحقّ تعالى به في قول لا إله إلا الله، تأكيد رسالة الرّسول به في قولك: محمّد رسول الله، تزيين حَجّ الحُجّاج به في قولهم: لبّيك اللّهم لبّيك، افتتاح الصّلاة واختتامها به في قولك: الله أكبر، وآخراً: ورحمة الله، به يُفتتح دعاء الدّاعين: اللّهم اغفر، اللّهمّ ارحم، لا ينتقِص معناه بنقص حروفه۔[1]

ملاعلی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ اس اسم کے بعض خواص ایسے ہیں جو دیگر اسماء میں نہیں پائے جاتے:

۱.....تمام اسماء کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن لفظ’’اللّٰہ‘‘ کو ان میں سے کسی ایک کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔

۲.....مخلوق میں سے کسی کو بھی اس نام کے ساتھ متصف کرنا جائز نہیں ہے بخلاف دیگر اسماء کے۔

۳.....’’یااللّٰہ‘‘ اس میں حرف ندا اور الف لام دونوں ایک ساتھ جمع ہیں (حالانکہ یہ

---

(۱) بصائر ذوي التمييز في لطائف الكتاب العزيز: الباب الثاني، بصيرة في لفظ "الله" ج۲ ص ۲۰،۲۱

Marfat.com

دونوں اس نام کے علاوہ کہیں بھی اکھٹے جمع نہیں ہیں، یہ دونوں حرف تعریف ہیں، اور حرف تعریف کا اجتماع نہیں ہوتا، لیکن اس اسم کی خصوصیت کی وجہ سے یہاں اجتماع درست ہے)۔

۴.....اس اسم پر لفظ تاء قسمیہ کا داخل کرنا درست ہے جیسے ''تاللہ''۔

۵.....لفظ ''اللہ'' کے لام کو موٹا پڑھا جائے گا جب کہ اس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہو:

وقد خص هذا الاسم بخواص لا توجد في غيره، منها أنه تنسب سائر الأسماء إليه ولا ينسب هو إلى شيء منها، ومنها أنه لم يسم به أحد من الخلق بخلاف سائر الأسماء، ومنها أنهم جمعوا بين يا التي للنداء وبين الألف واللام ولم يفعل ذلك في غيره، ومنها تخصيصهم إياه في القسم بإدخال التاء في قولهم تالله، ومنها تفتخيم لامه إذا انفتح ما قبله أو انضم سنة۔ (۱)

علامہ محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کے پانچ خواص نقل کئے ہیں، دیکھئے:

(فتح الله بخصائص اسم الله: الباب التاسع والستون، ج۲ ص۱۵۳)

ذات باری تعالیٰ پر لفظ خدا کا اطلاق کرنا درست ہے

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ ''خدا'' فارسی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے وہ ذات جس کا وجود واجب ہو، اس لئے کہ لفظ ''خدا'' مرکب ہے فارسی میں دو لفظوں سے: ۱.....خود، اس کا معنی ہے ذات، نفس اور حقیقت۔ ۲.....آی، اس کا معنی ہے جو بذات خود ہو، اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وجود بذات خود ہے غیر کی وجہ سے نہیں ہے، پس اس وضاحت کے بعد ''خدا'' کا معنی ہے جس کا وجود بذات خود ہو اور وہ اپنے وجود میں کسی غیر کی طرف محتاج نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ''خدا'' واجب الوجود کا ترجمہ ہے:

وقولهم بالفارسية خداى معناه أنه واجب الوجود لذاته لأن قولنا:

---

(۱) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: مقدمة المؤلف، ج۱ ص۴۷

Marfat.com

خدای کلمة مرکبة من لفظتین فی الفارسیة: إحداهما: خود، ومعناه ذات الشیء ونفسه وحقیقته والثانیة قولنا:آی ومعناه جاء، فقولنا: خدای معناه أنه بنفسه جاء، وهو إشارة إلی أنه بنفسه وذاته جاء إلی الوجود لا بغیره، وعلی هذا الوجه فیصیر تفسیر قولهم: خدای أنه لذاته کان موجوداً۔ (۱)

اٹھارہویں بحث: اکثر علماء کے ہاں لفظ ''اللہ'' اسم اعظم ہے

۱......علامہ ابوالحسن ماوردی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۰ھ) نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ لفظ اللہ اسم اعظم ہے، اس لئے کہ اس میں کوئی بھی آپ کے ساتھ شریک نہیں ہے:

وحُکی عن ابی حنیفة أنه الاسم الأعظم من اسمائه تعالی، لأن غیره لا یشارکه فیه۔ (۲)

۲......امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک زیادہ درست بات یہ ہے کہ لفظ اللہ اسم اعظم ہے:

ان الاسم الأعظم هو قولنا: "الله" وهذا هو الأقرب عندی۔ (۳)

۳......علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ تمام اسماء میں سب سے بڑھ کر ہے یہاں تک کہ بعض علماء نے کہا کہ یہی اسمِ اعظم ہے:

---

(۱) التفسیر الکبیر: الکتاب الثانی، الباب الرابع، ج۱ ص۱۲۲

(۲) النکت والعیون: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵۰

(۳) تفسیر الکبیر: الکتاب الثانی، الباب الثالث، ج۱ ص۱۱۱

Marfat.com

قوله: اللّٰہ هذا الاسم اکبر أسمائه سبحانه حتى قال بعض العلماء: إنه اسم الله الأعظم۔ (۱)

۴......علامہ خازن رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ لفظ ''اللہ'' ہی اسم اعظم ہے، اس لئے کہ یہ ذات پر دلالت کرتا ہے جب کہ باقی اسماء صفات پر دلالت کرتے ہیں:

وذهب بعضهم إلى أن هذا الاسم هو الاسم الأعظم لأنه يدل على الذات وباقي الأسماء تدل على الصفات. (۲)

۵......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' ذات باری کا عَلَم ہے، اور یہ بھی کہا گیا کہ یہی اسم اعظم ہے:

الله عَلَمٌ على الرب تبارك وتعالى، يقال: إنه الاسم الأعظم۔ (۳)

۶......علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) نقل کرتے ہیں کہ اسم اعظم ''اللہ'' ہی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے اللہ تعالیٰ پورے قرآن میں ہر اسم سے پہلے اس کو لاتے ہیں:

اسم الله الأعظم هو الله الا ترى انه فى جميع القرآن يبدأ به قبل كل اسم۔ (۴)

۷......ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے جمہور علماء نے فرمایا کہ اسم اعظم (لفظ اللہ) ہے، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسم اعظم لفظ ''اللہ'' ہی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جب آپ ''اللہ'' کہو تو آپ کے دل میں اللہ کے علاوہ کوئی اور نہ ہو:

ولذا قال الجمهور انه الاسم الأعظم قال القطب الربانى الشيخ

---

(۱) تفسير القرطبى: البسملة، عشرين، ج۱ ص۱۳۹

(۲) التفسير الخازن: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۷ (۳) تفسير ابن كثير: البسملة، ج۱ ص۱۱۶

(۴) الدر المنثور فى تفسير الماثور: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۳

Marfat.com

عبد القادر الجيلانی: الاسم الأعظم هو الله لكن بشرط أن تقول الله وليس فی قلبك سواه۔ (۱)

۸......علامہ علی بن احمد العزیزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ محققین علماء کے نزدیک لفظ ''اللہ'' اسم اعظم ہے:

وعند المحققين انه الاسم الأعظم۔ (۲)

۹......علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں کہ محققین علماء کے نزدیک لفظ ''اللہ'' اسم اعظم ہے:

وعند المحققين انه الاسم الأعظم۔ (۳)

۱۰......علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری فرماتے ہیں کہ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ بے شک لفظ ''اللہ'' ہی اسم اعظم ہے اس لئے کہ یہ ذات پر دلالت کرتا ہے، جب کہ دیگر اسماء صفات پر دلالت کرتے ہیں:

وذهب بعضهم إلى أن هذا الاسم هو الاسم الأعظم لأنه يدل على الذات وباقي الأسماء تدل على الصفات۔ (۴)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) نے اس موضوع پر مستقل ایک رسالہ لکھا جس کا نام ''الدر المنظم فی الاسم الأعظم'' ہے، اس میں انہوں نے اسم اعظم کی تعیین کے متعلق اہل علم کے بیس (۲۰) اقوال نقل کئے ہیں۔ یہ رسالہ ''الحاوی للفتاوی'' میں موجود ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(الحاوی للفتاوی: الدر المنظم فی الاسم الأعظم، ص۴۰۵ تا ۴۰۹)

---

(۱) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: مقدمة المؤلف، ج۱ ص۷۹

(۲) السراج المنير شرح الجامع الصغير في أحاديث البشير والنذير: البسملة، ج۱ ص۳

(۳) فتح البيان في مقاصد القرآن: سورة الفاتحة، ج۱ ص۴۱

(۴) حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵۰

Marfat.com

اسم اعظم سے کیا مراد ہے؟

کیا واقعی اسم اعظم کے ذریعے ہر دعا قبول ہو جاتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسم اعظم کو جاننے کے باوجود مشکل ترین حالات میں بھی اس کے ذریعے دعا کیوں نہ مانگی؟ اولیاء کرام بھی اسم اعظم جانتے ہیں یا نہیں؟ اسم اعظم کے متعلق تمام روایات و آثار کو یکجا کیا۔ نیز اسم اعظم کے بارے میں علماء کرام، ائمہ عظام اور بزرگان دین کی کتب میں موجود تمام اقوال کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ امت محمدیہ اور سابقہ امتوں کے بزرگوں کے ساتھ اسم اعظم کے سلسلے میں پیش آنے والے بہت سے عجیب و غریب حیران کن ایمان افروز واقعات بھی درج کئے ہیں۔ ان تمام باتوں کے جاننے کے لئے شیخ التفسیر والحدیث مولانا موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ کی کتاب "الکنز الأعظم فی تعیین الاسم الأعظم" کا مطالعہ کریں۔ مولانا موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ نے اسم اعظم کی تعیین کے متعلق علماء کے اکسٹھ (۶۱) اقوال کو نہایت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ علماء کے ہاں اسم اعظم لفظ اللہ ہے۔

شیخ التفسیر والحدیث مولانا موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ "اللہ" کے خصائص میں سے ہے کہ یہ اسم اعظم ہے، اس کے ذریعے سے جو دعا کی جائے اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں، اور جو سوال کیا جائے اللہ تعالیٰ عطاء فرماتے ہیں اور یہی اکثر ائمہ کا قول ہے۔ یہاں تک کہ عارفین کے ہاں اللہ کے نام سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں، اسی وجہ سے حمد، تسمیہ، تہلیل اور تشہد کو اسی نام کے ساتھ خاص کیا گیا ہے نہ کہ دیگر اسماء حسنیٰ کے ساتھ۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ اسم اعظم لفظ "اللہ" ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے، امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی قول میرے نزدیک درست بات کے زیادہ قریب ہے، اور یہی رائے ہے سید العارفین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی:

Marfat.com

من خصائص الاسم الله انه اسم الله الأعظم الذی إذا دعی به
أجاب، واذا سئل به أعطی وهذا قول کثیر من الأئمة حتی أنه لا
ذکر عند العارفین فوق الذکر بالاسم الله ولکونه أعظم الأسماء
الإلهیة خصص به الحمد والبسملة والتهلیل والتشهد دون غیره
من الأسماء الحسنی، عن محمد بن الحسن قال سمعت ابا حنیفة
رحمة الله علیه یقول اسم الله الأعظم هو الله واختاره الامام
الطحاوی وقال الفخر الرازی هو الأقرب عندی وبه قال سید
العارفین بالله الشیخ عبد القادر الجیلانی قدس سره۔ (۱)

حضرت نے اپنی اس کتاب میں نوے (۹۰) صفحات پر اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی۔ اسم اعظم کے متعلق مالہا وما علیہا تمام مباحث کو یکجا کیا، اہل علم حضرات اصل کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔ (۲)

امام سیبویہ رحمہ اللہ کے ساتھ ذاتِ باری تعالیٰ کا معاملہ

علامہ سمین حلبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۵٦ھ) فرماتے ہیں کہ امام سیبویہ رحمہ اللہ کو کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالی نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو امام سیبویہ رحمہ للہ نے فرمایا اللہ تعالی نے میرے ساتھ بہت عمدہ معاملہ کیا، اس وجہ سے کہ میں نے لفظ ''اللہ'' کو اعرف المعارف قرار دیا:

یُحْکی أن سِیبوِیه رُئی فی المنام فقیل له: ما فعلَ اللّٰهُ بك؟ فقال:
خیرًا کثیرًا، لجَعْلِی اسمَه اعرف المعارفِ۔ (۳)

---

(۱) فتح الله بخصائص اسم الله: الباب الحادی بعد المائة، ج۲ ص۴٦۰

(۲) فتح الله بخصائص اسم الله: الباب الحادی بعد المائة، ج۲ ص۴٦۰ تا ۵۵۰

(۳) الدر المصون فی علوم الکتاب المکنون: سورة الفاتحة، ج۱ ص۷٦

Marfat.com

انیسویں بحث: لفظ اللہ قرآن کریم میں کتنی بار آیا ہے؟

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیر وز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ قرآن کریم میں دو ہزار پانچ سو ساٹھ مرتبہ سے کچھ زائد استعمال ہوا ہے:

أمّا فی نصّ القرآن فمذکور فی ألفین وخمسمائة وبضع وستّین موضعًا۔ (۱)

علامہ علی بن احمد العزیزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ قرآن کریم میں دو ہزار تین سو ساٹھ مرتبہ استعمال ہوا ہے:

وقد ذکر فی القرآن العزیز فی الفین وثلاث مائة وستین موضعا۔ (۲)

علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ قرآن کریم میں دو ہزار تین سو ساٹھ مرتبہ استعمال ہوا ہے:

وقد ذکرہ اللہ تعالی فی الفین وثلاث مائة وستین موضعا من القرآن۔ (۳)

شیخ فواد احمد عبد الباقی فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ قرآن کریم میں دو ہزار چھ سو ستانوے (۲۶۹۷) مرتبہ استعمال ہوا ہے، نو سو اسی (۹۸۰) مقامات پر حالت رفعی میں، اور پانچ سو بانوے (۵۹۲) مقامات پر حالت نصبی میں، اور گیارہ سو پچیس (۱۱۲۵) مقامات پر حالت جری میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت نے قرآن کریم کی ان تمام آیات کو تفصیلاً ذکر کیا ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(المعجم المفہرس لألفاظ القرآن الکریم: ص ۴۰ تا ۷۵، سہیل اکیڈمی لاہور)

---

(۱) بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز: ج۲ ص ۲۱

(۲) السراج المنیر شرح الجامع الصغیر فی أحادیث البشیر والنذیر: مقدمة، ج۱ ص ۳

(۳) فتح البیان فی مقاصد القرآن: سورة الفاتحة، ج۱ ص ۴۱

Marfat.com

تسمیہ میں اللہ کے تین اسماء ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ ھ) فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے مخاطب تین قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جو اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں، دوسرے وہ جو میانہ روی کے ساتھ چلنے والے ہیں، تیسرے وہ ہیں جو نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے والے ہیں لفظ اللہ کا تعلق سابقین کے ساتھ اور رحمٰن کا تعلق مقتصدین کے ساتھ اور رحیم کا تعلق ظالمین کے ساتھ ہے:

الحکمة فی ذکر هذه الأسماء الثلاثة ان المخاطبين فی القرآن ثلاثة أصناف کما قال تعالی: فَمِنْهُمْ ظالم لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بالخيرات فقال: أنا اللّٰه للسابقين، الرحمن للمقتصدين، الرحيم للظالمين۔ (۱)

''الرحمن'' کے لغوی اور اصطلاحی معانی

رحمٰن: مادہ رح م سے ''فَعْلَان'' کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے، عربی قواعد کی رو سے ''فَعْلان'' اور ''فُعْلان'' ایسے مصادر ہیں جن میں فعل کی انتہائی کثرت اور مبالغے کا معنی پایا جاتا ہے، جو اسماء اس وزن پر ہوں گے ان میں معنویت، انتہائی کثرت، فراوانی اور مبالغے کے ساتھ موجود ہوگی۔ یعنی ان کے مادوں کا مفہوم ان اسماء میں نہایت شدت اور زیادتی کے ساتھ پایا جائے گا، مثلاً ''فُرْقَان'' اس میں فرق وامتیاز پیدا کرنے کی صفت اپنے منتہائے کمال پر موجود ہے، یہ قرآن کا نام ہے اس لئے کہ قرآن سے بڑھ کر اور کوئی کتاب حق وباطل میں واضح فرق پیدا نہیں کرسکتی۔ ''قُرْبَان'' اس میں قرب کا معنی انتہائی افراط کے ساتھ تسلیم کیا جائے گا۔ ''نُدْمَان'' اس میں نادم اور شرمندہ ہونے کا معنی پایا جاتا ہے، لیکن اسم میں یہ صفت اس قدر شدت کے ساتھ موجود ہے کہ کوئی اور لفظ اس سے زیادہ

(۱) التفسیر الکبیر: الکتاب الثانی، الباب الحادی عشر، ج۱ ص۱۵۴

Marfat.com

معنی ندامت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ''غضبان'' ہے اس میں بھی غیض وغضب کا معنی انتہائی شدت کے ساتھ موجود ہے، اس اسم سے بڑھ کر غضبناک ہونے کا مفہوم کوئی اور وزن ادا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ''الرحمن'' بھی اسی وزن پر ''رحم'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی صاف طور پر یہ متعین ہوا کہ ''انتہائی مہربانی کرنے والا'' گویا لفظ ''الرحمن'' کا مفہوم یہ ہوا کہ رب العالمین وہ ہے جس کی ذات میں صفت رحمت کی اتنی کثرت، فراوانی اور غایت ونہایت ہے کہ کوئی اور ہستی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

''الرحیم'' کے لغوی اور اصطلاحی معانی

''الرحمن'' کے بعد دوسرا اسم صفت ''الرحیم'' ہے، اس کا معنی بھی ''بہت رحم کرنے والا'' ہے، یہ ''رحمت'' سے ''فَعِیل'' کے وزن پر اسم فاعل ہے، اور اس میں بھی معنوی مبالغے کی صفت پائی جاتی ہے۔ مستزاد یہ کہ الرحیم صفت مشبہ ہے، اس میں صفت رحم کے اعتبار سے ہمیشگی اور دوام واستمرار کی خوبی بھی پائی جاتی ہے، الرحیم اصطلاحی اعتبار سے الرحمٰن کے مقابلے میں عام ہے، اس کا استعمال اللہ تعالی کے علاوہ کے لئے بھی جائز ہے۔

قرآن حکیم میں اس کے استعمال کی چند صورتیں ملاحظہ ہوں:

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۝۵۴ (البقرة)

یقیناً وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝۱۴۳ (البقرة)

بے شک اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ (البقرة:۲۱۸)

یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

Marfat.com

بیسویں بحث: لفظ رحمٰن ورحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں

لفظ ''رحمٰن ورحیم'' یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں البتہ رحمٰن میں مبالغہ رحیم کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

۱......علامہ ابوالقاسم محمود بن محمد الزمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ ''الرحمن ''فعلان کے وزن پر ہے اور یہ ''رحم'' سے مشتق ہے، جیسے ''غضبان'' یہ مشتق ہے ''غضب'' سے اور ''سکران'' مشتق ہے ''سکر'' سے، اسی طرح ''الرحیم'' فعیل کے وزن ہے اور ''رحم'' سے مشتق ہے جیسے ''مریض'' یہ مشتق ہے ''مرض'' سے اور ''سقیم'' یہ مشتق ہے ''سقم'' سے۔ لفظ ''رحمن'' میں جو مبالغہ ہے وہ لفظ ''رحیم'' میں نہیں ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے ''رحمن الدنیا والآخرۃ'' کہ رحمٰن کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں کے ساتھ ہے، جبکہ ''رحیم فی الدنیا'' میں رحیم کا تعلق صرف دنیا کے ساتھ ہے:

الرحمن فعلان من رحم كغضبان وسكران من غضب وسكر وكذلك الرحيم فعيل منه كمريض وسقيم من مرض وسقم وفي الرحمن من المبالغة ما ليس في الرحيم ولذلك قالوا رحمن الدنيا والآخرة ورحيم الدنيا۔ (۱)

۲......امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور حضرات اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ''الرحمن ''مشتق ہے ''الرحمة'' سے، یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، اسی وجہ سے اس لفظ کو نہ تثنیہ لایا جاتا ہے اور نہ جمع، جیسے کہ لفظ ''الرحیم'' کو تثنیہ اور جمع لایا جاتا ہے:

---

(۱) الكشاف عن حقائق التنزيل وعيون الأقاويل في وجوه التأويل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۴۹

Marfat.com

وذهب الجمهور من الناس إلى أن الرحمن مشتق من الرحمة مبنی علی المبالغة، ومعناه ذو الرحمة الذی لا نظير له فيها، فلذلك لا يثنی ولا يجمع كما يثنی الرحيم ويجمع۔ (۱)

۳.....قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ ''الرحمن، الرحیم'' یہ دونوں ''رحم'' سے مشتق ہیں اور مبالغے کے صیغے ہیں، جیسے ''غضبان'' مشتق ہے ''غضب'' سے، اور ''علیم'' مشتق ہے ''علم'' سے:

الرحمن الرحيم اسمان بنيا للمبالغة من رحم، كالغضبان من غضب، والعليم من علم۔ (۲)

۴.....حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ ''الرحمن، الرحیم'' دونوں مشتق ہیں ''رحم'' سے اور مبالغے کے صیغے ہیں، لفظ ''رحمن'' میں مبالغہ ''رحیم'' سے زیادہ ہے:

الرحمن الرحيم اسمان مشتقان من الرحمة على وجه المبالغة، ورحمن أشد مبالغة من رحيم۔ (۳)

۵ .....علامہ شوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ ''الرحمن، الرحیم'' یہ دونوں ''رحم'' سے مشتق ہیں، اور مبالغے کے صیغے ہیں، لفظ ''رحمن'' میں مبالغہ ''رحیم'' سے زیادہ ہے:

اسمان مشتقان من الرحمة على طريق المبالغة، ورحمن أشد مبالغة من رحيم۔ (۴)

---

(۱) تفسير القرطبی: البسملة، الثانية والعشرون، ج۱ ص ۱۴۱

(۲) التفسير البيضاوی: البسملة، ج۱ ص۲۹

(۳) تفسير ابن كثير: البسملة، ج۱ ص۱۱۸

(۴) فتح القدير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۸

Marfat.com

۶......علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ ''الرحمن، الرحیم'' دونوں صیغہ صفت ہیں جو مبالغے کے معنی پر دلالت کرتے ہیں، تحقیق جمہور علماء نے فرمایا کہ لفظ ''رحمن'' مبالغہ میں ''رحیم'' سے بڑھ کر ہے، اس وجہ سے کہ الفاظ کی زیادتی معانی کی کثرت کی خبر دیتی ہے:

كل من صفتي الرحمان الرحيم دالة على المبالغة فقد قال الجمهور إن الرحمان أبلغ من الرحيم بناء على أن زيادة المبنى تؤذن بزيادة المعنى۔ (۱)

اکیسویں بحث: لفظ رحمٰن ورحیم کے درمیان فرق

۱......قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ ''رحمن'' میں بمقابلہ ''رحیم'' کے زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ الفاظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ ''قَطَعَ'' (بمعنی کاٹنا) اور ''قَطَّعَ'' (بمعنی بار بار کاٹنا)، ''کِبَارٌ'' (بمعنی بڑا) اور ''کُبَّارٌ'' (بمعنی بہت بڑا) ان مثالوں سے واضح ہے۔ اور اس زیادتی کا کبھی کمیت (تعداد) کے اعتبار سے لحاظ کیا جاتا ہے اور کبھی کیفیت کے اعتبار سے۔ تعداد کا اعتبار کرتے ہوئے کہا جاتا ہے ''یا رحمن الدنیا'' اس لئے کہ دنیا کی رحمت مؤمن وکافر دونوں کو عام ہے، اور ''رحیم الآخرة'' اس لئے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف مؤمنین کے لئے ہوگی۔ کیفیت کا اعتبار کرتے ہوئے کہا جاتا ہے ''یا رحمن الدنیا والآخرة ورحیم الدنیا'' اس لئے کہ اُخروی نعمتیں سب کی سب بڑی ہیں اور دنیاوی نعمتیں سو وہ چھوٹی بھی ہیں اور بڑی بھی:

الرحمن ابلغ من الرحيم، لأن زيادة البناء تدل على زيادة المعنى

---

(۱) التحرير والتنوير: الكلام على البسملة، ج۱ ص۱۷۱

Marfat.com

كما في قَطَعَ وقَطَّعَ وكِبَار و كُبَّار، وذلك إنما يؤخذ تارة باعتبار الكمية، وأخرى باعتبار الكيفية، فعلى الأول قيل: يا رحمن الدنيا لأنه يعم المؤمن والكافر، ورحيم الآخرة لأنه يخص المؤمن، وعلى الثاني قيل: يا رحمن الدنيا والآخرة، ورحيم الدنيا، لأن النعم الأخروية كلها جسام، وأما النعم الدنيوية فجليلة وحقيرة۔ (۱)

۲......علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ دعاؤں میں یہ الفاظ کہے جاتے ہیں ''یا رحمن الدنیا ورحیم الآخرۃ'' اس لئے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت مؤمن اور کافر دونوں کو شامل ہے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہوگی:

جاء في الدعاء يارحمن الدنيا لأنه يعم المؤمن والكافر ورحيم الآخرة لأنه يخص المؤمن۔ (۲)

۳......علامہ حسین بن مسعود المعروف بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''رحمن'' معنی کے اعتبار سے عام ہے اور لفظ کے اعتبار سے خاص ہے (معنی کے اعتبار سے عموم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں مؤمن اور کافر سب کو عام ہے، اور لفظ کے اعتبار سے خاص ہے یعنی اس کا اطلاق غیر اللہ پر نہیں ہوتا) اور رحیم لفظ کے اعتبار سے عام ہے اور معنی کے اعتبار سے خاص ہے (یعنی لفظ کے اعتبار سے اس کا اطلاق غیر اللہ پر درست ہے، اور معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی رحمت آخرت میں صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہوگی):

فالرحمن عام المعنى خاص اللفظ، والرحيم عام اللفظ خاص المعنى۔ (۳)

---

(۱) التفسير البيضاوي: البسملة، ج۱ ص۲۹

(۲) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۸

(۳) معالم التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۴۷

Marfat.com

۴......امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رحمٰن کا تعلق آسمان والوں کے ساتھ ہے، جب کہ رحیم کا تعلق زمین والوں کے ساتھ ہے۔

۵.....حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رحمٰن کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی اس سے مانگا جائے وہ دیتا ہے اور رحیم کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس سے نہ مانگا جائے تو ناراض ہوتا ہے۔

۶.....رحمٰن کا مطلب ہے جو تکلیف ومصائب اور پریشانیوں کو دور کرتا ہے اور رحیم کہتے ہیں جو گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔

۷.....رحمٰن کا مطلب ہے جو چھوٹی اور بڑی تمام نعمتوں کو عطا کرنے والا ہے، اور رحیم کا مطلب جو نقصان دہ چیزوں کو دور کرنے والا ہے، جیسے سورۂ مؤمن آیت نمبر ۹ اور سورۂ انعام آیت نمبر ۱۶ میں ہے:

الرحمن بأهل السماء والرحيم بأهل الارض، وقال ابن المبارك: الرحمن إذا سئل اعطى، والرحيم إذا لم يسأل غضب، الرحمن بكشف الكروب والرحيم بمغفرة الذنوب، الرحمن معطى النعم الصغيرة والكبيرة والرحيم دافع المضرات كما في المؤمن ۹ والأنعام ۱۶۔

۸......مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ انسان کے سامنے دو محبتیں موجود ہیں، ان دونوں کے درمیان طبعی طور پر فرق کیا جاتا ہے، اول محبت پدری، والد کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ میرا بیٹا کمال حاصل کرے، اگرچہ اس کو کتنی ہی مشقتیں اٹھانی پڑیں۔ دوم محبت مادری، ماں کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ میرا بیٹا راحت کی زندگی گزارے اور ہر فرد کی بے آرامی سے محفوظ رہے کمال حاصل ہو یا نہ ہو۔ اب رحمٰن میں محبت پدری کی طرف اشارہ ہے، انسان دنیا میں تمام عبادتوں کی مشقت برداشت کر کے کامیابی حاصل کرے اور رحیم میں شفقت مادری کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو آخرت میں ہر قسم کی راحتیں پہنچائے گا۔

Marfat.com

۹......شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۰۰ھ) فرماتے ہیں کہ رحمٰن اس موصوف کو کہتے ہیں جو بالفعل رحمت کر رہا ہو اور جس کی رحمت کائنات کے ذرہ ذرہ کو شامل ہو۔ اور رحیم اس ذات کو کہتے ہیں جس کے ساتھ صفت لازمہ کے طور پر ہو اور خصوصیت ذاتیہ ہو عارضہ نہ ہو، تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو بالفعل ہر آن میں اپنی ساری مخلوق پر رحم فرما رہا ہے یہ رحم اس کی ذات کو لازم ہے اس کی صفت ذاتیہ ہے۔[1]

بائیسویں بحث: لفظ رحمٰن کا اطلاق غیر اللہ پر جائز نہیں

۱......علامہ ابو بکر جصاص رحمہ اللہ (متوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ تسمیہ میں اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ہیں، غیر اللہ کے لئے یہ دونوں نام رکھنا جائز نہیں ہے، ان میں ایک لفظ اللہ ہے دوسرا لفظ رحمٰن ہے:

وفيه اسمان من أسماء الله تعالى المخصوصة به لا يسمى بهما غيره وهما الله والرحمن۔[2]

۲......امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ صفت رحمٰن اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے ان کے علاوہ کسی کو رحمٰن کہنا جائز نہیں، غور کیجئے! اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا کہ آپ کہیئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو:

أكثر العلماء على أن الرحمن مختص بالله عزوجل، لا يجوز أن يسمى به غيره، ألا تراه قال: قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمن۔[3]

۳......قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: اس لئے کہ رحمٰن لفظ اللہ کے مشابہ ہے اس حیثیت سے غیر اللہ کی صفت نہیں بنتا، کیونکہ رحمٰن کے معنی اس منعم

---

(۱) تفسیر جواہر القرآن: ج ۱ ص ۶

(۲) أحكام القرآن للجصاص: البسملة، ج ۱ ص ۲۴

(۳) تفسير القرطبي: البسملة، الخامسة والعشرون، ج ۱ ص ۱۴۳

Marfat.com

حقیقی کے ہیں جو رحمت کے انتہائی مقام کو پہنچا ہوا ہو، اور یہ معنی غیر اللہ پر صادق نہیں آتا:

لأنه صار كالعلم من حيث أنه لا يوصف به غيره لأن معناه المنعم الحقيقي البالغ في الرحمة غايتها، وذلك لا يصدق على غيره۔ (۱)

۴......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام رحمٰن ہے جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے غیر اللہ کو رحمٰن کہنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کہیے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو:

واسمه تعالى الرحمن خاص به لم يُسم به غيره كما قال تعالى: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ۔ (۲)

۵......قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ صفت رحمٰن حروف کی کثرت کی وجہ سے (رحیم سے) زیادہ بلیغ ہے، اسی وجہ سے رحمٰن اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے نہ کہ رحیم:

والحق أن الرحمن أبلغ لزيادة البناء ولذا اختص بالله دون الرحيم۔ (۳)

تیئیسویں بحث: لفظ رحمٰن کو رحیم پر کیوں مقدم کیا؟

۱......رحمٰن میں زیادتی بحسب الکمیت ہے، رحمٰن کے افراد زیادہ ہیں، کیونکہ دنیا میں یہ مؤمن کافر سب کو شامل ہے۔ اور رحمتِ دنیا وجود کے اعتبار سے مقدم ہے رحمتِ آخرت پر، نیز وہ بمنزلہ عَـلَـم کے ہے، اور چونکہ علم مقدم ہوتا ہے وصف پر اس لئے رحمٰن کو رحیم پر مقدم کیا۔

---

(۱) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۹

(۲) تفسير ابن كثير: البسملة، ج۱ ص۱۱۹

(۳) التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۴

Marfat.com

۲......رحمٰن کے اندر زیادتی بحسب الکیفیت کا لحاظ کیا تو لفظ رحمٰن بڑی بڑی نعمتوں پر دلالت کرتا ہے، اور تسمیہ کے اندر اللہ کے اوصاف بیان کرنے کا موقع ہے، لہٰذا پہلے رحمٰن کا ذکر کیا تا کہ اللہ کے بڑے بڑے انعامات نمایاں ہوں، لیکن چھوٹی چھوٹی نعمتیں اس سے رہ گئیں، لہٰذا رحیم کو بطور تکملہ کے ذکر کیا، اس لئے اس کا ذکر بعد میں کیا۔

۳......رحیم کو رؤس آیات کی محافظت کے لئے مؤخر کیا۔ رؤس آیت سے مراد آیت کے آخری حروف ہیں، آیات کے سجع کو برقرار رکھتے ہوئے رحیم کو مؤخر کیا، ان کا آخری حرف یائے ساکنہ کے بعد آ رہا ہے۔ جیسے: عالمین، دین، نستعین، وغیرہ۔

۴......تسمیہ میں لفظ اللہ کا ذکر پہلے کیا، اس لئے کہ کوئی بھی شخص نہ مفرد کی صورت میں نہ مضاف کی صورت میں لفظ اللہ کے ساتھ متصف ہو سکتا، اس لئے لفظ اللہ کو مقدم کیا۔ رحمٰن کا اطلاق مفرد کی صورت میں تو غیر اللہ پر جائز نہیں، البتہ مضاف کی صورت میں جائز ہے جیسے عبد الرحمٰن وغیرہ۔ رحیم کا اطلاق غیر اللہ پر مفرد اور مضاف دونوں صورتوں میں ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحیم کا اطلاق قرآن میں ہوا ہے۔

۵......علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک رحیم کو مؤخر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رحیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے آپ مؤمنین پر بہت زیادہ مہربان اور نہایت رحیم ہیں (چونکہ رحمٰن اللہ کی صفت خاصہ ہے اس کو مقدم کیا اور رحیم عام ہے اس لئے اس کو مؤخر کیا):

وعندی من باب الإشارة ان تأخير الرحيم لأنه صفة محمد صلى الله عليه وسلم قال تعالىٰ: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (۱)

---

(۱) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۸۶

Marfat.com

چوبیسویں بحث: رحمت کی ایسی جامع تعریف جس کے مراد لینے کی صورت میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا

علامہ جار اللہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) علامہ فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) قاضی بیضاوی (متوفی ۶۸۵ھ) رحمہم اللہ، حضرات نے رحمت کی تعریف کی:

رقة القلب بحيث يقتضي الاحسان۔

اب ان حضرات کے نزدیک ذات باری تعالیٰ کے لئے رحمت کا حقیقی معنی رقتِ قلب مراد لینا نہیں ہے بلکہ مجازی معنی یعنی احسان کرنا مراد ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی ذات حقیقی معنی میں گویا رحمٰن ورحیم نہیں ہے بلکہ اس تعریف کی صورت میں اللہ تعالیٰ مجازی طور پر رحمٰن ورحیم ہے، جیسے بہادر انسان کو حقیقتاً شیر نہیں کہتے بلکہ مجازاً اوصفِ شجاعت کی وجہ سے شیر کہتے ہیں۔ ان حضرات نے یہ تعریف رحمتِ مطلقہ کی تعریف نہیں کی ہے بلکہ انسانی یا حیوانی رحمت کی تعریف کی ہے، اس وجہ سے ان حضرات نے رحمت کی تعریف میں لفظِ قلب کا ذکر کیا ہے۔

رحمت کی صحیح تعریف: إيصال النفع سواء كان برقة القلب أو بالإرادة

اب رقتِ قلب سے رحمت کا صدور حیوانات اور انسانوں کے ساتھ مختص ہے جبکہ ارادہ سے رحمت کا صدور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔

سوال: صفتِ مشبہ کا صیغہ افعالِ لازمہ سے آتا ہے، متعدی افعال سے نہیں آتا جبکہ "رحم" سمع کے باب سے متعدی ہے؟

جواب: جو حضرات لفظِ رحمٰن اور رحیم کے صفت مشبہ کے صیغے ہونے کے قائل ہیں، وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ: یہاں "انتقال الی اللزوم" والی کاروائی کی گئی ہے۔

رَحِم کو فَعُلَ کے وزن پر منتقل کیا اور فَعُلَ افعال لازمہ میں سے ہے، لہٰذا اب

Marfat.com

رحمن کا صفت مشبہ کا صیغہ بننا درست ہے۔اب رَحِمَ اور رَحُمَ کے معنی میں فرق یہ ہوگا کہ اگر فیضان خیر کا جذبہ قبل از ظہور ہو تو ''رَحِمَ'' کے قبیل سے ہے، اور اگر بعد از ظہور ہو تو ''رَحُمَ'' کے قبیل سے ہوگا۔

مثال: کسی معذور شخص کو دیکھ کر دل میں اس کے ساتھ تعاون کا جذبہ پیدا ہوتا ہو تو یہ رَحِمَ ہے، پھر اگر اس کی مدد کی جائے تو یہ رَحُمَ کے قبیل سے ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں صفت مشبہ کے صیغے نہیں ہیں:

إنهما ليسا بصفة مشبهة فالأصح أنهما من أبنية المبالغة۔ (1)

اللہ تعالیٰ کی حکومت میں اسماء اشخاص کے قائم مقام ہیں

علامہ ابن عربی رحمہ اللہ ''فتوحات مکیہ'' میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت میں اسماء اشخاص کے قائم مقام ہیں، اسماءِ خداوندی گویا اللہ کی حکومت کے مختلف محکموں کے نام ہیں جس طرح دنیا میں ہر محکمہ کا انچارج الگ الگ ہوتا ہے۔

اب خوراک کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفت رزاق کے ساتھ ہے، مجرم کو سزا دینے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفت منتقم کے ساتھ ہے، تعلیم کا تعلق صفت علیم کے ساتھ ہے، بیماری سے شفاء دینے کا تعلق اللہ کی صفتِ شافی کے ساتھ ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق عمدہ بحث

ذات باری تعالیٰ، صفات باری تعالیٰ اور اسماء باری تعالیٰ یہ تینوں الگ الگ چیزیں ہیں مگر ان تینوں کا مصداق ایک ہی ذات ہے۔اس کو سمجھنے کے لئے ایک عام فہم مثال یوں ہوسکتی ہے کہ اس دنیا میں ایک آفتاب (سورج) ہے، دوسری وہ روشنی ہے جو آفتاب کے جرم (جسم) کے ساتھ متعلق ہے، تیسری آفتاب کی وہ روشنی ہے جو زمین کی سطح پر پھیلی ہوئی

---

(۱) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص ۸۰

Marfat.com

ہوتی ہے۔ہم اس کو تشبیہ تو نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تشبیہ سے پاک ہے، لیکن سمجھانے کے لئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ جرم شمس (سورج کا جسم) بمنزلہ ذات باری ہے، اور وہ روشنی جو جرم شمس کے ساتھ قائم ہے بمنزلہ صفات باری تعالیٰ ہے، اور وہ روشنی جو زمین پر پڑتی ہے بمنزلہ افعال کے ہے۔

تو اب بات یوں ہوئی کہ آفتاب بمنزلہ ذات باری ہے اور وہ روشنی بمنزلہ صفات باری ہے، یہ روشنی آفتاب کا نہ عین ہے اور نہ غیر ہے۔اس مثال سے صفات باری کے متعلق لاعین ولاغیر کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے، مثال مذکور میں سورج کی وہ روشنی جو زمین کی سطح پر پھیلی ہوئی ہے وہ بمنزلہ افعال خداوندی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ پوری کائنات پر رحمتِ خداوندی پھیلی ہوئی ہے، انسان ہوں یا حیوان، نباتات ہوں یا جمادات، عالم بالا کی مخلوق ہوں یا عالم سفلی کی، یہ سب مخلوق رحمتِ خداوندی کا مظہر ہے۔الغرض جس طرح سورج کی دھوپ کو سورج کے ساتھ تعلق ہے یونہی اس کائنات پر پھیلی ہوئی رحمت کو بھی حق تعالیٰ سے تعلق ہے اسی رحمت کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان اور رحیم ہے۔

مخلوق میں کام اسم کے بجائے مسمّی سے ہوتا ہے

مخلوق میں کام اسم کے بجائے مسمّی سے ہوتا ہے۔اس لئے کوئی دنیا کے بادشاہ کا سارا دن وظیفہ پڑھتا رہے تو کام نہیں ہوگا، اس لئے کہ ممکنات میں اسماء کا ورد غیر مؤثر ہے مگر ذات باری تعالیٰ میں اسماء مؤثر ہیں۔جیسے قرآن میں ہے: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ۔

تکوینیات اور تشریعیات میں اللہ کی رحمت کا غلبہ

تسمیہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک اسم جلالی اور دو اسم جمالی ہیں۔تکوینیات میں اللہ کی رحمت کا غلبہ اس طور پر ہے کہ دنیا کی تمام نعمتوں سے دوست و دشمن سب فائدہ اٹھا رہے ہیں، دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے استفادہ صرف ایمان والوں کے ساتھ مختص نہیں ہے، بلکہ غیر مسلموں کو دنیا کی نعمتیں ایمان والوں سے کہیں زیادہ دیں، تو تکوینیات میں اللہ کی نعمتوں

Marfat.com

سے استفادہ خاص وعام سب ہی اٹھا رہے ہیں۔اسی طرح تشریعیات میں اللہ کی رحمت کا غلبہ ہے، اگر ایک شخص سو سال کے بعد بھی مسلمان ہو تو اسلام لانے کی بدولت اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ایک نماز سے دوسری نماز تک، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک، ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک، جو گناہ صغیرہ درمیان میں صادر ہو جائیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف فرماتے ہیں۔گویا تکوینیات اور تشریعیات دونوں میں اللہ کی رحمت کا غلبہ ہے۔

پچیسویں بحث: اسماءِ باری تعالیٰ میں اعتبار غایات کا ہوتا ہے نہ کہ مبادی کا

سوال: رحمت کا معنی رقتِ قلب اور غضب کا معنی ''ثوران النفس'' ہے اللہ تعالیٰ تو جسم اور اس کے لوازمات سے پاک ہے۔اب ان معانی کے نسبت اگر ذات باری تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے کیا مراد ہوگا؟

جواب: ذات باری تعالیٰ پر جن الفاظ کا اطلاق کرنا اگر ان کے حقیقی معنی کے اعتبار سے درست نہ ہو تو وہاں ان الفاظ کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر ان کی غایات اور آثار کے اعتبار سے ہوگا جو ازقبیلِ تاثیر ہیں، ان اسباب ومبادی کے اعتبار سے نہیں جو ازقبیلِ انفعال ہیں۔مثلاً لفظِ رحمت اس کے معنی رقتِ قلب کے ہیں یہ مبدأ اور سبب ہے، مگر اس کا اثر انعام اور احسان ہے، مبدأ تو ازقبیلِ انفعال ہے اور اثر ازقبیلِ تاثیر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ رحمت کا معنی رقتِ قلب ہے جو مبدأ ہے یہ مراد نہیں بلکہ منتہی یعنی احسان کرنا مراد ہے، اسی طرح ثوران النفس مبدأ مراد نہیں بلکہ غایت یعنی انتقام لینا مراد ہے۔

۱......علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کے متعلق لفظ غضب سنو تو اسے اعراض کی انتہاء (یعنی انتقام) پر محمول کرو نہ کہ اعراض

Marfat.com

کی ابتداء (یعنی نفس کا جوش مارنا):

فإذا سمعت الغضب في حق الله تعالى فاحمله على نهايات الأعراض لا على بدايات الأعراض۔ (۱)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ اسمائے باری تعالیٰ کو غایات کے اعتبار سے لیا جائے گا جو افعال ہیں نہ کہ مبادی جو کہ انفعالات ہیں:

أسماء الله تعالى إنما تؤخذ باعتبار الغايات التي هي أفعال دون المبادي التي تكون انفعالات۔ (۲)

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ اسمائے باری تعالیٰ کو غایات کے اعتبار سے لیا جائے گا جو افعال ہیں نہ کہ مبادی جو کہ انفعالات ہیں:

أسماء الله تعالى تؤخذ باعتبار الغايات التي هي أفعال دون المبادي التي هي انفعالات۔ (۳)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ اسمائے باری تعالیٰ کو غایات کے اعتبار سے لیا جائے گا جو افعال ہیں نہ کہ مبادی جو کہ انفعالات ہیں:

أسماء الله تعالى إنما تؤخذ باعتبار الغايات دون المبادي فإنها انفعالات۔ (۴)

---

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الثامن، ج۱ ص۱۴۱

(۲) التفسير البيضاوي: البسملة، ج۱ ص۲۹

(۳) تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۸

(۴) التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۴

Marfat.com

چھبیسویں بحث: لفظِ رحمت قرآن کریم میں انیس (۱۹) معانی میں استعمال ہوا ہے

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروزآبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظِ رحمت قرآن کریم میں انیس (۱۹) معانی میں استعمال ہوا ہے

۱..... نزولِ قرآن کے مشہور اور مقصود کو بتلانے کے لئے۔

۲..... تمام رسولوں کے سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان والوں کے لئے رحمت کہا گیا۔

۳..... نیک کام کرنے کی توفیق اور احسان کرنے کے معنی میں۔

۴..... رسولوں کی نبوت کے معنی میں۔

۵..... اسلام اور ایمان کے معنی میں۔

۶..... پہچان کی نعمت۔

۷..... گناہوں سے بچنا۔

۸..... انسانوں اور حیوانوں کا رزق۔

۹..... آزمائش اور امتحان سے عافیت۔

۱۰..... آگ کے عذاب سے نجات دینا۔

۱۱..... دشمن کے مقابلے میں مدد۔

۱۲..... اہل ایمان کے درمیان الفت اور موافقت۔

۱۳..... وہ کتاب (یعنی تورات) جو موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

۱۴..... ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی تعریف۔

۱۵..... زکریا علیہ السلام کی دُعا کا قبول ہونا۔

۱۶..... نافرمانوں کے لئے معافی۔

Marfat.com

۱۷.....رحمت کے دروازوں کا کھلنا۔

۱۸.....جنت سلامتی اور امن کی جگہ ہے۔

۱۹.....رحمٰن کے لئے بطور صفتِ رحمت کے استعمال ہونا۔

الأول: بمعنى منشور القرآن: وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (بني اسرائيل: ۸۲)

الثاني: بمعنى سيّد الرسل: وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الأنبياء: ۱۰۷)

الثالث: بمعنى توفيق الطّاعة والإحسان: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (آل عمران: ۱۵۹)

الرّابع: بمعنى نبوّة المرسلين: اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (الزخرف: ۳۲)

الخامس: بمعنى الإسلام و الإيمان: يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران: ۷۴)

السّادس: بمعنى نعمة العِرفان: وَ اٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ أى معرفة۔ (هود: ۲۸)

السّابع: بمعنى العصمة من العصيان: اِلَّا مَنْ رَّحِمَ (هود: ۴۳)

الثامن: بمعنى أرزاق الإنسان والحيوان: لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ (الإسراء: ۱۰۰)

التاسع: بمعنى العافية من الا بتلاء و الامتحان: اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ (الزمر: ۳۸)

العاشر: بمعنى النجاة من عذاب النيران: وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ (النور: ۱۴)

Marfat.com

الحادی عشر: بمعنی النُصْرَةِ علی أهل العدوان: اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً (الأحزاب:۱۷)

الثانی عشر: بمعنی الألفة والموافقة بین أهل الإیمان: وَ جَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً (الحدید:۲۷)

الثالث عشر: بمعنی الکتاب المنزل علی موسی بن عمران: وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً (هود:۱۷)

الرابع عشر: بمعنی الثناء علی إبراهیم والولدان: رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ (هود:۷۳)

الخامس عشر: بمعنی إجابة دعوة زکریا: ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِیَّاۚ (مریم)

السادس عشر: بمعنی العفو عن ذوی العصیان: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر:۵۳)

السابع عشر: بمعنی فتح أبواب الرَّوح: مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا (فاطر:۲)

الثامن عشر: بمعنی الجنّةِ دار السّلام والأمان: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (الأعراف)

التاسع عشر: بمعنی صفة الرّحیم الرحمان: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الأنعام:۵۴) (۱)

رحیم درحقیقت اللہ ہی کی ذات ہے

رحیم ذات حقیقت میں اللہ کی ہے دنیا میں کوئی شخص بھی اگر دوسرے کے ساتھ احسان کرتا ہے تو کسی عوض کی وجہ سے کرتا ہے۔

---

(۱) بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز: الباب الحادی عشر، ج۳ ص۵۵تا۵۸

Marfat.com

عوض کی دو قسمیں ہیں

۱......جسمانی، ۲......روحانی

جسمانی: جیسے دنیا میں کوئی شخص دوسرے کو مال دیتا ہے تا کہ اس کے عوض اس سے کوئی چیز خریدے۔

روحانی کی چھ قسمیں ہیں:

۱......کوئی شخص دوسرے کو مال اس لئے دیتا ہے تا کہ اس کے عوض اس شخص سے خدمت حاصل کرے۔

۲......کسی شخص کے ساتھ مالی تعاون اس لئے کرتا ہے تا کہ اس کے عوض وہ اپنے جملہ امور کی ادائیگی میں اس سے مدد طلب کرے۔

۳......کسی کے ساتھ مالی تعاون اس لئے کرتا ہے تا کہ وہ اس کی تعریف کرے کہ فلاں شخص کتنا سخی ہے۔

۴......کسی کے ساتھ احسان اس لئے کرتا ہے تا کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو بہترین بدلہ عطا فرمائیں۔

۵......کوئی شخص دوسرے کے ساتھ تعاون اس لئے کرتا ہے تا کہ دل سے مال کی محبت ختم ہو جائے۔

۶......کسی کے ساتھ احسان اس لئے کرتا ہے تا کہ رِقّتِ جنسیت کو زائل کرے۔

رقتِ جنسیت اس رقت کو کہتے ہیں جو اپنے ہم جنس کو پریشان حال دیکھ کر عارض ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے انسان مضطرب و پریشان ہوتا ہے، اس کیفیت کے عارض ہونے کے بعد اگر مال دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اضطراب کو ختم کرنے کے لئے دے رہا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ منعم حقیقی حقیقت میں اللہ ہی کی ذات ہے بندہ انعام کرنے میں صرف واسطہ ہے کیونکہ خود نعمتوں کو پیدا کرنا، ان کو وجود میں لانا، ان کو مستحقین تک پہنچانے میں قدرت عطا کرنا اور دل میں داعیہ اور شوق پیدا کرنا جو بندے کو ایثارِ نعمت پر ابھار رہا ہے، یہ

Marfat.com

سب اللہ کی طرف سے ہے تو منعم حقیقی بھی اللہ ہی کی ذات ہے۔

چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

فإن قيل: فهل لغير الله رحمة أم لا؟ قلنا: الحق أن الرحمة ليست إلا لله، فكل أحد غير الله فهو إنما يعطى ليأخذ عوضًا، إلا أن الأعواض أقسام: منها جسمانية مثل أن يعطى ديناراً ليأخذ شيئًا، ومنها روحانية وهي أقسام: فأحدها: أنه يعطى المال لطلب الخدمة، وثانيها: يعطى المال لطلب الإعانة، وثالثها: يعطى المال لطلب الثناء الجميل، ورابعها: يعطى المال لطلب الثواب الجزيل، وخامسها: يعطى المال ليزيل حب المال عن القلب، وسادسها: يعطى المال لدفع الرقة الجنسية عن قلبه، وكل هذه الأقسام أعواض روحانية۔ (۱)

ستائیسویں بحث: بسم اللہ کے گیارہ عمدہ خواص

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''احکام وخواص بسم اللہ'' میں تسمیہ کے گیارہ (۱۱) خواص نقل کیے ہیں۔

۱...... ہر مشکل اور حاجت کے لئے

جو شخص بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) مرتبہ اس طرح پڑھے کہ ہر ایک ہزار پورا کرنے کے بعد درود شریف کم از کم ایک مرتبہ پڑھے اور اپنے مقصد کے لئے دعا مانگے، پھر ایک ہزار اور اسی طرح پڑھے کہ مقصد کے لئے دعا کرے، اس طرح بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) پورا کرے تو ان شاء اللہ ہر مشکل آسان اور ہر حاجت پوری ہوگی۔

---

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب العاشر، ج۱ ص۱۵۱

Marfat.com

۲......بسم اللہ کو عددِ حروف کے موافق پڑھنا

بسم اللہ کے حروف کے عدد سات سو چھیاسی (۷۸۶) ہیں، جو شخص اس عدد کے موافق سات روز تک متواتر ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' پڑھا کرے اور اپنے مقصد کے لئے دعا کیا کرے تو ان شاء اللہ مقصد پورا ہوگا۔

۳......تسخیرِ قلوب

جو شخص ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کو چھ سو (۶۰۰) مرتبہ لکھ کر اپنے پاس رکھے تو لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت وعزت ہوگی کوئی اس سے بدسلوکی نہ کرے گا۔

۴......حفاظت از آفات

جو شخص محرم کی پہلی تاریخ کو ایک سو تیرہ (۱۱۳) مرتبہ مکمل ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کاغذ پر لکھ کر اپنے پاس رکھے گا ہر طرح کی آفات ومصائب سے محفوظ رہے گا مجرب ہے۔

۵......چوری اور شیطان سے حفاظت

سونے سے پہلے اکیس (۲۱) مرتبہ پڑھے تو چوری اور شیطانی اثرات سے اور اچانک موت سے محفوظ رہے گا۔

۶......ظالم پر غلبہ

کسی ظالم کے سامنے پچاس (۵۰) مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو مغلوب کر کے اس کو غالب کردیں گے۔ سات سو چھیاسی (۷۸۶) مرتبہ پانی پر دم کر کے جس کو پلائے اس کو گہری محبت ہو جائے گی (ناجائز کاموں میں استعمال کرے تو وبال کا خطرہ ہے)۔

۷......حفاظتِ اولاد

جس عورت کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کو اکسٹھ (۶۱) مرتبہ لکھ کر تعویذ بنا کر اپنے پاس رکھے تو بچے محفوظ رہیں گے۔ مجرب ہے۔

Marfat.com

۸......کھیتی کی حفاظت اور برکت کے لئے

ایک سو ایک (۱۰۱) مرتبہ کاغذ پر لکھ کر کھیت میں دفن کر دے تو کھیتی تمام آفات سے محفوظ رہے گی اور اس میں برکت ہوگی۔

۹......حُکّام کے لئے

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ '' کسی کاغذ پر پانچ سو (۵۰۰) مرتبہ لکھے اور اس پر ڈیڑھ سو (۱۵۰) مرتبہ ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ '' پڑھے پھر اس تعویذ کو اپنے پاس رکھے تو حکام مہربان ہو جائیں گے اور ظالم کے شر سے محفوظ رہے گا۔

۱۰......دردِ سر کے لئے

اکیس (۲۱) مرتبہ لکھ کر کے گلے میں یا سر پر باندھ دیں تو دردِ سر نہ ہوگا۔

۱۱......ذہن اور حافظہ کے لئے

سات سو چھیاسی ۷۸۶) مرتبہ پانی پر دم کر کے طلوعِ آفتاب کے وقت پیئے تو ذہن کھل جائے گا اور ان شاء اللہ حافظہ قوی ہوگا۔

اٹھائیسویں بحث: امام رازی رحمہ اللہ نے تسمیہ کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں

بسم اللہ ہر زہر کا تریاق

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیمار ہو گئے، بارگاہِ خداوندی میں اپنی کیفیت بیان کی، ارشاد ہوا فلاں بوٹی کھالو آرام آ جائیگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جنگل سے وہ بوٹی توڑ کر کھالی آرام آ گیا، کچھ عرصہ بعد پھر آپ کو وہی بیماری لاحق ہوئی آپ سیدھے جنگل گئے اور وہی بوٹی توڑ کر کھالی مگر افاقہ ہونے کے بجائے مرض نے اور شدت اختیار کر لی۔ آپ

Marfat.com

بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا اللہ! پہلی مرتبہ اس دوا سے شفا حاصل ہوئی تھی لیکن اس دفعہ مرض اور بڑھ گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ تم ہماری طرف سے بوٹی کی طرف گئے تھے اس لئے شفاء حاصل ہوگئی، دوسری مرتبہ تم خود ہی اس کی طرف چلے گئے اس لئے بیماری شدید ہوگئی، کیا تم نہیں جانتے ساری دنیا زہرِ قاتل ہے اور اس کا تریاق صرف ہمارا نام ہے۔ (۱)

فرعون کا دعویٰ الوہیت سے پہلے کا واقعہ

۱......امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦ھ) نے واقعہ نقل کیا کہ فرعون نے الوہیت کا دعویٰ کرنے سے پہلے ایک محل بنوایا اور اس کے دروازے پر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھوایا، جب فرعون نے ربوبیت کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا، موسیٰ علیہ السلام نے مسلسل ان کو دعوت دی لیکن اس پر ہدایت کے کوئی آثار نظر نہیں آئے، تو موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، اے اللہ! میں نے کئی مرتبہ اس کو دعوت دی لیکن میں اس میں کوئی بھلائی نہیں دیکھتا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! تو اس کے کفر کی طرف دیکھ کر کہتا ہے میں اس کو ہلاک کروں لیکن میں اس کی طرف دیکھ کر رک جاتا ہوں جو اس نے اپنے دروازے پر لکھوایا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو تسمیہ کو دروازے پر لکھوائے تو وہ ہلاکت سے محفوظ ہو جاتا ہے اگر چہ وہ کافر ہو، تو اس شخص کا کیا کہنا جس نے اس کلمے کو شروع عمر سے آخری عمر تک اپنے دل پر لکھا ہو:

روی أن فرعون قبل أن يدعي الإلهية بنى قصرًا وأمر أن يكتب بسم الله على بابه الخارج، فلما ادعى الإلهية وأرسل إليه موسى عليه السلام ودعاه فلم يرَ به أثر الرشد قال: إلهي كم أدعوه ولا أرى به

---

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج۱ ص۱۵۲

Marfat.com

خيرًا، فقال تعالى: يا موسى! لعلك تريد إهلاكه، أنت تنظر إلى كفره وأنا أنظر إلى ما كتبه على بابه، والنكتة أن من كتب هذه الكلمة على بابه الخارج صار آمنًا من الهلاك وإن كان كافرًا فالذى كتبه على سويداء قلبه من أول عمره إلى آخره كيف يكون حاله؟ (۱)

قومِ نوح کی نجات کا ایک سبب

۲......حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہوئے تو فرمایا:

''بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا'' تو اس نصف کلمہ کے پڑھنے کی وجہ سے اللہ نے ان کو اور ان کی قوم کو نجات دی، پس وہ شخص جو ساری عمر اس کلمے کو پڑھے وہ نجات سے کیسے محروم رہ سکتا ہے؟

أن نوحًا عليه السلام لما ركب السفينة قال: بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا فوجد النجاة بنصف هذه الكلمة، فمن واظب على هذه الكلمة طول عمره كيف يبقى محرومًا عن النجاة؟ (۲)

قیصرِ روم کا واقعہ

۳......قیصرِ روم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ میرے سر میں ہمیشہ درد رہتا ہے تو آپ میرے لئے کوئی دوا بھیجیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو طرف ایک ٹوپی بھیجی، اب قیصرِ روم جب اس ٹوپی کو اپنے سر پر رکھتا تو درد بالکل ختم ہو جاتا اور جب ٹوپی اتارتا تو پھر سر میں درد ہونے لگتا، تو اسے بڑا تعجب ہوا تو اس نے ٹوپی کو پھاڑا تو دیکھا اندر ایک کاغذ ہے جس پر ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' لکھا ہوا ہے:

---

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثانى، الباب الحادى عشر، ج۱ ص۱۵۲

(۲) التفسير الكبير: الكتاب الثانى، الباب الحادى عشر، ج۱ ص۱۵۳

Marfat.com

كتب قيصر إلى عمر رضي الله عنه أن بي صُداعًا لا يسكن فابعث لي دواء، فبعث إليه عمر قلنسوة فكان إذا وضعها على رأسه يسكن صداعه، وإذا رفعها عن رأسه عاوده الصداع، فعجب منه ففتش القلنسوة فإذا فيها كاغذ مكتوب فيه: بسم الله الرحمن الرحيم۔ (۱)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ

۴......ایک مجوسی نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ہمیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں اس مذہب کی حقانیت پر ہمیں کوئی نشانی بتائیں تاکہ ہم وہ دیکھ کر مسلمان ہوجائیں، تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے زہر منگوایا اور ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھ کر اس کو کھایا تو اللہ کے فضل وکرم سے زہر کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، تو یہ دیکھ کر وہ مجوسی پکار اٹھا کہ یہ دین برحق ہے:

طلب بعضهم آية من خالد بن الوليد فقال: إنك تدعى الإسلام فأرنا آية لنسلم، فقال: ائتوني بالسم القاتل، فأتي بطاس من السم، فأخذها بيده وقال: بسم الله الرحمن الرحيم، وأكل الكل وقام سالمًا بإذن الله تعالى، فقال المجوس هذا دين حق۔ (۲)

بیٹے کے تسمیہ پڑھنے سے عذاب میں مبتلا والد کی بخشش کا واقعہ

۵......حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبر کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ عذاب کے فرشتے اس قبر والے کو سزا دے رہے ہیں، جب وہ واپس لوٹے تو کیا دیکھا کہ رحمت کے فرشتے آئے ہوئے ہیں اور ان کے پاس نور کے طاقچے ہیں، تو انہیں بڑا تعجب ہوا کہ پہلے کچھ دیر پہلے عذاب ہو رہا تھا اور اب یہ رحمت کا معاملہ، تو آخر انہوں نے اللہ سے دعا کی تو

---

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج۱ ص۱۵۵

(۲) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج۱ ص۱۵۵

Marfat.com

اللہ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ! یہ شخص گناہ گار تھا اور اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں گرفتار تھا، اس کی اہلیہ حاملہ تھی ان کے ہاں لڑکے کی پیدائش ہوئی تو ان کی اہلیہ نے اس کی پرورش کی یہاں تک کہ بڑا ہوا تو اس کو تعلیم کے لئے بھیجا، اب جب اس بچے نے ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ '' پڑھا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مجھے شرم آئی اس بات پر کہ میں اس کے والد کو زمین کے نیچے سزا دوں جب کہ اس کا بیٹا زمین پر میرا نام لے، تو بیٹے کے تسمیہ پڑھنے سے باپ کی بخشش ہوگئی:

مر عيسى بن مريم عليه السلام على قبر فرأى ملائكة العذاب يعذبون ميتاً، فلما انصرف من حاجته مر على القبر فرأى ملائكة الرحمة معهم أطباق من نور، فتعجب من ذلك، فصلى ودعا الله تعالى فأوحى الله تعالى إليه: يا عيسى! كان هذا العبد عاصيًا ومن مات كان محبوسًا في عذابي، وكان قد ترك امرأة حبلى فولدت ولدًا وربته حتى كبر، فسلمته إلى الكتاب فلقنه المعلم بسم الله الرحمن الرحيم، فاستحيت من عبدي أن أعذبه بناري في بطن الأرض وولده يذكر اسمي على وجه الأرض۔ (۱)

علامہ ابن عادل حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۸۸۰ھ) نے بھی آخری تینوں واقعات کو نقل کیا ہے، دیکھئے:

(اللباب في علوم الكتاب: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۴۴، ۱۴۵)

حضرت بشر بن حارث المعروف بشر حافی رحمہ اللہ کا واقعہ

علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ (متوفی ۵۷۱ھ) نقل کرتے ہیں کہ آپ کی توبہ کا سبب یہ واقعہ بنا:

---

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج۱ ص۱۵۵

Marfat.com

آپ ایک مرتبہ راستے سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ زمین پر ایک کاغذ پڑا ہوا ہے جو بے احتیاطی میں روندا جا رہا ہے جبکہ اس میں ذاتِ باری تعالیٰ کا اسم گرامی موجود ہے، تو انہوں نے اس کو اٹھایا اور ایک درہم کی عمدہ خوشبو خریدی، کاغذ سے گرد و غبار ہٹا کر اس پر خوشبو لگائی، پھر اس کو اونچی جگہ پر نہایت احترام کے ساتھ رکھا۔ پس رات کو جب سوئے تو خواب میں دیکھا کہ کوئی یہ کہہ رہا ہے اے بشر! جس طرح تو نے میرے نام کو احترام کر کے خوشبو لگائی ہم بھی تیرے نام کو دنیا و آخرت میں اسی طرح خوشبودار بنائیں گے، چنانچہ آج بھی اولیاء اللہ کا نام آتا ہے تو حضرت بشر حافی رحمہ اللہ کا نام ان میں نمایاں ہوتا ہے:

وكان كبير الشأن وكان سبب توبته أنه أصاب في الطريق كاغذة مكتوبا عليها اسم الله وطئتها الأقدام فأخذها واشترى بدرهم كان معه غالية فطيب بها الكاغذة وجعلها في شق حائط فرأى فيما يرى النائم كأن قائلا قال له يا بشر طبت اسمي لأطيبن اسمك في الدنيا والآخرة۔ (۱)

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ٦٠٦) نے بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت بشر حافی رحمہ اللہ نے ایک کاغذ زمین پر پڑا ہوا دیکھا اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی تھی، پس آپ نے اٹھایا اور مُشک کی خوشبو سے اُسے معطر کر کے اونچی جگہ پر رکھ دیا، پس خواب میں دیکھا کوئی قائل یہ کہہ رہا تھا: اے بشر! تم نے ہمارے نام کو معطر کیا، ہم بھی تمہارے نام کو دنیا اور آخرت میں خوشبودار کریں گے:

رأى بشر الحافي كاغذاً مكتوباً فيه: بسم الله الرحمن الرحيم فرفعه وطيبه بالمسك فرأى في النوم قائلاً يقول: يا بشر طبت اسمنا فنحن نطيب اسمك في الدنيا والآخرة۔ (۲)

---

(۱) تاريخ مدينة دمشق: حرف الباء، ترجمة: بشر بن الحارث بن عبد الرحمن، ج۱۰ ص ۱۸۱

(۲) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج۱ ص۱۵۵

Marfat.com

سورہ توبہ اور جانور کے ذبح کرتے وقت تسمیہ نہ پڑھنے کی حکمت

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ سورہ توبہ مشتمل ہے ان مضامین پر جن میں قتال کا حکم دیا گیا ہے اس لئے اس کے شروع میں تسمیہ نہیں لکھا گیا۔ نیز سنت یہ ہے کہ بوقتِ ذبح "بسم اللّٰہ و اللّٰہ أکبر" کہا جائے، مکمل "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" نہ پڑھا جائے اس لئے کہ قتال اور جانور کے ذبح کرتے وقت "الرحمن الرحیم" نہ پڑھنا مناسب ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو فرض نمازوں میں تسمیہ کے سترہ (۱۷) مرتبہ پڑھنے کی توفیق دی تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ نے ہم کو قتل اور عذاب کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے فضل واحسان کے لئے پیدا کیا ہے:

لما كانت سورة التوبة مشتملة على الأمر بالقتال لم يكتب في أولها بسم اللّٰه الرحمن الرحيم وأيضاً السنة أن يقال عند الذبح باسم اللّٰه واللّٰه أكبر ولا يقال: بسم اللّٰه الرحمن الرحيم لأن وقت القتال والقتل لا يليق به ذكر الرحمن الرحيم، فلما وفقك لذكر هذه الكلمة في كل يوم سبع عشرة مرة في الصلوات المفروضة دل ذلك على أنه ما خلقك للقتل والعذاب، وإنما خلقك للرحمة والفضل والإحسان۔[1]

تسمیہ میں انیس (۱۹) حروف ذکر کرنے کی دو حکمتیں

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ جہنم پر انیس (۱۹) فرشتے مقرر ہیں اور تسمیہ میں بھی انیس (۱۹) حروف ہیں، جو ان کے پڑھنے کا اہتمام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے فرشتوں سے محفوظ رکھے گا۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ دن اور رات میں کل چوبیس (۲۴) گھنٹے ہوتے ہیں، اور ان میں پانچ نمازیں فرض ہیں، اب باقی انیس (۱۹)

---

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج۱ ص۱۵۶

Marfat.com

گھنٹے رہ گئے، اب جو تسمیہ کے حروف پڑھنے کا اہتمام کرے گا تو یہ کفارہ ہو جائیں گے ان گناہوں کے جو انیس (۱۹) گھنٹوں میں صادر ہوئے ہیں:

قیل بسم الله الرحمن الرحيم تسعة عشر حرفًا، وفيه فائدتان: إحداهما: أن الزبانية تسعة عشر، فالله تعالى يدفع بأسهم بهذه الحروف التسعة عشر، الثانية: خلق الله تعالى الليل والنهار أربعة وعشرين ساعة، ثم فرض خمس صلوات في خمس ساعات فهذه الحروف التسعة عشر تقع كفارات للذنوب التي تقع في تلك الساعات التسعة عشر۔ (۱)

انتیسویں بحث: تسمیہ میں بلاغت کے عمدہ نکات

۱....الإيجاز بإضافة العام إلى الخاص في قوله بسم الله۔

۲....الاستعارة المكنية التبعية إذا جعلنا الباء للاستعانة لتشبيهها بارتباط يحصل بين المستعين والمستعان به ولذا جعل الباء للإلصاق يكون في الكلام مجاز مرسل علاقة المحلية نحو مررت بزيد أي الصقت مروري بمكان يقرب إلى زيد لا بزيد لفظ۔ (۲)

تیسویں بحث: تسمیہ کی ترکیب نحوی

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" میں حرف باء جار ہے، "اسم" مجرور اور مضاف، لفظ "الله" مضاف الیہ اور موصوف ہے، لفظ "الرحمن الرحیم" دونوں یکے بعد دیگرے لفظ اللہ کی صفات ہیں۔ موصوف "الله" اپنی دونوں صفات "الرحمن" اور "الرحیم"

---

(۱) التفسير الكبير: الكتاب الثاني، الباب الحادي عشر، ج۱ ص۱۵۶

(۲) حدائق الروح والريحان: مباحث البسملة، البحث السادس، ج۱ ص۳۷

Marfat.com

کے ساتھ مل کر" اسم " کا مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر جار یعنی حرف باء کا مجرور بن گیا۔ اب اس حرف باء (جار) کا متعلق ہے جو فعل محذوف ہے۔ وہ یہاں "أَشْرَعُ، أَبْدَأُ" یا "أَقْرَأُ" وغیرہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ جار و مجرور اور فعل محذوف جس میں فاعل بھی ہے۔ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اس کی دوسری صورت یہ بھی ہے کہ یہاں فعل محذوف صیغہ امر "اِبْدَأْ" یا "اِقْرَأْ" کو مانا جائے، اس طرح تسمیہ، جملہ فعلیہ انشائیہ قرار پائے گا۔

پہلی بحث: سورہ فاتحہ مکی ہے یا مدنی؟

سورۂ فاتحہ کا زمانۂ نزول

سورۂ فاتحہ کا زمانۂ نزول کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

۱.....یہ مکی دور میں نازل ہوئی۔

۲.....یہ مدنی دور میں نازل ہوئی۔

۳.....یہ دو مرتبہ نازل ہوئی، پہلے مکی دور میں اور دوسری مرتبہ مدنی دور میں۔

سورۂ فاتحہ کا مکی ہونا مذہب مختار ہے، احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کے علاوہ خود قرآنِ کریم اس امر کی تائید کرتا ہے، سورۂ حجر بالاتفاق مکی سورت ہے، اس میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ (الحجر)

اور بے شک ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں (یعنی سورہ فاتحہ) اور بڑی عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔

"سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ" سے مراد متفقہ طور پر سورۂ فاتحہ ہے کیونکہ یہ سات آیتوں پر مشتمل ہے اور یہی وہ سورت ہے جو بار بار نماز میں دہرائی جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ یہ نام اسی سورت کا بیان فرمایا، گویا آیتِ مذکورہ میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو سورۂ فاتحہ عطا کی ہے، چنانچہ سورۂ حجر کی یہ آیت جو مکہ میں نازل ہوئی، اس

Marfat.com

بات کی قطعی شہادت مہیا کر رہی ہے کہ سورۂ فاتحہ اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ بایں وجہ اس سورت کا مکی ہونا ہی قولِ صحیح ہے۔

امام ثعلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اکثر علماء کا اتفاق اسی قول پر ہے، امام واحدی رحمہ اللہ نے "أسباب النزول" میں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "الإتقان فی علوم القرآن" میں اسی امر کی تائید کی ہے، امام ابن جریر طبری، حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ اور اکثر متقدمین ومتاخرین کا بھی یہی مذہب ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام ابو العالیہ، قتادہ، ابو میسرہ رحمہم اللہ اور دیگر صحابہ وتابعین بھی اسی موقف کے قائل ہیں۔

بعض علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ مدنی ہے، امام مجاہد، امام عطاء بن یسار اور امام زہری رحمہم اللہ سے یہ رائے منقول ہے، دیکھئے تفصیلاً:

(الإتقان فی علوم القرآن: النوع الأول، ج ۱ ص ۴۶)

بعض علماء نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ سورۂ فاتحہ دو مرتبہ نازل ہوئی، پہلی بار مکہ میں اور دوسری بار مدینہ میں، جب بیت المقدس کی جگہ خانۂ کعبہ کو قبلہ مقرر کیا گیا، اس قول سے مذکورہ بالا دونوں اقوال کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے:

وقیل مکیة ومدنیة لأنها نزلت بمکة مرة وبالمدینة أخری۔ (۱)

یہ بھی کہا گیا کہ سورۂ فاتحہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی کیونکہ یہ ایک بار مکہ میں اور دوسری بار مدینہ میں نازل ہوئی۔

اکثر علماء کے ہاں سورہ فاتحہ مکی ہے اور یہی قول صحیح ہے

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، قتادہ اور ابو عالیہ ریاحی جن کا نام رُفیع ہے

---

(۱) الکشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱

Marfat.com

اور بعض دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے۔ جب کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، مجاہد، عطاء بن یسار اور زہری رحمہم اللہ وغیرہم اس کے مدنی ہونے کے قائل ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آدھی سورت مکہ میں نازل ہوئی اور آدھی مدینہ میں، یہ قول ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ ان میں صحیح ترین پہلا قول ہے کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ: ''وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ''سورہ حجر میں ہے جس کے مکی ہونے پر اجماع ہے۔ دوسرے اس بات میں بھی اختلاف نہیں کہ نماز مکہ میں ہی فرض ہوگئی تھی اور یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ اسلام میں کبھی ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کے بغیر کوئی نماز پڑھی گئی ہو۔ اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل ارشاد گرامی بھی ہے:

لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔

یعنی سورۂ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں۔

پھر اس سے مراد نماز میں سورۂ فاتحہ کا حکم ہے نہ کہ نماز کی ابتداء کے بارے میں بتانا:

اختلفوا أهي مكية أم مدنية؟ فقال ابن عباس وقتادة وأبو العالية الرياحي واسمه رفيع وغيرهم: هي مكية، وقال أبو هريرة ومجاهد وعطاء بن يسار والزهري وغيرهم: هي مدنية، ويقال: نزل نصفها بمكة، ونصفها بالمدينة، حكاه أبو الليث نصر بن محمد بن إبراهيم السمرقندي في تفسيره، والأول أصح لقوله تعالى: ولقد آتيناك سبعا من المثاني والقرآن العظيم،والحجر مكية بإجماع، ولا خلاف أن فرض الصلاة كان بمكة، وما حفظ أنه كان في الإسلام قط صلاة بغير الحمد لله رب العالمين، يدل على هذا قوله عليه السلام: لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب۔ (۱)

---

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الثانی، ج۱ ص۱۵۴

Marfat.com

۲...... علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سورۂ فاتحہ کہاں نازل ہوئی ہے؟ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی ہے یہی قول صحیح ہے:

اختلف العلماء في موضع نزولها، فقيل: نزلت بمكّة وهو الصحيح۔ (۱)

۳...... علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سورۂ فاتحہ مکی ہے یا مدنی؟ اکثر اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ سورۂ فاتحہ مکی ہے، یہی قول حضرت علی، عبد اللہ بن عباس، قتادہ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

اختلف فيها فالأكثرون على انها مكية وهو المروى عن علي وإبن عباس وقتادة واكثر الصحابة۔ (۲)

۴...... علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک سورہ فاتحہ مکی ہے، اور یہ سورہ مدثر کے بعد نازل ہوئی:

سورة الفاتحة مكية نزلت بعد المدثر وهو قول أكثر العلماء۔ (۳)

امت کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ میں سات آیات ہیں

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ امت کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ میں سات آیات ہیں:

أجمعت الأمة على أن فاتحة الكتاب سبع آيات۔ (۴)

---

(۱) بصائر ذوي التمييز في لطائف الكتاب العزيز: الباب الأول، ج۱ ص۱۲۸

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۴۵

(۳) حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، ج۱ ص۴۳

(۴) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الثاني، ج۱ ص۱۵۳

Marfat.com

سورۂ فاتحہ کے امتیازات

امام ابن حصار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جو ان نصوص کے ہوتے ہوئے اس مسئلہ میں اختلاف کا ذکر کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی سورت نہ تورات میں نازل فرمائی، نہ انجیل میں نہ خود قرآن کریم میں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زبور وغیرہ دیگر کتابوں اور صحیفوں کے ذکر سے خاموشی اختیار فرمانا اس لئے ہے کہ جن کتابوں کا ذکر کیا وہ ان تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں سے افضل ہیں۔ جب کوئی چیز افضل سے بھی افضل ہو تو سب سے افضل قرار پاتی ہے۔ جیسے زید سارے علماء سے افضل ہے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام لوگوں سے افضل ہے۔

اور سورۂ فاتحہ میں ایسی صفات پائی جاتی ہیں جو دوسری سورتوں میں نہیں ہیں۔ ایک قول کے مطابق یہ پورے قرآن کا خلاصہ ہے، یہ پچیس الفاظ پر مشتمل ہے جو قرآن کریم کے سارے علوم کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ اس کی امتیازی شان یہ بھی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم فرمادیا ہے، اس کے بغیر نماز جیسی اہم عبادت صحیح نہیں ہوتی، نہ کوئی دوسرا عمل اس کے ثواب کو پہنچتا ہے، اس بناء پر اسے ام القرآن العظیم ہونے کا شرف حاصل ہے جیسا کہ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ۔

''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (۱)

یہ اس طرح کہ قرآن مجید تین طرح کے موضوعات توحید، احکام اور وعظ پر مشتمل ہے، اور پوری سورۂ اخلاص میں توحید ہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے جو ارشاد فرمایا اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ قرآن کی کونسی آیت عظیم ترین ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

---

(۱) صحیح مسلم : کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، ج۱ ص۵۵۶، رقم الحدیث: ۸۱۱

Marfat.com

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (البقرة:۲۵۵)

خدا وہ برحق ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ زندہ اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

یہ آیت بھی اس لئے عظیم ترین قرار پائی کہ یہ ساری کی ساری توحید پر مشتمل ہے۔ اسی مفہوم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے:

أَفْضَلُ مَا قُلْتُهُ أَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِي لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ۔ (۱)

سب سے افضل بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہی:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے)

یہ تمام اذکار میں سے بہترین ذکر ہے کیوں کہ اس کے الفاظ میں توحید کے سارے علوم سمائے ہوئے ہیں، اسی طرح سورۂ فاتحہ توحید، عبادت، اور وعظ ونصیحت پر مشتمل ہے۔ اتنے زیادہ علوم اتنی چھوٹی سورت میں سمو دینا اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔ (۲)

سورۂ فاتحہ کا کون سا حصہ رقیہ (دم) ہے؟

امام مہلب رحمہ اللہ کہتے ہیں: دم کرنے کے لئے ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' کے الفاظ ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ پوری سورت ہی دم ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب صحابی نے فاتحہ سے دم کرنے کے متعلق بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا: تمہیں کیسے پتہ چلا کہ دم ہے؟ یوں نہیں فرمایا کہ اس میں دم ہے۔ یہ اس بات کی دلیل

---

(۱) مصنف عبد الرزاق: کتاب المناسك، باب فضل أيام العشر، ج۴ ص۳۷۸، رقم الحديث:۸۱۲۵

(۲) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الأول، الثانية، ج۱ ص۱۱۰، ۱۱۱

Marfat.com

ہے کہ پوری سورت ہی دم ہے کیوں کہ یہ قرآن مجید کا افتتاح اور اس کی ابتداء ہے، اور تمام علوم پر مشتمل ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔[۱] واللہ اعلم

الحمد للہ میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف فرمائی جبکہ قرآن میں ''فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ'' کہہ کر اس سے روکا گیا؟

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے الحمد کہہ کر اپنی تعریف خود فرمائی اور اپنی کتاب کا آغاز بھی اپنی تعریف ہی سے کیا، حالانکہ دوسروں کو اپنی تعریف خود کرنے سے منع فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ﴿۳۲﴾ (النجم)

اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو وہی بہتر جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات کا حکم دیا کہ خوشامدیوں کے منہ میں مٹی ڈالو:

أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَحْثِيَ فِيْ وُجُوْهِ الْمَدَّاحِيْنَ التُّرَابَ۔[۲]

یوں ارشاد باری تعالیٰ: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے مخلوق سے پہلے ازل میں اپنی تعریف کی تو اس میں کوئی عیب نہ تھا، جب کہ مخلوق میری تعریف کرتی ہے تو اس میں مخلوق کی کمزوریاں شامل ہوتی ہیں۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں: اسی لئے اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں فرماتے کہ مخلوق اپنی تعریف خود کرے کیوں کہ اسے کمال تو دیا نہیں گیا اور

---

(۱) تفسیر القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الأول، الخامسة، ج۱ ص۱۱۳

(۲) صحيح مسلم: كتاب الزهد والرقائق، باب النهي عن المدح إذا كان فيه إفراط... إلخ، ج۴ ص۲۲۹۷، رقم الحديث: ۳۰۰۲

Marfat.com

اس کمزوری کی وجہ سے جب وہ اپنی تعریف خود کرے گی تو اس کے دل میں کسی نفع کا لالچ یا کسی نقصان سے بچنے کی خواہش ضرور ہوگی جب کہ باری تعالیٰ ان کمزوریوں سے پاک ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی حمد کا حق ادا کرنے سے قاصر پایا تو ازل میں اپنی تعریف خود کی اور بندوں کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے ان سے یہ بوجھ اتار دیا۔ ذرا دیکھئے تو سہی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے کس طرح فرمایا:

''لَا أُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ'' مجھ میں تیری تعریف کا حق ادا کرنے کی طاقت نہیں۔(۱)

شاعر کہتا ہے:

إِذَا نَحْنُ أَثْنَیْنَا عَلَیْكَ بِصَالِحٍ فَأَنْتَ كَمَا نُثْنِیْ وَفَوْقَ الَّذِیْ نُثْنِیْ

ہم جس قدر اچھے الفاظ میں آپ کی تعریف کریں، کوئی مبالغہ نہیں کیونکہ آپ ان تعریفوں کے بھی اہل ہیں جو ہم نے کی ہیں اور اس سے کہیں زیادہ مزید تعریفوں کے بھی لائق ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں ہی جانتے تھے کہ بندوں پر ان کی نعمتیں اتنی زیادہ ہوں گی کہ وہ ان کے شکر کا حق ادا کرنے سے قاصر رہیں گے، اسی لئے ان کی طرف سے اپنی حمد خود بیان فرمادی تاکہ بندوں سے احسان کا بوجھ اتر جائے اور وہ نعمتوں سے خوب لطف اندوز ہوں۔(۲)

علامہ ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۳ھ) نے اس کے تین جوابات ذکر کئے ہیں۔

۱......اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعریف کرنے کا طریقہ سکھلایا کہ ہم کس طرح اللہ کی حمد کریں اور ہمیں مکلّف بنایا اس بات کا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں، تو اللہ تعالیٰ نے خود

---

(۱) صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ، باب ما یقال فی الرکوع والسجود، ج۱ ص۳۵۲، رقم الحدیث:۴۸۶

(۲) تفسیر القرطبی: سورۃ الفاتحۃ، الباب الرابع، ج۱ ص۱۳۵

Marfat.com

اپنی تعریف فرما کر ہمیں تعریف کرنے کا طریقہ سکھلایا۔

۲......بعض علماء کے ہاں لفظ ''قـولـوا'' محذوف ہے تو گویا اللہ تعالیٰ خود اپنی تعریف نہیں فرمارہے بلکہ ہمیں اپنی تعریف کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔

۳......اپنی تعریف کرنے سے شریعت نے اس لئے منع کیا تا کہ انسان غرور اور تکبر میں مبتلا نہ ہو جائے جبکہ ذات باری تعالیٰ اس سے منزہ ہے:

الْأَوَّلُ: أَنَّهُ عَلَّمَنَا كَيْفَ نَحْمَدُهُ، وَكَلَّفَنَا حَمْدَهُ وَالثَّنَاءَ عَلَيْهِ، إِذْ لَمْ يَكُنْ لَنَا سَبِيلٌ إِلَيْهِ إِلَّا بِهِ، الثَّانِي: أَنَّهُ قَالَ بَعْضُ النَّاسِ مَعْنَاهُ: قُولُوا: الْحَمْدُ لِلّٰهِ، الثَّالِثُ: أَنَّ مَدْحَ النَّفْسِ إِنَّمَا نُهِيَ عَنْهُ لِمَا يُدْخِلُ عَلَيْهَا مِنَ الْعُجْبِ بِهَا۔ (۱)

سوال: بسم اللہ سے سورہ فاتحہ کے آخر تک یہ سب اللہ کا کلام ہے تو اب ذاتِ باری تعالیٰ خود اپنی تعریف فرمارہے ہیں، اور خود اپنی ذات سے دعا مانگ رہے ہیں، خود اپنی عبادت کررہے ہیں، خود اپنے نام سے مدد مانگ رہے ہیں، یہ چیزیں اللہ کے حق میں تو کیا بندوں کے حق میں بھی درست نہیں؟

جواب: یہ کلام اللہ کا بندوں کی زبانی ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی زبانی کہلوانا چاہتے ہیں، تو گویا اللہ تعالیٰ بلسان عبدہ یہ سب فرمارہے ہیں۔

اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے جیسے ایک جاہل شخص پڑھے لکھے آدمی سے خط لکھوائے تو جاہل بولتا ہے اور عالم لکھتا ہے، ''خیریت سے ہوں اور میری جانب سے تم کو سلام ہو'' اب یہ عالم بلسان جاہل لکھ رہا ہے، اور متکلم کے صیغے استعمال کررہا ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ بھی بلسان عبدہ فرمارہے ہیں۔ اب اس میں حکمت کیا ہے؟

تو حکمت یہ ہے کہ بندے اس بات کو جان لیں کہ کن الفاظ سے اللہ کے نام سے

(۱) أحكام القرآن: سورة الفاتحة، ج۱ ص۹

Marfat.com

برکت حاصل کی جائے؟ اور کن الفاظ سے اللہ کی نعمتوں پر حمد کی جائے؟ اور کس طرح اس کے فضل کا سوال کیا جائیگا؟ اس حکمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام بلسان عبدہ کہلوایا۔

۱......قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ یہ اور اس کے بعد سے لے کر سورت کے آخر تک یہ سب بندوں کی زبانی کہا گیا ہے تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کس طرح برکت حاصل کی جاتی ہے، اور اس کی نعمتوں پر کس طرح تعریف کی جاتی ہے، اور اس کے فضل کا کس طرح سوال کیا جائے:

وهذه وما بعده إلى آخر السورة مقول على ألسنة العباد ليعلموا كيف يتبرك باسمه، ويحمد على نعمه، ويُسأل من فضله۔ (۱)

۲......خطیب شربینی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ تسمیہ اور اس کے بعد سے لے کر سورت کے آخر تک یہ سب بندوں کی زبانی کہا گیا ہے تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کے نام کے ساتھ کس طرح تعریف کی جاتی ہے، اور اس کے فضل کا کس طرح سوال کیا جاتا ہے۔ (یا دوسرا جواب یہ ہے کہ) سورۂ فاتحہ کے شروع میں لفظ ''قولوا'' محذوف نکالیں گے، جیسے علامہ جلال الدین محلی رحمہ اللہ نے فرمایا:

والبسملة وما بعدها إلى آخر السورة مقول على ألسنة العباد ليعلموا كيف يتبرّك باسمه ويحمد على نعمه ويسئل من فضله ويقدر في أوّل الفاتحة قولوا كما قال الجلال المحلي۔ (۲)

دوسری بحث: سورہ فاتحہ کے اسماء کے بارے میں

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ اسماء کا کثیر ہونا مسمی کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے:

(۱) التفسير البيضاوي: البسملة، ج۱ ص۲۹ (۲) السراج المنير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵

Marfat.com

كثرة الأسماء تدل على شرف المسمى۔ (۱)

قرآنِ مجید کی تمام سورتوں میں سے سورۂ فاتحہ تعددِ اسماء کی بناء پر منفرد ہے، کیونکہ احادیث میں اس کے بہت سے نام وارد ہوئے ہیں، یہ بھی ایک طے شدہ امر ہے کہ اسماء کی کثرت مسمی کے شرف وکمال اور اوصاف وخصائص کی کثرت پر دلالت کرتی ہے، ذات باری تعالیٰ کی صفاتِ حسن وکمال بے شمار تھیں، اس لئے اس کے اسماء بھی حیطۂ شمار سے ماوراء ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وکمالات حق تعالیٰ کی مظہریت تامہ کی وجہ سے لاتعداد تھے، اس لئے آپ کے اسماء بھی بے شمار ہیں، خود قرآن حکیم کے متعدد اسماء اس کی بے شمار برکتوں اور فضیلتوں پر دلالت کرتے ہیں، لہٰذا جو شئ جس قدر ہمہ پہلو جامع اور ہمہ گیر ہوگی اس کی مختلف حیثیتوں اور شانوں کو اجاگر کرنے کے لئے اسی قدر نام بھی معرضِ ظہور میں آئیں گے۔

۱.....سورۂ فاتحہ: اس سورت کا سب سے معروف نام ''الفاتحہ'' ہے، جس سے ہر خاص وعام اسے پکارتا ہے، اس نام کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ اس سورت کے دیگر اسماء کو بھی جامع ہے اور کم وبیش اس کے تمام اوصاف وامتیازات کو محیط بھی ہے، اور اس کو فاتحہ اس لئے کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کا آغاز اسی سورت سے ہوتا ہے۔

۲.....فاتحۃ الکتاب۔ ۳.....فاتحۃ القرآن۔ ان ناموں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ سورت کتاب مجید کی افتتاحی سورت ہے اور اسی سے قرآن حکیم کا آغاز ہوا ہے، یہ نام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ ہیں، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب۔ (۲)

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الأول، ج۱ ص۱۵۶

(۲) سنن النسائي: كتاب الافتتاح، إيجاب قراءة الفاتحة، الكتاب في الصلاة، ج۲ ص۱۳۷، رقم الحديث:۹۱۰

Marfat.com

اس شخص کی نماز نہ ہوئی جس نے فاتحۃ الکتاب (یعنی سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی۔

اس سورت کا نام "فاتحة القرآن" یعنی قرآن کا افتتاح کرنے والی سورت اس لئے رکھا گیا کہ یہ ترتیبِ تدوینی میں سب سے پہلے ہے، قرآنِ کریم کا آغاز اسی سورت سے ہو رہا ہے تو یہ فاتحۃ القرآن ہے۔

۴.....اُم الکتاب۔ ۵.....اُم القرآن۔ یہ دونام بھی احادیث نبویہ سے ثابت ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحمد لله رب العلمين أم القرآن وأم الكتاب والسبع المثاني۔ (۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یعنی سورۂ فاتحہ) ام القرآن، ام الکتاب اور السبع المثانی ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا صلاة لمن لم يقرأ بأم القرآن۔ (۲)

اس شخص کی نماز نہ ہوئی جس نے فاتحۃ الکتاب (یعنی سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی۔

"اُم" عربی زبان میں اصل یعنی جڑ کو کہتے ہیں، کسی بھی درخت کی جڑ اس کی تمام تاثیرات اور خصائص وثمرات کا منبع ہوتی ہے، اس درخت کے جملہ فوائد اصلاً اس کی جڑ میں موجود ہوتے ہیں لیکن ان کا ظہور درخت کے تنے، شاخوں، پتوں، پھلوں اور پھولوں کے ذریعے ہوتا ہے، گویا درخت کی تمام خصوصیت کا اجمال اس کی جڑ میں ہوتا ہے اور درخت کے باقی تمام حصے اس اجمال کی تفصیل ہوتے ہیں، اسی طرح سورۂ فاتحہ کو خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اصل قرار دیا، جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ سورت شجرِ قرآن کی جڑ ہے، علوم قرآن کی تفصیلات کا اجمال ہے، کتابِ الٰہی کے جملہ معارف ومقاصد کا خلاصہ ہے اور تمام قرآنی تعلیمات کا منبع وسرچشمہ ہے، اسی لئے سورۂ فاتحہ کی جامعیت کے

---

(۱) سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب فاتحة الكتاب، ج۲ ص ۷۱، رقم الحديث: ۱۴۵۷/ مسند أحمد: ج۱۵ ص ۴۹۱

(۲) مسند أحمد: ج۳۷ ص۴۰۷، رقم الحديث: ۲۲۷۴۳

Marfat.com

ضمن میں یہ فرمایا گیا ہے:

كل العلوم مندرج في الكتب الأربعة وعلومها في القرآن وعلوم القرآن في الفاتحة۔[1]

تمام علوم و معارفِ کائنات چار الہامی کتابوں میں درج کیے گئے اور ان کے تمام علوم قرآن میں جمع کر دیئے گئے اور تمام علومِ قرآن سورۂ فاتحہ میں مجتمع کر دیئے گئے ہیں۔

چنانچہ سورۂ فاتحہ کو اُم الکتاب یا ام القرآن کے نام سے تعبیر کیا جانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سورت قرآن کی سب سے پہلی سورت بھی ہے، تعلیمات و مطالبِ قرآنی کے اعتبار سے مرکزی سورت بھی ہے اور علوم و معارفِ ربانی کے لحاظ سے جامع بھی۔

۶.....سورۂ کنز: سورۂ فاتحہ کے اسماء مبارکہ میں سے ایک نام سورۂ کنز بھی ہے، کنز خزانے کو کہتے ہیں، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ سورت جملہ علوم و ہدایات، معانی و معارف اور اسرار و رموز کا خزانہ ہے۔ یہ ایک ایسا خزانہ ہے جس سے سوائے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کو نہیں نوازا گیا۔ امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود، امام نسائی، امام ابن ماجہ رحمہم اللہ اور دیگر ائمہ نے متعدد طُرق سے حضرت اُبی بن کعب اور حضرت ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہما سے یہ صحیح حدیث روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، دریں اثناء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، میں نے کوئی جواب نہ دیا، آپ نے پھر پکارا تو میں نے نماز ہلکی کر دی اور جلدی سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تک کس کام میں مصروف تھے، تم نے مجھے جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضور میں نماز میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تم نے نہیں سنا:

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب السابع، ج ۱ ص ۹۸

Marfat.com

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الأنفال:۲۴)

اے ایمان والو! جب (بھی) رسول تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں جو تمہیں (جاودانی) زندگی عطا کرتا ہے تو اللہ اور رسول کو فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! خطا ہوئی ہے، آئندہ ایسا نہ کروں گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا سنو! میں تمہیں ایک ایسی سورت بتاتا ہوں، جس کی مثل تورات، زبور، انجیل اور قرآن کریم میں بھی نہیں ہے، حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

والذی نفسی بیدہ! ما أُنزِلَت فی التوراۃ ولا فی الإنجیل ولا فی الزبور ولا فی الفرقان مثلھا۔[1]

اللہ کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالی نے اس سورت کی مثل تورات، انجیل، زبور اور خود قرآن میں بھی نازل نہیں فرمائی۔

اس کے بعد فرمایا: اور وہ قرآن میں بھی سب سے بڑی ہے، پھر میرا ہاتھ پکڑے ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدہ یاد دلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ میں نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" آخر تک پڑھ کر سنائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی سورت ہے جو سبع مثانی ہے اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا۔ اس طرح اس سورت کا باری تعالی کے خصوصی خزانوں میں سے عظیم خزانہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۷..... سورۂ نور: یہ نام بھی احادیث نبوی سے ثابت ہے، ایک مرتبہ حضرت جبرئیل

---

(۱) سنن الترمذی: ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضائل فاتحة الکتاب، ج۵ ص۱۵۵، رقم:۲۸۷۵

Marfat.com

علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اوپر سے ایک زوردار آواز آئی، جبرئیل امین علیہ السلام نے اوپر دیکھ کر فرمایا: آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو پہلے کبھی نہیں کھلا تھا، پھر وہاں سے ایک فرشتہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! خوش ہوجایئے:

ابشر بنورين أوتيتهما لم يوتهما نبى قبلك فاتحة الكتاب وخواتيم سورة البقرة لن تقرأ حرفا منها إلا أعطيته۔ (۱)

آپ کو دونور ایسے عطا کئے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے تھے، ایک سورۂ فاتحہ اور دوسرا سورۂ بقرہ کی آخری آیات۔ ان میں سے جو جو حرف آپ پڑھیں گے آپ کو نور میسر آئے گا۔

۸.....السبع المثانی: اس کا معنی ہے دہرائی جانے والی یا بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں۔

سورۂ فاتحہ کا یہ نام خود قرآن میں مذکور ہوا ہے، ارشادِ ایزدی ہے:

وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ۝۸۷ (الحجر)

اور بے شک ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں (یعنی سورۂ فاتحہ) اور بڑی عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔

اس آیت میں "سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ" سے مراد بالاتفاق سورۂ فاتحہ ہے، کیونکہ یہی وہ سورت ہے جو سات آیتوں پر مشتمل ہے اور نمازوں میں بار بار دہرائی جاتی ہے۔

۹.....اَساس القرآن: سورۂ فاتحہ کا ایک نام "اَساس القرآن" بھی ہے، اس نام کا مفہوم بھی پہلے ناموں کی توضیح سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، اَساس بنیاد کو کہتے ہیں، قرآن حکیم میں مذکور ہے:

---

(۱) سنن النسائی: كتاب الافتتاح، فضل فاتحة الكتاب، ج۲ ص۱۳۸، رقم الحديث: ۹۱۲

Marfat.com

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى (التوبۃ:۱۰۸)

البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

بنیاد ہمیشہ ان اینٹوں اور پتھروں کو کہا جاتا ہے جو تعمیر میں سب سے پہلی ہوں اور انہی پر باقی تمام عمارت کا انحصار ہو۔ اس لحاظ سے سورۂ فاتحہ قرآن کی اساس ہے، کیونکہ یہی سب سے پہلی سورت ہے اور اسی کے مطالب و مقاصد پر پورے قرآن کی تعلیمات کا انحصار ہے۔

۱۰.....سورۃ الحمد۔ ۱۱.....سورۃ المناجات۔ ۱۲.....سورۃ الشکر: سورۂ فاتحہ کے یہ تینوں نام دراصل اس کی ایک انتہائی اہم خصوصیت کی نشاندہی کرتے ہیں اور وہ ہے باری تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تمجید و توصیف۔

اس سورت کا آغاز چونکہ ''الحمد'' سے ہوتا ہے اس لئے اس کا معروف نام سورۃ الحمد ہی ہے، حمد کے افتتاحی لفظ کے علاوہ بھی یہ پوری سورت ربِ کائنات کی توصیف و مناجات پر مشتمل ہے۔ اس سورت کا پڑھنا ازخود شکرِ الٰہی بھی قرار پایا گیا ہے کیونکہ کسی دینے والے کی عطا و احسان کے حوالے سے اس کی تعریف کرنا شکر کہلاتا ہے، گویا یہ نام سورۂ فاتحہ کے اُسلوبِ بیان پر بھی روشنی ڈالتے ہیں اور اس کی روحِ بیان پر بھی۔

۱۳.....سورۃ الصلوٰۃ: چونکہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نماز میں واجب ہے اور اسے ترک کرنے سے نماز کامل نہیں ہوتی، جیسا کہ پہلے احادیث کے ذریعے بیان کیا جاچکا ہے، اس لئے اس کی اہمیت اور ناگریزیت کی بناء پر اسے سورۃ الصلوٰۃ کا لقب دے دیا گیا۔

۱۴.....سورۃ التفویض: اپنے امور کی انجام دہی کسی کو سونپ دینا ''تفویض'' کہلاتا ہے، یہ توکل کا سب سے بڑا درجہ ہے، جس کا ذکر قرآن میں یوں ملتا ہے:

وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ (المؤمن:۴۴)

اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

سورۂ فاتحہ میں حمد و ثناء باری تعالیٰ کے بعد اس کی عبادت کا ذکر اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ انسان مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں سرِ نیاز خم کر دے، اور اس کو مستعان سمجھتے ہوئے

Marfat.com

اس سے مدد طلب کرنا اس امر کو مستلزم ہے کہ وہ ربِ ذوالجلال کو کافی ووافی کارساز تصور کر کے اپنے جملہ امورِ حیات کا انجام اس کے سپرد کر دے، اسی کو تفویض کہتے ہیں اور یہی عبادت واستعانت کی روح ہے۔

۱۵.....سورۃ الدعاء۔ ۱۶.....سورۃ السؤال۔ ۱۷.....سورۃ تعلیم المسألۃ: سورۂ فاتحہ کے یہ تینوں نام ایک ہی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں اور وہ اس سورت کی ترتیبِ آیات سے مترشح ہوتا ہے، اس کو سورۂ دعا، سورۂ سوال اور سورۂ تعلیم المسئلہ کے نام سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ سورت بندوں کو آدابِ دعا اور بارگاہِ ربوبیت میں سلیقۂ سوال سکھاتی ہے۔

۱۸.....سورۃ الکافیہ: سورۂ فاتحہ کو الکافیہ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ ہر ایک کا بدل ہو کر کفایت کر سکتی ہے لیکن کوئی اور سورت اس کی جگہ پر کافی نہیں ہو سکتی:

أم القرآن عوض عن غيرها وليس غيرها عوضًا عنها۔ (۱)

سورۂ اُم القرآن ہر ایک سورت کا عوض ہے لیکن کوئی اور سورت اس کا عوض نہیں۔

۱۹.....سورۃ الوافیہ: یہ لفظ وفا سے مشتق ہے، اس کا معنی پورا کرنا ہے، سورۂ فاتحہ کا نام الوافیہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کا نصف پڑھنا جائز نہیں، اسے ہر جگہ پورا ہی پڑھا جائے گا، مثلاً دیگر وہ سورتیں جن کی آیات کم از کم چھ یا اس سے زائد ہوں تو انہیں نماز کی دو رکعتوں میں نصف نصف کر کے پڑھا جا سکتا ہے لیکن سورۂ فاتحہ کے لئے اجازت نہیں کہ اسے نصف نصف کر کے دو رکعتوں میں مکمل کیا جائے، یہ تصریح امام ثعلبی رحمہ اللہ نے کی ہے، جیسے امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے، اجر وثواب کی کثرت بھی الوافیہ کی وجہ تسمیہ ہو سکتی ہے۔

۲۰.....سورۃ الشفاء۔ ۲۱.....سورۃ الشافیہ: یہ دونوں نام بھی ارشاداتِ نبوی پر مبنی ہیں، امام دارمی رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الكتاب الثالث، الباب الأول، ج۱ ص۱۵۶

Marfat.com

فاتحة الكتاب شفاء من كل داءٍ۔(۱)

فاتحۃ الکتاب ہر مرض کے لئے شفاء ہے۔

۲۲.....سورۃ الرقیہ: رقیہ رقی سے مشتق ہے، یہ لفظ عربی زبان میں تریاق کے لئے بولا جاتا ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سفر میں تھے، دریں اثناء کسی عورت نے ان سے سانپ کے ڈسے کے لئے تریاق کے بارے میں دریافت کیا، جس پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ شخص وہیں ٹھیک ہوگیا، پھر یہ ماجرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا كَانَ يُدْرِيهِ أَنَّهَا رُقْيَةٌ۔(۲)

کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سورت تریاق ہے۔

۱......علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے سورہ فاتحہ کے بائیس (۲۲) نام ذکر کیے ہیں، دیکھئے:

ولهذه السورة الكريمة أسماء أوصلها البعض إلى نيف وعشرين، أحدها: فاتحة الكتاب لأنها مبدؤه على الترتيب المعهود، وثانيهما: فاتحة القرآن لما قدمنا حذو القذة بالقذة، وثالثها ورابعها أم الكتاب وأم القرآن، وخامسها وسادسها وسابعها: الكنز والوافية والكافية لما مر من اشتمالها على الجواهر المكنوزة فتفي وتكفي، وثامنها: الأساس لأنها أصل القرآن وأول سورة فيه،

(۱) سنن الدارمي: كتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الكتاب، ج۴ ص۲۱۲۲، رقم الحديث:۳۴۱۳، إسناده صحيح غير أنه مرسل، والمرسل عند الجمهور حجة

(۲) صحيح البخاري: كتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الكتاب، ج۶ ص۱۸۷، رقم الحديث:۵۰۰۷

Marfat.com

وتاسعها وعاشرها والحادی عشر والثانی عشر والثالث عشر: سورة الحمد و سورة الشکر و سورة الدعاء و سورة تعلیم المسألة وسورة السؤال، والرابع عشر والخامس عشر: سورة المناجاة وسورة التفویض،والسادس عشر والسابع عشر والثامن عشر: الرقیة والشفاء والشافیة،والتاسع عشر: سورة الصلاة، والعشرون: النور، والحادی والعشرون: القرآن العظیم وهو ظاهر مما قدمناه، والثانی والعشرون: السبع المثانی لأنها سبع آیات باتفاق۔ [1]

۲.....امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے سورہ فاتحہ کے بارہ (۱۲) نام ذکر کیے ہیں، دیکھیے:

(التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الأول، ج ۱ ص ۱۵۶ تا ۱۵۹)

۳......علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے بھی سورہ فاتحہ کے بارہ (۱۲) نام ذکر کیے ہیں، دیکھیے:

(تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الأول، ج ۱ ص ۱۴۹ تا ۱۵۲)

۴......علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۵ھ) نے سورہ فاتحہ کے تیرہ (۱۳) نام ذکر کیے ہیں، دیکھیے:

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب ما جاء فی فاتحة الکتاب، ج ۱۸ ص ۷۹، ۸۰)

۵......علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری نے سورہ فاتحہ کے بیس (۲۰) نام ذکر کیے ہیں، دیکھیے:

(حدائق الروح والریحان: سورة الفاتحة، أسماؤها، ج ۱ ص ۴۴، ۴۵)

---

(۱) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۷ تا ۵۳

Marfat.com

۶......شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس کاندہلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۴ھ) نے سورہ فاتحہ کے دس (۱۰) نام ذکر کیے ہیں، دیکھئے:

(معارف القرآن: سورہ فاتحہ، ج ۱ ص ۴)

تیسری بحث: سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق احادیث

سورہ فاتحہ کے شانِ نزول کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے اوپر کی طرف سے بڑے زور سے دروازہ کھلنے کی آواز سنی، انہوں نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا تھا اور اس سے ایک فرشتہ اترا ہے، پھر فرمایا: اس دروازے سے یہ فرشتہ زمین پر اترا ہے یہ آج کے دن اترا اس سے پہلے کبھی نہیں اترا۔ اس فرشتے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور کہا: آپ کو ان دو نوروں کی خوشخبری ہو جو آپ کو عنایت ہوئے ہیں، یہ آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے، ان میں سے ایک سورہ فاتحہ ہے اور دوسرا نور سورہ بقرہ کی آخری آیات، آپ جب بھی ان دونوں میں سے کوئی حرف تلاوت کریں گے تو آپ کو مانگی چیز ضرور عطا کردی جائے گی:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَمَا جِبْرِيلُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ نَقِيضًا مِنْ فَوْقِهِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ هَذَا بَابٌ مِنَ السَّمَاءِ فُتِحَ الْيَوْمَ لَمْ يُفْتَحْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَقَالَ هَذَا مَلَكٌ نَزَلَ إِلَى الْأَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ إِلاَّ الْيَوْمَ فَسَلَّمَ وَقَالَ أَبْشِرْ بِنُورَيْنِ أُوتِيتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيمُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِنْهُمَا إِلَّا أُعْطِيتَهُ.(۱)

(۱) صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل الفاتحة وخواتیم سورة البقرة، ج ۱ ص ۵۵۴، رقم الحدیث: ۸۰۶

Marfat.com

سورہ فاتحہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ عظمت والی سورت ہے، جیسا کہ سیدنا ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، میں اسی وقت حاضر نہ ہوا بلکہ نماز پڑھ کر حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا اس وجہ سے دیر ہوئی تو آپ نے فرمایا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا:

اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ (الأنفال: ۲۴)

تم اللہ کی اور رسول کی دعوت قبول کرو جب وہ تمہیں بلائیں۔

پھر مجھ سے فرمایا تیرے مسجد سے باہر جانے سے پہلے میں تجھے قرآن کی ایک ایسی سورت بتاؤں گا جو اجر و ثواب میں ساری سورتوں سے بڑھ کر ہے، پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا جب آپ نے باہر آنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں تم کو ایک سورت بتلاؤں گا جو قرآن کی سب سورتوں سے بڑھ کر ہے آپ نے فرمایا: وہ سورت ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' ہے، یہی السبع المثانی یعنی سات آیتیں ہیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ فَدَعَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أُجِبْهُ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي، فَقَالَ أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ، ثُمَّ قَالَ لِي لَأُعَلِّمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ السُّوَرِ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ قُلْتُ لَهُ أَلَمْ تَقُلْ لَأُعَلِّمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ، قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ۔(۱)

(۱) صحیح البخاری: کتاب التفسیر، باب ما جاء فی فاتحة الکتاب: ج۶ ص۱۷، رقم الحدیث: ۴۴۷۴

Marfat.com

سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرب کے ایک قبیلہ کے پاس سے کچھ صحابہ کا گزر ہوا، قبیلے والوں نے صحابہ کی مہمان نوازی سے انکار کردیا، اسی اثناء میں ان کے سردار کو بچھو (یا سانپ) نے کاٹ لیا، قبیلے والوں نے صحابہ سے کہا تمہارے پاس کوئی دوا ہے یا تم لوگوں میں کوئی دم جھاڑ کرنے والا شخص ہے؟ صحابہ نے کہا تم نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی لہٰذا جب تک تم ہمیں کچھ مال نہ دو گے ہم علاج نہیں کریں گے، اس پر ان لوگوں نے کچھ بکریاں دینے کا وعدہ کیا، تو ایک شخص نے سورہ فاتحہ پڑھنی شروع کی اور ساتھ ساتھ وہ تھوک جمع کرتا اور (متاثرہ جگہ پر) تھوکتا تو یوں سردار اچھا ہوگیا، وہ بکریاں لے کر آئے تو بعض صحابہ نے کہا ہم بکریاں نہیں لیں گے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کرلیں، واپسی پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مسکرادیئے اور اس شخص سے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ سورت رقیہ (دم) ہے؟ (تم نے ٹھیک کیا) یہ بکریاں لے لو اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ نکالو:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَوْا عَلَى حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ فَلَمْ يَقْرُوهُمْ، فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ لُدِغَ سَيِّدُ أُولٰئِكَ فَقَالُوا هَلْ مَعَكُمْ مِنْ دَوَاءٍ أَوْ رَاقٍ فَقَالُوا إِنَّكُمْ لَمْ تَقْرُونَا، وَلَا نَفْعَلُ حَتَّى تَجْعَلُوا لَنَا جُعْلًا، فَجَعَلُوا لَهُمْ قَطِيعًا مِنَ الشَّاءِ، فَجَعَلَ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ، وَيَجْمَعُ بُزَاقَهُ وَيَتْفِلُ، فَبَرَأَ، فَأَتَوْا بِالشَّاءِ، فَقَالُوا لَا نَأْخُذُهُ حَتَّى نَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوهُ فَضَحِكَ وَقَالَ وَمَا أَدْرَاكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ، خُذُوهَا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ۔ (۱)

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الطب، باب الرقى بفاتحة الكتاب: ج۷ ص ۱۳۱، رقم الحديث: ۵۷۳۶

Marfat.com

سورہ فاتحہ اللہ اور بندے کے درمیان تقسیم ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا آپ فرمارہے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے بندہ جب کہتا ہے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ اور جب کہتا ہے ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثناء کی ہے۔ اور جب کہتا ہے ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی، اور یوں بھی فرماتا ہے کہ میرے بندے نے اپنا معاملہ میرے سپرد کر دیا۔ بندہ جب کہتا ہے ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے۔ اور جب بندہ یہ کہتا ہے ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَالَ اللهُ تَعَالَى قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى حَمِدَنِي عَبْدِي وَإِذَا قَالَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى أَثْنَى عَلَيَّ عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ، قَالَ مَجَّدَنِي عَبْدِي وَقَالَ مَرَّةً فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِي فَإِذَا قَالَ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ، قَالَ هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ

Marfat.com

أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ، قَالَ هٰذَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ۔ (۱)

تورات وانجیل اور قرآن مجید میں سورہ فاتحہ کے مثل کوئی سورت نہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ میں تمہیں ایک ایسی سورت سکھاؤں کہ اس جیسی سورت نہ تو تورات میں نازل ہوئی نہ زبور میں نہ انجیل میں اور نہ قرآن میں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جی، اے اللہ کے رسول! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم اس دروازے سے نہ نکل پاؤ گے کہ وہ تمہیں سکھا دی جائے گی، سیدنا ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ سے بات کرنے لگے میں آہستہ آہستہ چل رہا تھا اس ڈر سے کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات ختم کرنے سے پہلے (دروازہ پر) نہ پہنچ جائیں، جب ہم دروازے کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! وہ کون سی سورت ہے جس کے بتانے کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سورہ فاتحہ پڑھ کر سنائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ نے اس سورت کے مثل نہ تو تورات میں کوئی سورت نازل کی نہ انجیل میں نہ زبور میں اور نہ فرقان (قرآن) میں اور بے شک وہ سبع مثانی ہے:

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُعَلِّمُكَ سُورَةً مَا أُنْزِلَ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الزَّبُورِ وَلَا فِي الْإِنْجِيلِ وَلَا

---

(۱) صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، ج۱ ص۲۵۶، رقم الحدیث:۳۹۵

Marfat.com

فِی الْقُرْآنِ مِثْلُهَا قُلْتُ بَلَى قَالَ فَإِنِّی أَرْجُو أَنْ لَا أَخْرُجَ مِنْ ذٰلِكَ الْبَابِ حَتّٰی تَعْلَمَهَا، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُمْتُ مَعَهُ فَأَخَذَ بِيَدِي فَجَعَلَ يُحَدِّثُنِي حَتّٰى بَلَغَ قُرْبَ الْبَابِ، قَالَ فَذَكَّرْتُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ السُّورَةَ الَّتِی قُلْتَ لِی قَالَ فَكَيْفَ تَقْرَأُ إِذَا قُمْتَ تُصَلِّی فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ هِيَ هِيَ وَهِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِی وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِی أُوتِيتُ بَعْدُ۔ (۱)

سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق روایات کی نشاندہی

۱......علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق چار (۴) احادیث نقل کی ہیں، دیکھئے:

(تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الأول، ج۱ ص۱۴۶ تا ۱۴۹)

۲......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے عنوان قائم کیا "ذکر ما ورد فی فضل الفاتحة" پھر نو (۹) احادیث نقل کی ہیں، دیکھئے:

(تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج۱ ص۹۸، ۹۹)

۳......علامہ ابن عادل حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۸۸۰ھ) نے "فصل فی فضائلها" کا عنوان قائم کر کے چار (۴) احادیث نقل کی ہیں، دیکھئے:

(اللباب فی علوم الکتاب: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۶۴)

۴......علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) نے "فصل فی فضائل الفاتحة" کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت سورہ فاتحہ کی فضیلت پر دس (۱۰) روایات نقل کی ہیں، دیکھئے:

(التفسیر المظہری: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۱ تا ۲۳)

---

(۱) مسند أحمد: مسند الأنصار، ج۳۵، ص۲۰، رقم الحدیث: ۲۱۰۹۵

Marfat.com

۵......علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) نے عنوان قائم کیا ہے "وقد ورد فی فضل هذه السورة" پھر پندرہ (۱۵) روایات نقل کی ہیں۔

(فتح القدير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۵، ۱۶)

۶.....علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ اس سورت کی فضیلت مخفی نہیں ہے، اور اس سورت کی فضیلت کے لئے وہ احادیث کافی ہیں جو صحیح اسانید کے ساتھ مروی ہیں:

وفضل هذه السورة مما لا يخفى ويكفي في فضلها ما روى بأسانيد صحيحة۔ پھر آگے حدیث نقل کی، دیکھئے:

(روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳۲)

۷......علامہ محمد امین بن عبد اللہ ہرری نے سورہ فاتحہ کی فضیلت سے متعلق پانچ (۵) احادیث نقل کی ہیں۔[1]

علامہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ)، قاضی بیضاوی (متوفی ۶۸۵ھ) اور امام ابو السعود (متوفی ۹۸۲ھ) رحمہم اللہ نے سورہ فاتحہ کی فضیلت میں موضوع روایت نقل کی ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی قوم پر اللہ تعالی لازمی ویقینی طور پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرمادیتے ہیں، پس اُس قوم کے بچوں میں سے کوئی بچہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" پڑھتا ہے تو اللہ تعالی اس کو سنتے ہیں، پس اس قوم سے اِس عذاب کو چالیس (۴۰) سال کے لئے دور کردیتے ہیں:

وعن حذيفة بن اليمان ان النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: إن القوم ليبعث الله عليهم العذاب حتما مقضيا فيقرا صبى من صبيانهم فى الكتاب الحمد لله رب العالمين فيسمعه الله تعالى

---

(۱) حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، فصل في ذكر فضائلها، ج۱ ص۴۶ تا ۵۷

Marfat.com

فيرفع عنهم بذلك العذاب أربعين سنة۔ [1]

وعن حذيفة بن اليمان أن رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: إن القوم ليبعث الله عليهم العذاب حتمًا مقضيًا فيقرأ صبى من صبيانهم فى الكتاب: الحمد للهِ رَبّ العالمين فيسمعه الله تعالى فيرفع عنهم بذلك العذاب أربعين سنة۔ [2]

علامہ عبدالروف مناوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں کہ اس روایت کو امام ثعلبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے، یہ روایت موضوع ہے، علامہ ولی الدین عراقی رحمہ اللہ نے فرمایا اس روایت کی سند میں دوراوی کذاب ہیں اور اِن میں سے کسی نے اس روایت کو گھڑا ہے، وہ دوراوی یہ ہیں: ۱.....احمد بن عبداللہ جویباری۔ ۲.....مامون بن احمد ہروی:

أخرجه الثَّعْلَبِي فِي تَفْسِيرِه وَهُوَ مَوْضُوع، قَالَ الْوَلِيّ الْعِرَاقِي: فِيهِ: أَحْمد بن عبد الله الجويباري، ومأمون بن أَحْمد الْهَرَوِيّ، كذابان، وَهُوَ من وضع أَحدهمَا۔ [3]

علامہ عجلونی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ اس روایت کو امام ثعلبی رحمہ اللہ اور دیگر کئی مفسرین نے نقل کیا ہے، لیکن یہ روایت موضوع ہے جیسا کہ حافظ عراقی رحمہ اللہ اور دیگر محدثین نے فرمایا:

ومثله ما أخرجه الثعلبى وكثير من المفسرين عن حذيفة رفعه بلفظ: إن القوم ليبعث الله عليهم العذاب حتما مقضيا فيقرأ الصبى من صبيانهم فى الكتاب الحمد لله رب العالمين فيسمعه

---

(۱) الكشاف: سورة الفاتحة، ج۱ ص۶۱

(۲) التفسير البيضاوى: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۷/ تفسير أبى السعود: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۰

(۳) الفتح السماوى بتخريج أحاديث القاضى البيضاوى: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۰

Marfat.com

الله تعالی فیرفع الله عنهم بذلك عذاب أربعين سنة فإنه موضوع، كما قاله الحافظ العراقي وغيره۔ (۱)

''الحمد لله'' اور ''لا إله إلا الله'' کی فضیلت کا موازنہ

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ بندے کا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ'' کہنا افضل ہے یا ''لا إله إلا الله'' ایک طبقہ کا کہنا ہے کہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ'' افضل ہے کیوں کہ اس میں حمد کے ساتھ توحید کا مفہوم بھی شامل ہے جو ''لا إله إلا الله'' میں ہے یعنی اس میں توحید اور حمد دونوں ہیں جب کہ ''لا إله إلا الله'' میں صرف توحید ہے۔ دوسرے طبقہ کا خیال ہے کہ ''لا إله إلا الله'' افضل ہے کیوں کہ یہ کفر و شرک کو ختم کرتا ہے اور اسی کی خاطر لوگ جنگ کرتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (۲)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ ''لا إلـه إلا الله'' کا اقرار نہ کرلیں۔

یہ رائے امام ابن عطیہ رحمہ اللہ نے اختیار کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا ماخذ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے:

أَفْضَلُ مَا قُلْتُ أَنَا وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِي لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔ (۳)

---

(۱) كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس: حرف الهمزة مع النون، ج۱ ص۲۵۱، رقم الحديث: ۶۷۲

(۲) صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة، ج۱ ص۸۷، رقم الحديث: ۳۹۲

(۳) موطا مالك: كتاب القرآن، باب ما جاء في الدعاء، ج۱ ص۲۱۴، رقم الحديث: ۳۲

Marfat.com

میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے سب سے افضل بات جو کہی وہ یہ ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ'' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔(۱)

سب سے پہلے اور آخر میں کہا جانے والا کلمہ

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا کلمہ جو ہمارے والد حضرت آدم علیہ السلام نے کہا وہ ''الحمد للہ'' ہے، اور سب سے آخری کلمہ جو اہل جنت، جنت میں کہیں گے وہ بھی ''الحمد للہ'' ہے، رہا پہلا کلمہ وہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس وقت کہا جب روح ان کی ناف تک پہنچی تو انہیں چھینک آئی، تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' جنتیوں کی آخری پکار بھی حمد ہوگی۔ پس عالم کی ابتداء اور انتہاء دونوں حمد پر مبنی ہیں:

أول كلمة ذكرها أبونا آدم هو قوله الحمد لله، وآخر كلمة يذكرها أهل الجنة هو قولنا الحمد لله، أما الأول: فلأنه لما بلغ الروح إلى سرته عطس فقال الحمد لله رب العالمين، وأما الثاني: فهو قوله تعالى: وآخر دعواهم أن الحمد لله رب العالمين ففاتحة العالم مبنية على الحمد وخاتمته مبنية على الحمد۔(۲)

سب سے افضل ذکر کونسا ہے؟

علماء کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ سب سے افضل ذکر ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' ہے اس لئے کہ اس میں توحید اور حمد دونوں مضامین موجود ہیں بخلاف ''لا إله إلا اللّٰـه'' کے کہ اس میں صرف توحید ہے۔ علماء کی دوسری جماعت اس بات کی قائل ہے کہ

(۱) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۳۲

(۲) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۱۹۵

Marfat.com

سب سے افضل ''لا إلـه إلا اللـه'' ہے اس لئے کہ اس میں کفر و شرک کی نفی ہے اور توحید باری تعالیٰ کا اثبات ہے:

اختلف العلماء أيما أفضل، قول العبد: الحمد لله رب العالمين، أو قول لا إله إلا الله؟ فقالت طائفة: قوله الحمد لله رب العالمين أفضل، لأن في ضمنه التوحيد الذي هو لا إله إلا الله، ففي قوله توحيد وحمد، وفي قوله لا إله إلا الله توحيد فقط، وقالت طائفة:
لا إله إلا الله أفضل، لأنها تدفع الكفر والاشراك۔ (۱)

چار سورتوں کا افتتاح اللہ تعالیٰ نے الحمد للہ کے ساتھ کیا ہے

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کے بعد چار سورتوں کی ابتدا ''الحمد لله'' کے ساتھ کی ہے:

۱.....سورۂ انعام کے شروع میں ہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ''

۲.....سورۂ کہف کے شروع میں ہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ''

۳.....سورۂ سبا کے شروع میں ہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ''

۴.....سورۂ فاطر کے شروع میں ہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ''

ثم إنه تعالى افتتح سوراً أربعة بعد هذه السورة بقوله: الْحَمْدُ لِلّٰهِ فأولها: سورة الأنعام وهو قوله: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأرْضَ، وثانيها: سورة الكهف، وهو قوله: الحمد لِلّٰهِ الذي أَنْزَلَ على عَبْدِهِ الكتاب، وثالثها: سورة سبأ، وهو قوله: الحمد لِلّٰهِ الذي لَهُ مَا فِي السموات وَمَا فِي الأرض ورابعها: قوله: الحمد لِلّٰهِ فَاطِرِ السموات والأرض۔ (۲)

---

(۱) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۴۷

(۲) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج۱ ص۱۶۲

Marfat.com

الحمدللہ میں آٹھ حروف ہیں اور جنت کے دروازے بھی آٹھ ہیں

الحمدللہ میں آٹھ حروف ہیں اور جنت کے دروازے بھی آٹھ ہیں، پس جو شخص دل کی گہرائیوں کے ساتھ ان کلمات کو پڑھے تو وہ جنت کے آٹھوں دروازوں کا مستحق ہوگا:

الحمد لله ثمانية أحرف، وأبواب الجنة ثمانية، فمن قال هذه الثمانية عن صفاء قلبه استحق ثمانية أبواب الجنة۔ (1)

سورۂ فاتحہ اور صفاتِ باری تعالیٰ

اگر سورۂ فاتحہ کے نفس مضمون پر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں باری تعالیٰ کی گیارہ صفات نمایاں طور پر بیان کی گئی ہیں، جن کا بیان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کا مضمون باری تعالیٰ کی معرفتِ علمی کے حصول کے لئے مینارۂ نور کا درجہ رکھتا ہے، وہ صفات درج ذیل ہیں:

۱.....محمود ۲.....اِلٰہ ۳.....رب ۴.....رحمٰن ۵.....رحیم ۶.....مالک

۷.....معبود ۸.....مستعان ۹.....ہادی ۱۰.....مُنعم ۱۱.....مُضِل

سورۂ فاتحہ اور صفاتِ عبدیت

جس طرح اس سورت میں ذاتِ باری تعالیٰ کی گیارہ صفات مذکور ہیں، اسی طرح ہر ایک صفت الوہیت کے مقابلے میں ایک صفت عبدیت ہے، اس لحاظ سے مذکورہ صفات عبدیت بھی تعداد میں گیارہ ہی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱.....حامد ۲.....مخلوق ۳.....مربوب ۴.....محتاج فی الدنیا ۵.....محتاج فی الآخرۃ ۶.....مملوک ومحکوم ۷.....عابد ومطیع ۸.....مُستعین ومُستمد (مدد چاہنے والا) ۹.....طالبِ ہدایت یا ہدایت یافتہ ۱۰.....منعم علیہ یا انعام یافتہ ۱۱.....مستحقِ ضلالت یا گمراہ

---

(۱) التفسیر الکبیر: سورۃ الفاتحۃ، الباب الخامس، ج۱ ص۱۹۲

Marfat.com

چوتھی بحث: الحمد میں الف لام کی تحقیق

۱...... علامہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) کی رائے یہ ہے کہ الف لام جنس کا ہے اور جن لوگوں نے الف لام کو استغراق کا مراد لیا ہے یہ ان حضرات کا وہم ہے:

و هو تعريف الجنس والاستغراق الذی يتوهمه كثير من الناس وهم منهم۔[1]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ علامہ زمخشری رحمہ اللہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ الف لام جنس کا ہے، اور جن حضرات نے استغراق کا مراد لیا ہے یہ ان کا وہم ہے، لیکن یہ بات بعید نہیں ہے کہ انہوں نے یہ قول اعتزال کی رعایت رکھتے ہوئے اختیار کیا ہے:

ولا يبعد أن يقال أن اختيار الزمخشری كون التعريف للجنس وكون القول بالاستغراق وهم لا يبعد أن يكون رعاية لنزعة اعتزالية۔[2]

۲...... علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ الف لام استغراقِ جنس کے لئے ہے۔[3]

۳...... قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) کے نزدیک الف لام جنس کا ہے انہوں نے استغراق والے قول کو صیغہ مجہول "قیـل" کے ساتھ ذکر کیا، مقصود اس سے اس قول کے ضُعف کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

الف لام جنس کے لئے ہے اور الف لام سے مقصود اس حقیقتِ حمد کی طرف اشارہ کرنا

---

(۱) الكشاف: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵۳

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج۱ ص۹۷

(۳) تفسير القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۷۷

Marfat.com

ہے جس کو ہر شخص جانتا ہے کہ حمد کی حقیقت یہ ہے، اور بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ الف لام استغراق کا ہے کیونکہ تمام افراد حمد اللہ ہی کے لئے ہیں اس لئے کہ تمام بھلائیوں کا عطا کرنے والا وہی ہے بالواسطہ یا بلاواسطہ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وما بكم من نعمة فمن الله۔ کہ تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اللہ ہی کی جانب سے ہیں:

والتعريف فيه للجنس ومعناه: الإشارة إلى ما يعرف كل أحد أن الحمد ما هو؟ أو للاستغراق إذ الحمد فى الحقيقة كله له إذ ما من خير إلا وهو موليه بوسط أو بغير وسط كما قال تعالى: وما بكم من نعمة فمن الله۔ (۱)

۴......علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۰۱ھ) فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک الف لام استغراق کا ہے بخلاف معتزلہ کے وہ اس کے قائل نہیں ہیں:

واللام فيه للاستغراق عندنا خلافا للمعتزلة۔ (۲)

۵......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ الف لام استغراق کے لئے ہے اور مقصود حمد کی تمام اجناس اور قسموں کو اللہ کے لئے ثابت کرنا ہے:

والألف واللام فى الحمد لاستغراق جميع أجناس الحمد وصنوفه لله تعالى۔ (۳)

۶......خطیب شربینی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ حمد اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ جملہ اسمیہ اس بات کا فائدہ دے رہا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے، یا الف لام جنس کا ہے جیسا کہ علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی رائے ہے:

فالحمد مختص بالله كما أفادته الجملة الإسمية سواء أجعلت لام

---

(۱) التفسير البيضاوى: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۱

(۲) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۹

(۳) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۳

Marfat.com

التعـريف فيه للاستغراق كما عليه الجمهور وهو ظاهر، أم للجنس كما عليه الزمخشري۔ (۱)

۷......علامہ محمد بن مصلح الدین المعروف شیخ زادہ رحمہ اللہ (متوفی ۹۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ الف لام عہد خارجی اور عہد ذہنی کا مراد لینا درست نہیں ہے، ان کا میلان بھی اسی طرف ہے کہ الف لام جنس کے لئے ہے۔

الف لام عہد خارجی کا مراد لینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہاں کسی متعین جہت کا قصد نہیں کیا گیا ہے، اور نہ ہی الف لام عہد ذہنی کا مراد لینا درست ہے، اور اگر الف لام جنس کا ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جنس حمد اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے:

ولا يـجـوز كـونه للعهد الخارجي إذ لم يقصد به جهة معينة منه ولا للعهد الذهني اما للجنس فاللام في لله تفيد اختصاص جنس الحمد به تعالى۔ (۲)

۸......امام ابوالسعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ الف لام جنس کا ہے:

وتعريفه للجنس۔ (۳)

۹......علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ الف لام جنس کے لئے ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ (جنس تعریف اللہ کے لئے ہے) اور اس کو ہر ایک جانتا ہے، یا الف لام استغراق کے لئے ہے تو مطلب یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام بندوں کے افعال کا خالق ہے:

---

(۱) السراج المنير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸

(۲) حاشية محي الدين شيخ زاده على تفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۶۵

(۳) تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۱

Marfat.com

والتعريف للجنس إشارة إلى ما يعرفه كل أحد أو للاستغراق إذ الحمد كله له تعالى وهو خالق أفعال العباد۔ (۱)

۱۰......علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) کے نزدیک الف لام جنس کا ہے:

والتعريف فيه للجنس (۲)

۱۱...... علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ الف لام استغراق کا ہے:

والتعريف فيه للاستغراق۔ (۳)

جمہور اہلِ علم کے ہاں الحمد کو مرفوع پڑھا جائے گا

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ قراء سبع اور جمہور حضرات کا اس بات پر اجماع ہے کہ الحمد کی دال کو مرفوع پڑھا جائے گا:

أجمع القراء السبعة وجمهور الناس على رفع الدال من الحمد لله۔ (۴)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ الحمد کو مرفوع پڑھنا تواتر کے ساتھ ثابت ہے، اور یہ مبتدا ہے، لفظ اللہ اس کی خبر ہے:

ثم إن الحمد: فيما تواتر مرفوع وهو مبتدأ خبره لِلّٰهِ۔ (۵)

---

(۱) التفسير المظهرى: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۵

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۹۷

(۳) التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۶۸

(۴) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۸۰

(۵) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۰۰

Marfat.com

پانچویں بحث: حمد، مدح اور شکر کی تعریف

حمد کی لغوی تحقیق

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ کلامِ عرب میں الحمد کا معنی کامل طور پر تعریف کرنا ہے اس میں الف لام استغراقِ جنس (یعنی ہر طرح کی حمد کے احاطہ) کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے پوری کی پوری حمد کا مستحق ہے کیوں کہ وہ حسین ترین ناموں اور بلند ترین صفات کا مالک ہے۔ ایک شاعر نے اپنے درج ذیل شعر میں حمد کی جمع قلت ذکر کی ہے:

وَأَبْلَجُ مَحْمُوْدِ الثَّنَاءِ خَصَصْتُهُ   بِأَفْضَلِ أَقْوَالِیْ وَأَفْضَلِ أَحْمُدِیْ

وہ صبح کی طرح روشن اور خوب تعریف کا مستحق ہے۔ میں نے اپنے بہترین کلام اور اعلیٰ ترین تعریفوں کے لئے اسی کو منتخب کیا ہے۔

حمد، ذم کا متضاد ہے کہا جاتا ہے ''حَمِدْتُ الرَّجُلَ'' میں نے اس آدمی کی تعریف کی۔ جس کی تعریف کی جائے اس کو حمید بھی کہہ سکتے ہیں اور محمود بھی، اس کا مصدر تحمید، حمد سے زیادہ بلیغ ہے اور حمد شکر سے زیادہ وسیع معنی رکھتا ہے۔ ''مُحَمَّدٌ'' وہ ہوتا ہے جس میں قابلِ تعریف خصائل کثرت سے پائے جاتے ہوں، شاعر کہتا ہے:

اِلَی الْمَاجِدِ الْقَرْمِ الْجَوَادِ الْمُحَمَّدِ

اس سردار کی طرف جو بہت محترم، بڑا سخی اور خوبیوں والا ہے۔

یہی نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھا گیا، اسی پر ایک شاعر کہتا ہے:

فَشَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ   فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام سے نکالا ہے، چنانچہ عرش والا محمود ہے (جس کی تعریف کی جاتی ہے) اور یہ محمد جس میں قابل تعریف

Marfat.com

خصائل کی کثرت ہے۔[1]

میری (امام قرطبی رحمہ اللہ کی) رائے میں صحیح یہ ہے کہ حمد سے مراد ممدوح کی صفات کی بنا پر اس کی ایسی تعریف ہے جو اس کے کسی احسان کے بغیر کی جائے، اور شکر سے مراد وہ تعریف ہے جو اس کے احسان کے بدلے میں کی جائے۔ اس فرق کی وجہ سے ہمارے علماء کہتے ہیں کہ حمد کے معنی میں شکر سے زیادہ وسعت ہے کیونکہ حمد کا اطلاق ثنا، تحمید اور شکر تینوں پر ہوتا ہے، جب کہ شکر میں تخصیص ہے کیونکہ وہ صرف بھلائی کرنے والے کے بدلے کے طور پر کہا جاتا ہے۔ اس طرح آیت کریمہ میں حمد کا معنی زیادہ وسیع ہوا کیونکہ اس میں شکر کے علاوہ دیگر معانی بھی شامل ہیں، لفظ حمد رضا اور خوشی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: بلوتہ فحمدتہ (میں نے اسے آزمایا تو اس کی کارکردگی سے خوش ہوا) ارشاد باری تعالیٰ: مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (پسندیدہ مقام) کا بھی یہی معنی ہے۔[2]

حمد کی تعریف

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) حمد اور مدح کی تعریف فرماتے ہیں:

هو الثناء على الجميل الاختياری من نعمة أو غيرها۔

حمد افعالِ جمیلہ اختیاریہ پر زبان سے تعریف کرنا خواہ یہ تعریف نعمت کے مقابلے میں ہو یا نہ ہو۔

مدح کی تعریف

والمدح: هو الثناء على الجميل مطلقًا تقول حمدت زيدًا على علمه وكرمه، ولا تقول حمدته على حسنه، بل مدحته۔

مدح مطلقاً افعال جمیلہ پر تعریف کرنا (خواہ اختیاریہ ہوں یا غیر اختیاریہ) آپ

(۱) تفسير القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۳۳

(۲) تفسير القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۳۳

Marfat.com

"حمدت زيدا على علمه و كرمه" (میں نے زید کی تعریف کی اس کے علم اور سخاوت کی وجہ سے) تو کہہ سکتے ہیں مگر "حمدت زيدا على حسنه" (میں نے زید کی تعریف کی اس کے حسن کی وجہ سے) نہیں کہہ سکتے بلکہ اس موقع پر "مدحته" کہیں گے۔[1]

شکر کی تعریف

جميع ما أنعم الله به على عبده إلى ما خلق لأجله۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو ان مقاصد میں صرف کرنا جس کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے۔

چھٹی بحث: حمد و مدح اور شکر کے درمیان فرق اور انکے درمیان نسبتیں

حمد اور مدح کے درمیان فرق

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ حمد اور مدح کے درمیان چند وجوہ سے فرق ہے: ۱.....لفظ مدح عام ہے اس کے ذریعے سے تعریف جاندار اور بے جان دونوں کی جاتی ہے، جیسے آپ کسی خوبصورت موتی یا یاقوت کو دیکھ کر اس کی تعریف کرو، اب یہ مدح کہلائے گی لیکن اسے حمد نہیں کہا جائے گا۔ ۲.....مدح کبھی احسان سے پہلے بھی ہوتی ہے اور کبھی احسان کے بعد بھی، بخلاف حمد کے وہ احسان کے بعد ہوتی ہے۔ ۳.....لفظ مدح کا اطلاق منہی عنہ پر بھی ہوتا ہے (یعنی وہ کام جس سے شارع نے روکا ہوا) جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنْ نَحْثِيَ فِيْ وُجُوْهِ الْمَدَّاحِيْنَ التُّرَابَ۔

ہم مدح کرنے والوں کے منہ کو مٹی سے بھر دیں۔

---

(۱) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۰

Marfat.com

بخلاف حمد کے اس کا شریعت نے مطلقاً حکم دیا ہے:

مَنْ لَمْ يَحْمَدِ النَّاسَ لَمْ يَحْمَدِ اللّٰهَ۔ (۱)

جو لوگوں کی تعریف نہیں کرتے وہ اللہ کی بھی تعریف نہیں کرتے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے حمد اور مدح کے درمیان چھ فرق ذکر کئے ہیں، اہلِ علم حضرات تفصیلاً دیکھیں:

(روح المعانی: سورۃ الفاتحۃ، ج ۱ ص ۹۴، ۹۵)

حمد اور شکر کے درمیان فرق

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حمد باعتبار مورد کے خاص ہے اور باعتبار متعلق کے عام ہے، جب کہ شکر باعتبار مورد کے عام اور باعتبار متعلق کے خاص ہے:

مورد الحمد فی المشهور خاص ومتعلقه عام والشكر بالعكس موردا ومتعلقا۔ (۲)

حمد و مدح اور شکر کے درمیان باعتبار استعمال کے یہ فرق ہے کہ حمد و مدح دونوں کے مقابلے میں ذم آتا ہے جبکہ شکر کے مقابلے میں کفر آتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حمد و مدح کہتے ہیں ذکرِ محاسن کو، اور ذم کہتے ہیں ذکرِ قبائح کو اور ظاہر ہے کہ محاسن اور قبائح میں تقابل ہے، اور شکر کہتے ہیں اظہارِ نعمت "باتيان الفعل الذی ينبئ عن تعظيم المنعم" اور کفر کہتے ہیں کتمانِ نعمت کو اور ظاہر ہے کہ اظہار و کتمان میں تقابل ہے۔

چنانچہ علامہ زمخشری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حمد کی نقیض ذم ہے اور شکر کی نقیض کفرانِ نعمت ہے:

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۱۹۰

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۹۶

Marfat.com

والحمد نقيضه الذم والشكر نقيضه الكفران۔ [1]

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

والذم نقيض الحمد و الكفران نقيض الشكر۔ [2]

حمد اور مدح کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے

حمد اور مدح کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے حمد خاص ہے اور مدح عام ہے، پس جہاں حمد صادق آئے تو وہاں مدح بھی صادق آئے گی لیکن اس کا عکس نہیں ہوگا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ مدح حمد سے عام ہے، اس لئے کہ مدح زندہ، مردہ، بے جان، جاندار، ہر ایک کی کی جاتی ہے (بخلاف حمد کے) جیسا کہ کھانا، مال اور اس کے مثل چیزوں کی مدح کی جائے:

اماالمدح فهو أعم من الحمد، لأنه يكون للحي وللميت وللجماد أيضا كما يمدح الطعام والمال ونحو ذلك۔ [3]

حمد اور شکر کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے

حمد اور شکر کے درمیان نسبت عموم وخصوص من وجہ کی ہے، عموم وخصوص من وجہ کی نسبت پائے جانے کے لئے تین مادوں کا ہونا ضروری ہے، ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی ہوں۔ مادہ اجتماعی جہاں دونوں پائے جائیں جیسے کسی نے دعوت کی اور مدعو نے زبان سے کہہ دیا "آپ کا شکریہ" یہاں حمد بھی پائی گئی کیونکہ ثناء زبان سے ہوئی اور شکر بھی پایا گیا کیونکہ نعمت کے مقابلے میں ہے، دوسرا مادہ جہاں حمد پائی جائے اور شکر نہ پایا جائے جیسے آپ نے یوں ہی کسی کی زبان سے تعریف کردی، تیسرا مادہ یہ ہے کہ آپ نے کسی کی

---

(۱) الكشاف: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵۲

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۱

(۳) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۱

Marfat.com

دعوت کی اور اس نے ہاتھ پاؤں کے ذریعہ آپ کی خدمت کر دی:

وعلی کل حال بینه وبین الحمد عموم وخصوص من وجه۔ (۱)

لفظ ''للہ'' میں لام تخصیص کے لئے ہے

علامہ محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ لام جو لفظ اللہ پر داخل ہے یہ لام اختصاص کے لئے ہے:

واللام الداخلة علی الإسم الشریف هی لام الاختصاص۔ (۲)

خطیب شربینی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''للہ'' میں لام اختصاص کے لئے ہے:

لأنّ لام لله للاختصاص۔ (۳)

ساتویں بحث: ''الحمد للہ'' کے جملے میں چار وجہ سے حصر کا معنی پایا جاتا ہے

۱...... تفسیر القرآن بالقرآن کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر حصر کے جملوں کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔ جیسے:

لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولٰى وَ الْاٰخِرَةِ (القصص:۷۰)

وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ۝ (الروم)

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ (الجاثية)

---

(۱) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج۱ ص۹۶

(۲) فتح القدیر: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۹

(۳) السراج المنیر: سورة الفاتحة، ج۱ ص۸

Marfat.com

۲......الحمد معرف باللام الجنس مبتداء ہے اور یہ ترکیب حصر المبتدا علی الخبر کے لئے مفید ہوتی ہے:

لأن المبتداء المعرف باللام الجنس یکون مقصودا فی الخبر۔ (۱)

۳......علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''للہ'' میں لام اختصاص کے لئے ہے (جیسے) کہا جاتا ہے'' الدار لزید'' گھر زید کے لئے خاص ہے، (کوئی اور اس کی ملکیت میں شریک نہیں ہے) (الحمد مبتدأ اور للہ خبر ہے) یہ جملہ خبریہ اسمیہ استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے:

اللام للاختصاص یقال الدار لزید والجملة الخبریة الاسمیة دالة علی الاستمرار۔ (۲)

۴...... یہ جملہ اسمیہ ہے اور جملہ اسمیہ میں استمرار اور دوام کا معنی ہوتا ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ جملہ اسمیہ میں استمرار اور دوام کا معنی ہوتا ہے بخلاف جملہ فعلیہ کے کہ اس میں تجدد اور حدوث کا معنی پایا جاتا ہے:

الجملة الإسمیة علی الثبوت والدوام بخلاف الفعلیة فإنها تدل علی التجدد والحدوث۔ (۳)

آٹھویں بحث: ''الحمد للہ'' میں جملہ فعلیہ سے اسمیہ کی طرف عدول کیوں کیا؟

نحات نے قاعدہ بیان کیا ہے اگر مصدر کے بعد فعل کا فاعل یا مفعول بطورِ اضافت یا حرفِ جر کے ساتھ مذکور ہو اور وہ مفعولِ مطلق بیان نوع کے لئے نہ ہو تو ایسی صورت میں فعل

---

(۱) حاشیة علی شرح الجامی: ص ۱۱ (۲) التفسیر المظهری: سورة الفاتحة، ج۱ ص ۱۵

(۳) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج۱ ص ۱۰۱

Marfat.com

کا حذف کرنا قیاساً واجب ہے۔تو'' الحمد للہ ''اصل میں'' نحمد اللہ حمدا للہ ''تھا ''حمدا ''مفعول مطلق ہے اور لفظ'' اللہ ''مفعول ہے، اور وہ مصدر کے بعد ہے بطور حرفِ جر کے لہٰذا اس کے فعل'' نحمد ''کا حذف کرنا واجب ہے۔نصب سے رفع کی طرف عدول کرنے کے دو فائدے ہیں۔ثبوتِ حمد، عمومِ حمد، پس جملہ اسمیہ ثبوتِ حمد پر اسمیہ ہونے کی وجہ سے اور عمومِ حمد پر الف لام ہونے کی وجہ سے دلالت کرتا ہے۔جملہ اسمیہ میں استمرار اور دوام کا معنی ہوتا ہے بخلاف جملہ فعلیہ کے کہ اس میں تجدد اور حدوث کا معنی ہوتا ہے۔فعل میں عموم اور ثبوت نہیں ہوتا، عموم تو اس لئے نہیں ہوتا کہ اس میں نسبت الی الفاعل ہوتی ہے جو متعین ہے اس لئے اس میں عموم نہیں ہوتا، فعل میں ثبوت اور دوام اس لئے نہیں ہوتا کیونکہ فعل زمانہ متعین کے ساتھ مقترن ہوتا ہے جبکہ جملہ اسمیہ زمانے سے خالی ہوتا ہے اسی وجہ سے'' الحمد للہ ''میں جملہ فعلیہ سے اسمیہ کی طرف عدول کیا گیا ہے:

والعدل بها عن النصب إلى الرفع على الابتداء للدلالة على ثبات المعنى واستقراره۔ (۱)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ'' الحمد ''کی اصل حالت نصب ہے چنانچہ ایک قراءت نصب کی بھی ہے اور نصب سے رفع کی طرف عدول اس لئے کیا گیا تا کہ جملہ عمومِ حمد اور ثباتِ حمد پر دلالت کرے، حدوث وتجدد پر دلالت نہ کرے، اور یہ'' الحمد ''ایسے مصادر کے قبیل سے ہے جو افعالِ محذوفہ کی وجہ سے منصوب ہوتے ہیں، اور افعال کے ساتھ مذکور ہو کر مستعمل نہیں ہوتے:

وأصله النصب وقد قرئ به وإنما عدل إلى الرفع ليدل على عموم الحمد وثباته له دون تجدده وحدوثه وهو من المصادر التي تنصب بأفعال مضمرة لا تكاد تستعمل معها۔ (۲)

---

(۱) الكشاف: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵۲

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۱

Marfat.com

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ نصب سے رفع کی طرف عدول اس لئے کیا تا کہ یہ معنی کے ثبوت اور استقرار پر دلالت کرے:

والعدول عن النصب إلى الرفع للدلالة على ثبات المعنى واستقراره۔ (۱)

حمد کے ساتھ لفظ اللہ کے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

''الحمد لله'' فرمایا حمد کے ساتھ دیگر صفات خالقیت، رزاقیت کو ذکر نہیں کیا، اس کی حکمت یہ ہے کہ تا کہ اس وہم کو دور کیا جائے کہ حمد کسی صفت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ حمد ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

خطیب شربینی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ حمد کے ساتھ لفظ اللہ کو کیوں خاص کیا؟ ''الحمد للخالق'' یا دیگر صفات میں سے کوئی صفت حمد کے ساتھ کیوں ذکر نہیں کی؟

جواب یہ دیا گیا کہ تا کہ یہ وہم نہ ہو حمد کا اختصاص (اللہ کے لئے) کسی خاص وصف کے استحقاق کی وجہ سے ہے نہ کہ دیگر وصف کی وجہ سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ حمد کا اختصاص کسی خاص صفت مثلاً خالقیت، رازقیت وغیرہ کی وجہ سے نہیں ہے، کہ اللہ کے لئے تعریف اس لئے خاص ہے کہ وہ خالق ہے یا رازق ہے، نہیں بلکہ حمد ذات باری تعالیٰ کے ساتھ اس کی ذات کی وجہ سے خاص ہے، اس کے اوصاف کی وجہ سے نہیں ہے:

فإن قيل: لم خص الحمد بالله ولم يقل الحمد للخالق أو نحو من بقية الصفات؟ أجيب: بأن لا يتوهم اختصاص استحقاق الحمد بوصف دون وصف۔ (۲)

---

(۱) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۹

(۲) السراج المنير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۹

Marfat.com

الحمدللہ کی فضیلت سے متعلق روایات

علامہ شوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) نے ”الحمد للہ“ کی فضیلت سے متعلق تیرہ (۱۳) روایات نقل کی ہیں، اہل علم حضرات اصل کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں، دیکھئے:

(فتح القدير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۰)

نویں بحث: الحمدللہ جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ؟

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ”الحمد للہ“ یہ جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ؟ کبار اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ یہ جملہ خبریہ ہے جیسا کہ ظاہر کلام اس بات کا متقاضی ہے:

اختلف فی جملة الحمد هل هی إخبارية أم إنشائية فالذی عليه معظم العلماء أنها إخبارية كما يقتضيه الظاهر۔[1]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ جملہ خبریہ ہے انشائیہ نہیں ہے:

ولكنی أقول أن الجملة هنا إخبارية۔[2]

الحمدللہ سے پہلے لفظ ”قُوْلُوْا“ محذوف نکالنا

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ ”الحمد للہ“ سے پہلے لفظ قولوا محذوف نکالنا میرے نزدیک ضعیف ہے، حضرت نے اس کے ضُعف کی تین وجہیں نقل کیں۔

۱..... ”الحمد للہ“ کے جملہ میں اس بات کی خبر دینا ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے ساتھ خاص ہیں، یہ جملہ تام ہے یہاں محذوف نکالنے کی کوئی حاجت نہیں ہے (کلام کے اندر حذف خلافِ اولی ہوتا ہے، جب بغیر محذوف نکالے جملہ مکمل ہے تو حذف کی ضرورت نہیں)۔

---

(۱) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۰۲

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۰۳

Marfat.com

۲.....''الحمد للہ'' یہ جملہ دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام تعریفات کا مستحق ہے اپنی ذات اور اپنے افعال کی وجہ سے، چاہے مخلوق اس کی تعریف کرے یا نہ کرے، اور جو استحقاقِ حمد ذات کی وجہ سے ہو وہ بلند و بالا اور عظمت شان پر دلالت کرتی ہے (بہ نسبت اس تعریف کے جو آدمی غیر کو حکم دے کہ وہ تعریف کرے، تعریف کا صیغہ امر کے ذریعے غیر کو حکم دینا گویا ایک گنا جبر ہے کہ تم نے تعریف کرنی ہے، بخلاف استحقاقِ حمد کی صورت میں وہاں انسان خود مجبور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات اور نظام کائنات پر غور و فکر کرنے کی وجہ سے، انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ تمام تعریفات اللہ کے لئے ہیں)۔

۳.....اگر لفظ ''قولوا'' محذوف نکالیں تو صیغہ امر کی وجہ سے حمد کرنا ضروری ہوگا اور نہ کرنے والا سزا اور عتاب کا مستحق ہوگا، بخلاف اس کے کہ محذوف عبارت نہ نکالی جائے تو اس صورت میں حمد کرنے والا ثواب کا مستحق ہوگا اور نہ کرنے والے پر عتاب اس قدر نہ ہوگا جیسے کہ حذف کی صورت میں ہے، جیسے اگر والد اپنے بیٹے کو کہے ''اعمل کذا وکذا'' یہ کام کرو، فلاں کام کرو تو اس صورت میں کرنا ضروری اور لازمی ہوگا نہ کرنے کی صورت میں عاصی اور گناہ گار ہوگا کیونکہ حکم کی بجا آوری کی مخالفت ہے، بخلاف اس کے کہ باپ اپنے بیٹے سے کہے ''إن کذا وکذا'' اگر تم یہ کام کرو تو بہتر ہے، اس صورت میں بیٹا اگر فرماں بردار ہے اور حکم کی بجا آوری کرے تو تعریف اور ثواب کا مستحق ہوگا، اور اگر کہنا نہ مانے تو اس کا گناہ پہلی صورت سے بہت کم ہوگا اس طرح یہاں بھی:

من الناس من قال: تقدير الكلام قولوا الحمد لله، وهذا عندي ضعيف، الأول: أن قوله الحمد لله إخبار عن كون الحمد حقا له وملكا له، وهذا كلام تام في نفسه، فلا حاجة إلى الإضمار، الثاني: أن قوله الحمد لله يدل على كونه تعالى مستحقا للحمد بحسب ذاته وبحسب أفعاله سواء حمدوه أو لم يحمدوه، لأن ما بالذات أعلى وأجل مما بالغير، الثالث: ذكروا مسألة في الواقعات وهي أنه

Marfat.com

لا ينبغي للوالد أن يقول لولده إعمل كذا وكذا، لأنه يجوز أن لا يمتثل أمره فيأثم، بل يقول إن كذا وكذا يجب أن يفعل، ثم إذا كان الولد كريما فإنه يجيبه ويطيعه، وإن كان عاقا لم يشافهه بالرد، فيكون إثمه أقل، فكذلك ههنا۔ (۱)

''الحمد للہ'' کے ساتھ ''رب العالمین'' کی صفت لانے میں کیا حکمت ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جتنے بھی حوادث وممکنات ہیں وہ اپنے وجود میں واجب الوجود کی طرف محتاج ہیں، اب اس میں اختلاف ہے کہ آیا اپنے باقی رہنے میں بھی غیر کی طرف محتاج ہیں یا نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے لفظ رب استعمال فرما کر اس بات کی تنبیہ کردی کہ حوادث جتنے بھی ہیں وہ اپنے وجود میں ذات باری تعالیٰ کے محتاج ہیں اسی طرح باقی رہنے میں بھی محتاج ہیں:

أنه تعالى لم يقل الحمد لله خالق العالمين، بل قال: الحمد لله رَبِّ العالمين والسبب فيه أن الناس أطبقوا على أن الحوادث مفتقرة إلى الموجد والمحدث حال حدوثها، لكنهم اختلفوا فى أنها حال بقائها هل تبقى محتاجة إلى المبقى أم لا؟ فخصه سبحانه بالذكر تنبيها على أن كل ما سوى الله فإنه لا يستغنى عنه لا فى حال حدوثه ولا فى حال بقائه۔ (۲)

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۱۹۵، ۱۹۶

(۲) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج۱ ص۱۶۱، ۱۶۲

Marfat.com

دسویں بحث: لفظ رب کے متعلق تحقیق

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ رب اصل میں تربیت کرنے کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کی آہستہ آہستہ اس طور پر تربیت ونشو ونما کی جائے کہ وہ اپنے حدِ کمال کو پہنچ جائے:

الرب فی الأصل التربیة و هو إنشاء الشیء حالا فحالا إلی حد التمام۔ (۱)

علامہ ابن منظور رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۱ھ) نے لفظ رب کے چھ معانی نقل کئے ہیں، لفظ رب کا اطلاق لغت میں مالک، سید، مدبر، تربیت کرنے والا، نگرانی کرنے والا، انعامات دینے والا، ان چھ معانی پر ہوتا ہے:

الرَّبُّ یُطْلَق فی اللغة علی المالكِ والسَّیِّدِ والمُدَبِّر والمُرَبِّی والقَیِّمِ والمُنْعِمِ. (۲)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے لفظ ''رب'' کے چار معانی نقل کئے ہیں:

۱.....مالک، صحاح میں ہے کہ ''رب'' اللہ تعالی کے اسماء حسنی میں سے ہے اور جب یہ ذات باری تعالی کے علاوہ کسی اور کے لئے استعمال ہو تو اس میں کسی خاص چیز کی طرف اضافت ضروری ہے (یعنی غیر اللہ کے لئے اضافت کے بغیر استعمال درست نہیں ہے)۔

۲.....رب آقا کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے ''اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ'' (یوسف:۴۲) یعنی اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا، اور حدیث میں ہے ''اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا'' کہ کنیز اپنی مالکن کو جنم دے گی۔

---

(۱) المفردات فی غریب القرآن: کتاب الراء، رب، ص ۱۹۰

(۲) لسان العرب: حرف الراء، رب، ج۱ ص ۳۹۹

Marfat.com

۳.....اصلاح کرنے والا، کام کی تدبیر کرنے والا، طاقت کا مالک، باقی رہنے والا سب شامل ہیں۔

۴.....رب کا ایک معنی معبود بھی ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے: وہ کیا معبود ہوسکتا ہے جس کے سر پر لومڑیاں آکر پیشاب کر جائیں، وہ تو بہت حقیر ہوتا ہے جس پر لومڑیاں پیشاب کر جائیں:

فالرب: المالك، وفي الصحاح: والرب اسم من أسماء الله تعالى ولا يقال في غيره إلا بالإضافة، والرب: السيد، ومن قوله تعالى: اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ، وفي الحديث: "أن تلد الأمة ربتها" أي سيدتها والرب: المصلح والمدبر والجابر والقائم۔ والرب: المعبود ومنه قول الشاعر:

أَرَبٌّ يَبُوْلُ الثَّعْلَبَانُ بِرَأْسِهِ   لَقَدْ ذَلَّ مَنْ بَالَتْ عَلَيْهِ الثَّعَالِبُ[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ رب تین معانی میں استعمال ہوتا ہے:

۱.....ایسا مالک (جو اُمور میں) تصرف کرنے والا ہو۔ ۲.....لغت میں لفظ رب کا اطلاق سید (آقا) پر ہوتا ہے۔ ۳.....کاموں کی درستگی کے لئے تصرف کرنے والا۔ یہ تمام معانی اللہ تعالیٰ کے حق میں مراد لینا درست ہے:

والرب هو: المالك المتصرف، ويطلق في اللغة على السيد، وعلى المتصرف للإصلاح، وكل ذلك صحيح في حق الله تعالى۔[2]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''رب'' اصل میں مصدر

(۱) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۸۲

(۲) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۴

Marfat.com

ہے اور اس کا معنی تربیت کرنا ہے، رب کہتے ہیں جو کسی شی کو اپنی ازلی استعداد کی وجہ سے آہستہ آہستہ اس کے کمال تک پہنچائے:

الرب في الأصل مصدر بمعنى التربية وهي تبلغ الشيء إلى كماله بحسب إستعداده الأزلي شيئا فشيئا۔ (۱)

لفظِ رب کے متعلق اہلِ علم کی تین آراء ہیں

۱......مصدر ۲......صفتِ مشبہ کا صیغہ ۳......اسم فاعل کا صیغہ

اگر لفظ رب کو مصدر قرار دیا جائے تو اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ لفظ اللہ علمِ ذاتی ہے اور مصدر کا حمل ذات پر کرنا جائز نہیں؟

جواب: یہاں مصدر کا حمل ذات پر مبالغۃً ہے۔

جیسے ''زید صوم'' گویا اللہ تعالی ربوبیت کے اتنے اعلیٰ مقام پر ہیں کہ سراپا ربوبیت ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رب صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے، اس کا مصدر ''رب یرب'' باب نصر سے ہے جیسے کہ ''نم ینم فهو نم'' صفتِ مشبہ ہے باب نصر سے، چونکہ باب نصر سے صفتِ مشبہ کا آنا نادر تھا اس لئے اس کی ایک نظیر بیان کردی۔ اب اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ ''رب یرب'' باب نصر سے متعدی ہے اور صفتِ مشبہ متعدی سے نہیں آتا لہٰذا اب یہ صفت مشبہ کیسے ہوگا؟

جواب: اس کو بمنزلہ فعلِ طبعی مان کر باب ''کَرُمَ'' کی طرف منتقل کرلیا گیا اور باب ''کَرُمَ'' لازمی ہے، لہٰذا اب اس سے صفتِ مشبہ کا آنا درست ہے:

ثم وصف به للمبالغة كالصوم و العدل وقيل: هو نعت من ربه يربه فهو رب كقولك نم ينم فهو نم۔ (۲)

---

(۱) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۰۴

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۲

Marfat.com

ویجوز أن یکون وصفاً بالمصدر للمبالغة کما وصف بالعدل۔ (۱)

وصف بہ الفاعل مبالغة کالعدل وقیل صفة مشبهة من ربه یربه مثل نم ینم بعد جعله لازما بنقله إلی فعل بالضم کما هو المشهور۔ (۲)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ رب اسم فاعل سے مبالغہ کا صیغہ ہے یا اسم فاعل کا صیغہ ہے، انہوں نے صفت مشبہ والے قول کو لفظ "قیل" سے ذکر کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ لفظ "رب" صفت مشبہ کا صیغہ ہے "شرح التسھیل" میں ہے کہ یہ مراد لینا درست نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یا تو اسم فاعل سے مبالغہ کا صیغہ ہے یا اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اصل میں "راب" تھا پس الف کو حذف کیا گیا جیسے کہ عرب کے لوگ کہتے ہیں "رجل بار وبر" یہ آدمی بہت نیکوکار ہے، تو الف کے ساتھ بھی ذکر کرتے ہیں اور حذف الف کے ساتھ بھی۔ یہی بات امام ابوحیان رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ یہاں اس کی اضافت مفعول کی طرف ہے:

وقیل هو صفة مشبهة وفی شرح التسهیل أنه ممنوع والظاهر أنه من مبالغة اسم الفاعل أو هو اسم فاعل وأصله راب فحذفت ألفه کما قالوا رجل بار وبر قاله أبو حیان ویؤیده إضافته إلی المفعول۔ (۳)

---

(۱) مدارك التنزیل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۰

(۲) تفسیر أبی السعود: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۱

(۳) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۰۴

Marfat.com

تربیت دو قسم پر ہے

ا......جسمانی ۲......روحانی

جسمانی تربیت کا دارومدار عمدہ غذا کے استعمال اور صاف وشفاف غذاؤں کے ساتھ موسم کے مطابق پھل فروٹ کے استعمال پر ہے۔روحانی تربیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی عاداتِ رذیلہ چھوٹ جائیں اور بہترین صفات سے انسان آراستہ ہو جائے اور اچھی عادات اس کو حاصل ہو جائیں، مثلاً بخل دور ہو کر سخاوت آئے، تکبر کی جگہ تواضع آئے، اس کا تعلق کُتبِ سماویہ اور انبیاء کے ساتھ ہے۔اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تعلق دونوں کے ساتھ ہے:

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (الرحمن)

تربیت کے لئے دو رکن نہایت اہم ہیں۔

ا......شی کو اس کے مُضرّات سے بچانا، مثلاً درخت کو کیڑا نہ لگے۔ ۲......اس کے منافع ضروریہ اس کو پہنچانا، مثلاً پودے کو پانی دینا، کھاد دینا، تو اللہ تعالیٰ نقصان سے بچانے والا بھی اور نفع پہچانے والا بھی ہے۔

خالق اور مخلوق کی پرورش میں پانچ فرق

ا......ایک انسان دوسرے انسان کی کسی نہ کسی غرض کی وجہ سے پرورش کرتا ہے، اگر ماں باپ اولاد کی پرورش کرتے ہیں تو اس غرض سے کہ یہ بڑھاپے میں ہمارا سہارا بن سکیں۔مالدار غریبوں کی پرورش کرتے ہیں تو اس غرض سے کہ لوگ ہمیں سخی کہیں یا اللہ کے ہاں ہمیں اس کا اجر ملے۔بادشاہ اپنے ماتحتوں کی، آقا اپنے غلاموں کی پرورش اس لئے کرتے ہیں تاکہ ان سے اپنی اغراض ومقاصد حاصل کر سکیں۔صرف اللہ ہی کی ذات ایسی ہے جو بغیر کسی اغراض کے مخلوق کی پرورش کرتی ہے۔

۲......بندہ کسی کی پرورش کرتا ہے تو اس کے مال میں کمی ہوتی ہے، ختم ہونے کے خوف سے بڑی احتیاط سے کام کرتا ہے، اگر آمدنی کم ہو جائے تو بہت سے خادموں کو نوکری

Marfat.com

سے نکال دیتے ہیں جبکہ حق تعالیٰ کے خزانے میں کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اسی لئے حق تعالیٰ کی پرورش سے کبھی کوئی نہیں نکلا۔

۳.....مخلوق جب کسی کی پرورش کرتی ہے تو اس پر احسان جتلاتی ہے بغیر مانگے اس کو نہیں دیتی مگر حق تعالیٰ بغیر مانگے عطا فرماتے ہیں بغیر احسان جتلائے سب کچھ دیتے ہیں، وہ تو ایسی کریم ذات ہے جب ہم ماں کے پیٹ میں تھے اور ہمیں مانگنے کا شعور بھی نہ تھا تب بھی وہ ہماری پرورش کر رہا تھا۔

۴.....مخلوق سب کی پرورش نہیں کر سکتی جبکہ ذاتِ باری تعالیٰ سب کو نوازتا ہے ہر ایک کی سن کر اس کو عطا کرتا ہے۔

۵.....کوئی شخص کتنا ہی سخی کیوں نہ ہو، لیکن زیادہ مانگنے والوں سے آخر تنگ آجاتا ہے لیکن ربِ کریم سے جتنا ہی زیادہ مانگا جائے اتنا ہی وہ خوش ہوتے بلکہ نہ مانگنے والوں سے ناراض ہوجاتے ہیں۔

جن اشیاء سے جسم کو فائدہ ہوتا ہے ان سے عموماً روح کو نقصان ہوتا ہے

جن چیزوں سے جسم کی تربیت ہوتی ہے اس سے روح کو نقصان پہنچتا ہے، مثلاً عمدہ قسم کے کھانے، مرغن غذائیں کھانا اس بظاہر جسم کو فائدہ ہوتا ہے لیکن اس سے روح مردہ ہوجاتی ہے، روح زندہ ہوتی ہے کثرتِ عبادت سے لیکن اس سے جسم کمزور ہوتا ہے جسم کو نقصان ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ دونوں کی تربیت کرتا ہے، شریعت نے دونوں کی حدیں مقرر کیں، نہ حد سے زیادہ کھایا جائے نہ بہت کثرت سے عبادت کی جائے کہ جس سے جسم کو نقصان ہو، نیز جسم کی تربیت والدین اور اطباء کے ذریعے ہوتی ہے جبکہ روح کی تربیت انبیاء و اولیاء کے ذریعے ہوتی ہے۔

ہر چیز اپنے وجود اور بقاء میں اللہ کی محتاج ہے

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ ''رب العالمین'' میں اس بات

Marfat.com

کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالی کے علاوہ جو بھی ہے وہ سب اپنے وجود اور باقی رہنے میں اللہ کے محتاج ہیں:

رَبّ العالمين إشارة إلى أن كل ما سواه فهو مفتقر إليه محتاج فی وجوده إلى إيجاده، وفی بقائه إلى إبقائه۔ (۱)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ ھ) فرماتے ہیں کہ آیت اس سلسلہ میں دلیل ہے کہ ممکنات جس طرح اپنے موجود ہونے میں ایک ایسی ذات کی طرف محتاج ہیں جو انہیں وجود بخشے، اسی طرح اپنی بقا میں اس ذات کی طرف محتاج ہیں جو انہیں باقی رکھے:

فيه دليل على أن الممكنات كما هي مفتقرة إلى المحدث حال حدوثها فهي مفتقرة إلى المبقي حال بقائها۔ (۲)

فرعون کا ربوبیت سے متعلق سوال پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جامع جواب

جب فرعون نے کہا ''وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾'' (الشعراء) تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾'' یعنی رب وہ ہے جس کی تربیت سبع سماوات اور سبع ارضین اور کل عالم کو محیط ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد شاید فرعون کو یہ تردد ہوا کہ تربیت کو صرف ذات خداوندی میں منحصر کر دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ ہم والدین اور آفتاب اور ماہتاب کی تربیتوں کا بھی روزانہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں، اس لئے موسیٰ علیہ السلام دوبارہ جواب کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا ''رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾'' یعنی تمہارے آباء و اجداد کی تربیت اصلی اور ذاتی نہیں بلکہ عطیہ الٰہی ہے تمہارا اور تمہارے تمام آباء اولین کا حقیقی رب اور پروردگار وہی

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج۱ ص ۱۶۱

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۸۲

Marfat.com

ہے، اور تیسری بار فرمایا ''رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۗ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾'' یعنی آفتاب و ماہتاب کو اپنی کھیتوں کا مربی سمجھنا غلط ہے۔ اس لئے کہ خود آفتاب و ماہتاب اور ان کے نور کو اسی رب العالمین نے پیدا کیا ہے، تو موسیٰ علیہ السلام نے پہلی آیت میں یعنی ''رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۗ'' میں اللہ کی ربوبیت کا تمام امکنہ مختلفہ کو محیط ہونا بیان فرمایا، اور دوسری آیت ''رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾'' میں اس کی ربوبیت کا ماضی اور حال اور مستقبل کے تمام اوقات اور ازمنہ مختلفہ کو محیط ہونا بیان فرمایا، اور تیسری بار ''رَبُّ الْمَشْرِقِ' فرما کر اس کی ربوبیت کا تمام اوضاع اور حالات تمام تغیرات اور کیفیات کو محیط ہونا بیان فرمایا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ کی ربوبیت کسی شخص اور کسی زمان کسی مکان اور کسی حالت اور وضع کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سب کو عام اور محیط ہے اسی لئے وہی لائق عبادت اور مستحق حمد وثناء ہے۔(۱)

نظامِ ربوبیت سے توحید پر استدلال

جو رب العالمین تمام کائنات کی پرورش کر رہا ہے اور جس کی ربوبیت کا اعتراف ہمارے دل کے ایک ایک ریشے میں موجود ہے، اس کے سوا کون اس کا مستحق ہو سکتا ہے کہ بندگی و نیاز کا سر اس کے سامنے جھکایا جائے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٢١﴾ (البقرة)

نظامِ ربوبیت سے وحی اور رسالت کی ضرورت پر استدلال

جس رب العالمین نے ہماری پرورش کے لئے ربوبیت کا ایسا انتظام قائم کر رکھا ہو کیا ممکن ہے کہ اس نے ہماری روحانی فلاح و سعادت کے لئے کوئی قانون کوئی نظام کوئی قاعدہ

---

(۱) معارف القرآن کاندھلوی: ج ۱ ص ۱۴، ۱۵

Marfat.com

مقرر نہ کیا ہو۔ جس طرح ہمارے جسم کی ضرورتیں ہیں اس طرح ہماری روح کی بھی ضرورتیں ہیں، پھر کیسے ممکن کہ جسم کی نشو ونما کے لئے تو اس کے پاس سب کچھ ہو لیکن روح کی نشو ونما کے لئے اس کے پاس کچھ نہ ہو، جو پروردگار اجسام کی پرورش کے لئے آسمان سے موسلا دھار پانی برسائے لیکن ارواح کی پرورش کے لئے ایک قطرہ فیض بھی نہ رکھے کیا یہ ممکن ہے؟ جو زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے پھر کیا ہماری روح کو زندگی سے نہیں بدل سکتا، جو ستاروں کی روشن علامتوں سے خشکی وتری کی ظلمتوں میں ہماری رہنمائی کرسکتا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ہماری روحانی زندگی کی تاریکیوں کے لئے اس کے پاس کوئی روشنی نہ ہو۔

گیارہویں بحث: لفظ رب کا اطلاق بغیر اضافت کے غیر اللہ کے لئے جائز نہیں

۱......امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ اگر لفظ ''رب'' کو مطلقاً (بغیر اضافت) کے ذکر کیا جائے تو اس کا اطلاق صرف اللہ پر ہوگا (مخلوق پر اطلاق کے لئے اضافت ضروری ہے جیسے ''رب الدار'' وغیرہ):

ولا یقال الرب مطلقا إلا لله تعالی۔[1]

۲......قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ بغیر اضافت کے اس کا اطلاق نہیں کیا جائے گا مگر صرف اللہ تعالی پر:

ولا یُطلَق غیر مُضافٍ إلّا علی اللہ عزّ وجل۔[2]

۳......علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں:

لفظ ''رب'' کا اطلاق نہیں کیا جائے گا مگر صرف اللہ تعالی کی ذات پر۔ بندے پر

---

(۱) المفردات: کتاب الراء، رب، ص ۱۹۰

(۲) التفسیر البیضاوی: سورۃ الفاتحۃ، ج ۱ ص ۳۲

Marfat.com

اطلاق کے لئے اضافت ضروری ہے جیسے "إِنَّهُ رَبِّيْ أَحْسَنَ مَثْوَايَ" یعنی یہ میرا آقا ہے جس نے مجھے بہترین ٹھکانہ دیا:

ولم يطلقوا الرب إلا في الله وحده وهو في العبد مع التقييد إنه ربي احسن مثواي۔ (١)

۴......علامہ ابن منظور رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ "رب" کا اطلاق بغیر اضافت کے صرف اللہ پر ہوگا:

ولا يُطلَق غير مُضافٍ إلّا على الله عزّ وجل۔ (٢)

۵......حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

لفظ "رب" کو غیر اللہ کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا، البتہ اضافت کے ساتھ کرنا درست ہے، جیسے "رب الدار" "رب کذا" وغیرہ۔

ولا يستعمل الرب لغير الله، بل بالإضافة تقول: رب الدار رب كذا۔ (٣)

بارہویں بحث: قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کی وہ دعائیں جن میں لفظ "رب" مذکور ہے

تمام انبیاء علیہم السلام کی دعائیں جو قرآن کریم میں حکایۃً وارد ہیں یا تعلیماً فرمائی گئی ہیں ان سب میں یہی اسم "رب" مذکور ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی دعا ہے:

---

(١) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج١ ص٣٠

(٢) لسان العرب: حرف الراء، رب، ج١ ص٣٩٩

(٣) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج١ ص١٣٤

Marfat.com

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۝ (الاعراف)

اے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم یقیناً نامرادلوگوں میں شامل ہوجائیں گے۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے کہ انہوں نے موذی قوم کی ایذاء سے بچنے کے لئے دعا کی:

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۝ (القمر)

پس اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں بے بس ہوں پس تو میری مدد کر۔

نیز فرمایا:

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ۔ (المؤمن:۲۶)

یعنی اے پروردگار! میری مدد فرما کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔

نیز ان کو یہ دعاء سکھائی کہ کشتی سے سلامتی سے اترنے کے لئے یوں دعاء کرنا:

وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ۝ (المومنون)

اے پروردگار! اتار مجھ کو اتارنا برکت کا اور تو بہتر اتارنے والا ہے۔

طلبِ ولد کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ۝ (الأنبیاء)

اے رب! مت چھوڑ مجھے اکیلا اور آپ سب سے بہتر وارث ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے شریروں کے مقابلے میں یوں دُعا کی:

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ۝ (العنکبوت)

پروردگار! ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرمائیے۔

حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے جب خانہ کعبہ کی تعمیر کی تو یہ دعا فرمائی:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۝ (البقرۃ)

Marfat.com

پروردگار! ہم سے یہ عمل قبول فرما بیشک تو دعاؤں کو سننے والا (اور نیتوں اور کیفیتوں کا) جاننے والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے جب سب مقاصد پورے ہو چکے تو خاتمہ بالخیر کے لئے یوں دعا کی:

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (یوسف)

اے پروردگار! تو نے مجھے کسی قدر حکومت بھی بخشی اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم بھی سکھایا ہے، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا پروردگار ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، مجھے ایمان کی حالت میں موت دے اور زمرہ صالحین میں شامل فرما۔

جب بنی اسرائیل فرعون کے مظالم سے تنگ آ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنے کا حکم دیا اور یہ دعا مانگی:

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ (یونس)

پروردگار! ہم کو ظالم لوگوں کا تختہ مشق نہ بنا اور ہمیں اپنی رحمت سے ان کافر لوگوں سے نجات دے۔

حضرت داود علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ (ص)

اس لئے انہوں نے اپنے پروردگار سے معافی مانگی، جھک کر سجدے میں گر گئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یوں بیان فرمائی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ (ص:۳۵)

Marfat.com

اے میرے رب! میری بخشش فرمادے، اور مجھے ایسی بادشاہت عطا کر کہ میرے بعد کسی اور کے لئے مناسب نہ ہو۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے سخت مصیبت اور بیماری کے وقت یوں دعا فرمائی:

وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ (الانبیاء)

اور ایوب نے جب اپنے رب کو پکارا کہ مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کے متعلق فرمایا:

لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ (القلم)

اگر ان کے پروردگار کے فضل نے انہیں سنبھال نہ لیا ہوتا تو انہیں بُری حالت کے ساتھ اس کھلے میدان میں پھینک دیا جاتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نزول مائدہ کے لئے یوں دعا کی:

قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ (المائدہ)

اے اللہ! ہمارے رب ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمائیے کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد ہیں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جاوے، اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جاوے اور آپ ہم کو عطا فرمائیے اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں۔

یہ وہ دعائیں ہیں جو قرآنِ کریم میں انبیاء سابقین کی مذکور ہیں، اور یہ مندرجہ ذیل حاجات کے متعلق ہیں۔

۱......گناہ کی معافی کے لئے۔ ۲......دشمنوں کے شر سے بچنے کے لئے۔

۳......اولاد کی طلب کے لئے۔ ۴......عمل کی قبولیت کے لئے۔

۵......بیماری سے شفاء پانے کے لئے۔

Marfat.com

۶...... مصیبت سے نجات پانے کے لئے۔

۷...... کشتی سے سلامتی کے ساتھ کنارے اترنے کے لئے۔

۸...... خاتمہ بالخیر کے لئے۔ ۹...... حصول ملک کے لئے۔

۱۰...... طلبِ رزق کے لئے۔

تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی حاجات کے وقت صرف اللہ تعالی سے دعا کی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امت کے لوگوں کو بھی یہ حاجتیں پیش آئیں تو وہ بھی صرف اللہ ہی کو پکاریں کیونکہ وہ رب العالمین ہے، پس جو اللہ کو اپنا حقیق رب سمجھے گا وہ شرک سے باز رہے گا۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دعائیں تعلیم دی گئیں وہ بھی اکثر لفظ رب سے شروع ہوتی ہے، مثلاً فرمایا:

وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝۹۷ وَ اَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝۹۸ (المؤمنون)

اور آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے، اور اے میرے رب! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس آئے۔

جنگ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ۳۱۳ جانثاروں کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اس کے متعلق فرمایا:

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝۱۲۴ (آل عمران)

اے پیغمبر! وہ وقت بھی یاد کرو جب تم مؤمنوں سے فرما رہے تھے کہ کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہاری مدد کرے۔

اور مؤمن نزولِ امداد کے لئے اپنے پروردگار سے جو التجائیں کرتے تھے اس کا نقشہ یوں کھینچا:

Marfat.com

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ (الأنفال: ۹)

اس وقت کو یاد کرو جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی دعاؤں میں لفظ ''رب'' مذکور ہے۔

تیرہویں بحث: لفظ ''رب'' قرآن کریم میں پانچ معانی میں استعمال ہوا ہے

۱...... وَ قَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ؗ فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ (یوسف)

اوران دونوں میں سے جس کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا، اس سے یوسف نے کہا کہ اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کر دینا۔ پھر ہوا یہ کہ شیطان نے اس کو یہ بات بھلا دی کہ وہ اپنے آقا سے یوسف کا تذکرہ کرتا، چنانچہ وہ کئی برس قید خانے میں رہے۔

اس آیت میں لفظ ''رب'' سردار و آقا کے معنی میں ہے۔

۲...... اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ؗ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ (النمل)

(اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ) مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اس شہر کو حرمت بخشی، اور ہر چیز کا مالک وہی ہے، اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل رہوں۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۙ﴿۳﴾ (القریش)

اس لئے انہیں چاہئے کہ وہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔

Marfat.com

ان دونوں آیات میں لفظ ''رب'' بمعنی مالک کے استعمال ہوا ہے۔

۳...... اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳۱ (التوبة)

انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے اَحبار (یعنی یہودی علماء) اور راہبوں (یعنی عیسائی درویشوں) کو خدا بنالیا، اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہ ان کی مشرکانہ باتوں سے بالکل پاک ہے۔

اس آیت میں لفظ ''رب'' بمعنی شارع کے ہے۔

۴..... قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳ (یوسف)

یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ میرا مربی ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے، سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ ظلم کرتے ہیں انہیں فلاح حاصل نہیں ہوتی۔

اس آیت میں لفظ ''رب'' بمعنی مربی کے استعمال ہوا ہے۔

۵... اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۵۱ (آل عمران)

بے شک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ یہی سیدھا راستہ ہے کہ (صرف اسی کی عبادت کرو)

اس آیت میں لفظ ''رب'' بمعنی معبود کے استعمال ہوا ہے۔

لفظ رب پر جب الف لام داخل ہو جائے تو یہ ذات باری کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''رب'' پر جب الف لام

Marfat.com

داخل ہوجائے تو پھر یہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوتا ہے، پھر اس کا اطلاق مخلوق پر کرنا جائز نہیں اس صورت میں الف لام عہد خارجی کے لئے ہوگا، اور اگر الف لام کو حذف کر دیا جائے تو اس صورت میں لفظ رب خالق اور مخلوق کے درمیان مشترک ہوجائے گا، البتہ جب مخلوق کے لئے استعمال ہو تو اضافت کے ساتھ ہوگا:

متی أدخلت الألف واللام علی رب اختص الله تعالی به، لأنها للعهد وإن حذفنا منه صار مشترکا بین الله وبین عباده۔ (۱)

لفظ رب کے متعلق ایک اہم نکتہ

علامہ محمد امین بن عبداللہ ہرری فرماتے ہیں کہ لفظ رب کے اندر ایسی خاصیت پائی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیگر اسماء میں نہیں پائی جاتی، وہ یہ کہ اگر آپ لفظ رب کو پلٹ دیں تب بھی یہ اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہوگا (یعنی بَـرّ) جبکہ اگر دیگر اسمائے باری تعالیٰ کو پلٹ دیں تو پھر وہ اسمائے باری تعالیٰ میں سے نہیں رہتے:

دقیقة فی لفظ رب خصوصیة لا توجد فی غیره من أسمائه تعالی وهو أنك إذا قراءته طردا کان من أسمائه تعالی وإن قلبته کان من أسمائه تعالی۔ (۲)

چودہویں بحث: لفظِ عالمین کی تحقیق

یہ ''عَـالَم'' کی جمع ہے، عالم کا لغوی معنی ''ما یعلم به الشیء'' جیسے خاتم کا معنی ''مایختم به'' عرف میں عالم کا معنی ''مایعلم به الصانع'' عرفی معنی میں تخصیص ہے جیسا کہ لغوی معنی میں تعمیم ہے، تو عالم سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے وجود سے خالقِ کائنات

---

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۸۲

(۲) حدائق الروح والریحان: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵۶

Marfat.com

کے وجود پر استدلال کیا جا سکے خواہ وہ انسان ہوں یا دیگر حیوانات، نباتات ہوں یا جمادات ہوں:

و العالم اسم لما يعلم به كالخاتم۔ (۱)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ اجسام، جواہر، اعراض اور ہر وہ موجود چیز جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہے وہ عالم ہے، عالَم کو عالم اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے وجود پر علامت ہیں:

والعالم هو ما علم به الخالق من الأجسام والجواهر والأعراض أو كل موجود سوى الله تعالى سمي به لأنه علم على وجوده۔ (۲)

عالم کے متعلق اہلِ علم کے دو قول ہیں

۱...... یہ خاتم کی طرح اسم آلہ کا صیغہ ہے۔

۲...... یہ جمع ہے لیکن اس کے لئے کوئی واحد نہیں ہے، اس کے لحاظ سے تو گویا لفظاً مفرد ہے، اور معناً جمع ہے جیسے قوم ورہط وغیرہ۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اہل تاویل کا لفظ ''عالمین'' کے بارے میں بہت اختلاف ہے، امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عالم کی جمع ہے اور اللہ کے سوا ہر موجود شی عالم ہے، لفظ عالم کا کوئی واحد نہیں جیسا کہ ''رہط'' اور ''قوم'' وغیرہ کا واحد نہیں آتا:

اختلف أهل التأويل في العالمين اختلافا كثيرا، فقال قتادة: العالمون جمع عالم وهو كل موجود سوى الله تعالى ولا واحد له من لفظه مثل رهط وقوم۔ (۳)

---

(۱) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۲

(۲) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۰

(۳) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۸۳

Marfat.com

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ "عالمین" عالم کی جمع ہے، اللہ کے سوا ہر موجود شی عالم ہے، عالمین جمع ہے اور اس کے لفظ سے اس کا کوئی مفرد نہیں ہے:

والعالمین: جمع عالم، وھو کل موجود سوی اللہ عز وجل، والعالم جمع لا واحد له من لفظه۔ (۱)

پندرہویں بحث: لفظ عالمین کے مصداق کے متعلق اہلِ علم کے اقوال

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے لفظ عالم کے مصداق کے بارے میں اہل علم کے چھ (۶) اقوال نقل کیے ہیں۔

۱.....امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "عالمین" عالم کی جمع ہے اور اللہ کے سوا ہر موجود شی عالم ہے۔

۲.....حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عالمین سے مراد جنات اور انسان ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًا" تاکہ وہ سارے دنیا جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانوروں کو ڈرانے والے بن کر نہیں آئے (صرف جن وانس کی طرف مبعوث ہوئے)

۳.....امام فرار اور امام ابوعبیدہ رحمہما اللہ کے نزدیک عالم ذوی العقول کو کہتے ہیں اور وہ چار جنسیں ہیں: انسان، جنات، فرشتے اور شیاطین۔

۴.....وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) عالم پیدا کیے ہیں جن میں سے ایک دنیا ہے۔

۵.....حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرق سے مغرب تک دنیا

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورۃ الفاتحۃ، ج۱ ص۱۲۴

Marfat.com

ایک عالم ہے، اور اللہ تعالی نے ایسے چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) عالم پیدا کئے ہیں۔

۶.....امام مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کل اسی ہزار (۸۰۰۰۰) عالم ہیں جن میں سے چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) خشکی میں اور چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) سمندر میں ہیں:

قال قتادة: العالمون جمع عالم وهو كل موجود سوى الله تعالى، وقال ابن عباس: العالمون الجن والإنس، دليله قوله تعالى: ليكون للعالمين نذيرا ولم يكن نذيرا للبهائم، وقال الفراء وأبو عبيدة: العالم عبارة عمن يعقل، وهم أربعة أمم: الإنس والجن والملائكة والشياطين، وقال وهب بن منبه: إن لله عز وجل ثمانية عشر ألف عالم، الدنيا عالم منها، وقال أبو سعيد الخدري: إن لله أربعين ألف عالم، الدنيا من شرقها إلى غربها عالم واحد، وقال مقاتل: العالمون ثمانون ألف عالم، أربعون ألف عالم في البر وأربعون ألف عالم في البحر۔ (۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے عالم کے مصداق کے بارے میں اہل علم کے دس (۱۰) اقوال نقل کئے ہیں، اہلِ علم حضرات اصل تفسیر کی طرف مراجعت فرمائیں۔ (۲)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) عالم کے مصداق کے متعلق اہل علم کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس مقام پر مناسب یہ ہے کہ ”عالمین“ کو عام رکھا جائے، اور عالم اتنی کثرت کے ساتھ ہیں انہیں کوئی شمار نہیں کرسکتا:

والمناسب للمقام هنا العموم والعوالم كثيرة لا تحصيها الأرقام۔ (۳)

---

(۱) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۸۳، ۱۸۴

(۲) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۴

(۳) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۰۷

Marfat.com

مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ ''العالمین'' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومِ بعثت کی طرف اشارہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہر ہر نبی اپنی قوم کی روحانی تربیت کرتے تھے یعنی ان کی بعثت خصوصی تھی، جب نبی آخر الزماں آئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ والوں کے پاس بھیجا تا کہ آپ یہاں سے جماعت تیار کر کے اپنا دست بازو بنا کر پھر باہر جا کر دعوت وتبلیغ شروع کریں، پھر اسی جماعت نے روم وفارس کو فتح کیا، تو آپ کی بعثت اقوامِ عالم کی طرف تھی، آپ کی بعثت کوئی علاقائی یا صوبائی نہیں تھی، اس لئے حضرت نے ترجمہ کیا وہ پالنے والا ہے ساری قوموں کا تا کہ حضور علیہ السلام کی ختمِ نبوت اور آپ علیہ السلام کی عمومِ بعثت کی طرف اشارہ ہو کہ آپ سب کی طرف رسول بن کر آئے ہیں۔

لفظ عالمین کو جمع کے صیغے کے ساتھ لانے میں کیا حکمت ہے؟

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عالمین کو جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر فرمایا تا کہ وہ اپنے ماتحت مختلف قسم کی اجناس کو شامل ہو، اور ان اجناس مختلفہ میں عقلاء کو غلبہ دیتے ہوئے عالم کو یاء نون کے ساتھ جمع لائے جس طرح عقلاء کے دوسرے اوصاف کی یاء نون کے ساتھ جمع آتی ہے:

وإنما جمعه ليشمل ما تحته من الأجناس المختلفة، وغلب العقلاء منهم فجمعه بالياء والنون كسائر اوصافهم۔[1]

لفظ عالمین کو جمع قلت کے صیغے کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا جبکہ مقام جمع کثرت کا تھا؟

عالمین کو جمع قلت کے ساتھ ذکر کیا حالانکہ مقام اس بات کا تھا کہ اس کو جمع کثرت کے صیغے کے ساتھ لاتے، تو جمع قلت کے صیغے کے ساتھ ذکر کرنا اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ

(۱) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۲

Marfat.com

عالم کتنے ہی کثیر کیوں نہ ہوں لیکن ذاتِ باری تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کے سامنے یہ اقل القلیل ہے ان کی کوئی حیثیت نہیں:

فإن قيل: لم جمع جمع قلة مع أن المقام يستدعي الإتيان بجميع الكثرة،أجيب: بأن فيه تنبيهاً على أنهم وإن كثروا قليلون في جنب عظمته وكبريائه تعالى۔ (۱)

وإنما كان الجمع الواو والنون مع أنه في المشهور جمع قلة والظاهر مستدع لجمع الكثرة تنبيها على أن العوالم وإن كثرت قليلة بل أقل من القليل في جنب عظمة الله تعالى وكبريائه۔ (۲)

لفظ عالم ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب کو شامل ہے پھر واو نون کے ساتھ اس کی جمع کیوں لائی گئی؟

جواب: یہاں جمع لانے میں عقلاء کو ان کی شرافت کی وجہ سے غلبہ دیا گیا ہے غیر عقلاء پر، لہٰذا جس طرح عقلاء کی دیگر صفات کی جمع واو نون کے ساتھ لائی جاتی ہے اسی طرح عالم کی جمع بھی واو نون کے ساتھ لائی گئی:

وغلب العقلاء منهم فجمعه بالياء والنون كسائر أوصافهم۔ (۳)

لفظ عالمین میں الف لام کونسا ہے؟

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ ''العالمین'' میں الف لام استغراق کا ہے، اور قرینہ اس پر یہ مقام خطاب ہے کہ الف لام عہد خارجی کا نہیں ہے، اور نہ ہی یہ الف لام جنس پر محمول ہوسکتا ہے اور نہ عہد ذہنی پر، تو اب یہ متعین ہوگیا کہ یہ الف

---

(۱) السراج المنير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۹

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۰۸

(۳) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۲

Marfat.com

لام استغراق کا ہے مقصود اس سے تمام افراد کا احاطہ کرنا ہے:

والتعريف فيه للاستغراق بقرينة المقام الخطابي فإنه إذا لم يكن عهد خارجي ولم يكن معنى للحمل على الحقيقة ولا على المعهود الذهني تمحض التعريف للاستغراق لجميع الأفراد۔ (۱)

لفظ عالمین کو جمع کے صیغے کے ساتھ کیوں ذکر کیا؟

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ عالم کو جمع کے صیغے کے ساتھ لایا اس لئے کہ اگر اس کو مفرد کے صیغے کے ساتھ لاتے تو یہ وہم ہوتا ہے کہ الف لام عہد خارجی کے لئے یا جنس کے لئے ہے، تو مطلب یہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ معہود جنسِ عالم یا مخصوص جنس کا رب ہے، تو جمع کے صیغے کے ساتھ لایا تا کہ تصریح ہو اس بات پر کہ یہ صیغہ جمع استغراق کے لئے ہے تا کہ تمام مخلوقات کو شامل ہو:

وإنما جمع العالم ولم يؤت به مفردا لأن الجمع قرينة على الاستغراق۔ (۲)

سولہویں بحث: لفظ عالمین قرآن کریم میں تین معانی میں استعمال ہوا ہے

لفظ عالم قرآن کریم میں تین معانی میں استعمال ہوا ہے۔

۱..... تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَاۙ (الفرقان)

بڑی شان ہے اس ذات کی جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کا فیصلہ کر دینے

---

(۱) التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۶۸

(۲) التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۶۸

Marfat.com

والی یہ کتاب نازل کی تا کہ وہ دنیا جہاں کے لوگوں کو خبردار کردے۔

اس آیت میں عالمین سے مراد جنات اور انسان ہیں۔

۲...... قَالَ فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ (الشعراء)

فرعون نے کہا: اور یہ رب العالمین کیا ہے؟

اس آیت میں عالم سے مراد کل ماسوی اللہ ہے۔

۳...... اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ (الشعراء)

کیا دنیا جہاں کے سارے لوگوں میں تم ہو جو مردوں کے پاس جاتے ہو۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ (البقرة)

اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور یہ بات (یاد کرو) کہ میں نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی تھی۔

ان دونوں آیتوں میں عالم سے مراد اہل العصر الواحد یعنی ایک زمانے کے لوگ ہیں۔

افعال کا خالق کون ہے؟

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بناء پر اس کی تعریف کی جاتی ہے اور ان نعمتوں میں سے ایک ایمان بھی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ایمان بھی دیگر نعمتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کا فعل اور اسی کی مخلوق ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ''رَبِّ الْعَالَمِينَ'' میں اس کی دلیل موجود ہے۔ جب اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کو پالنے والا ہے تو سارے جہاں اس کی مخلوق ہیں، انہی میں سے ایمان بھی ہے۔ اس سے فرقہ قدریہ کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان انسان کا اپنا پیدا کیا ہوا ہے۔

الرحمٰن الرحیم کا ماقبل کے ساتھ ربط

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی

Marfat.com

صفت ''رب العلمین'' ذکر فرمانے کے بعد ''الرحمن الرحیم'' کا ذکر اس لئے فرمایا کہ ''رب العلمین'' میں ملکیت و ربوبیت کا ذکر سن کر ایک طرح کا خوف پیدا ہوتا ہے جبکہ ''الرحمن الرحیم'' میں اس خوف کو کم کرنے اور رغبت دلانے کا پہلو نمایاں ہے، یہاں ان دونوں صفات کو یکجا فرما دیا تا کہ اطاعت کا شوق پیدا کرنے اور نافرمانی سے بچنے میں بہترین معاون ثابت ہو۔ یہی اسلوب درج ذیل ارشادات باری تعالیٰ میں بھی اختیار کیا گیا:

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ۔(السجدة: ۴۹،۵۰)

میرے بندوں کو خبر کر دیجئے کہ میں یقیناً بڑا مغفرت والا ہوں، بڑا رحمت والا ہوں، اور یہ کہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ (المومن:۳)

اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرنے والا ہے، توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا ہے، اور بڑی طاقت والا ہے۔

قوله تعالى: الرحمن الرحيم وصف نفسه تعالى بعد رب العالمين، بأنه الرحمن الرحيم، لأنه لما كان فى اتصافه برب العالمين ترهيب قرنه بالرحمن الرحيم، لما تضمن من الترغيب، ليجمع فى صفاته بين الرهبة منه والرغبة إليه، فيكون أعون على طاعته و امنع، كما قال: نبئ عبادى انى انا الغفور الرحيم وان عذابى هو العذاب الأليم، وقال: غافر الذنب وقابل التوب شديد العقاب ذى الطول۔ (1)

---

(1) تفسير القرطبى: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۴

Marfat.com

قال القرطبی انما وصف نفسه بالرحمن الرحیم بعد قوله رب العالمین لیکون باب الترغیب بعد الترهیب۔ (۱)

سترہویں بحث: پچیس (۲۵) آیات جن میں حمد اور ربوبیت کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے

وہ آیات جن میں حمد اور ربوبیت کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ قرآن کریم میں حمد اور ربوبیت کی اس مناسبت کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تقریباً چھ (٦) مقامات پر حکم ہوا ہے۔

۱..... فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ (الحجر)

تم اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو، اور سجدہ بجا لانے والوں میں شامل رہو۔

۲..... فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾ (النصر)

تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو۔ یقین جانو وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔

۳..... فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ (طه)

(اے پیغمبر!) یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں تم ان پر صبر کرو، اور سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی تسبیح اور حمد کرتے رہو، اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو، اور دن کے کناروں میں بھی تاکہ تم خوش ہو جاؤ۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۵

Marfat.com

۴.....فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ۝ (المومن)

(اے پیغمبر!) صبر سے کام لو، یقین رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے قصور پر استغفار کرتے رہو، اور صبح و شام اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔

۵..... فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ۝ (ق)

(اے پیغمبر!) جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں تم اس پر صبر کرو اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو، سورج نکلنے سے پہلے بھی اور سورج ڈوبنے سے پہلے بھی۔

۶..... وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ۝ (الطور)

اور تم اپنے پروردگار کے حکم پر جمے رہو، کیونکہ تم ہماری نگاہوں میں ہو اور جب تم اٹھتے ہو اس وقت اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیا کرو۔

تین مقامات پر فرشتوں کے متعلق ذکر کیا کہ وہ بھی اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں:

۷.....وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ (الزمر)

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہوں گے، اور لوگوں کے درمیان برحق فیصلہ کر دیا جائے گا، اور کہنے والے کہیں گے کہ تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

۸..... اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ

Marfat.com

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ (المومن)

وہ (فرشتے) جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے گرد موجود ہیں وہ سب اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور علم ہر چیز پر حاوی ہے، اس لئے جن لوگوں نے توبہ کر لی ہے اور تیرے راستے پر چل پڑے ہیں ان کی بخشش فرمادے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

۹..... تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (الشوریٰ: ۵)

ایسا لگتا ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں گے اور فرشتے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔

۱۰.....تہجد گزار عابدوں کے متعلق فرمایا:

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (السجدة)

ہماری آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔

۱۱.....خود اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کے بارے میں فرمایا:

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الجاثیة)

غرض تعریف تمام تر اس کی ہے جو سارے آسمانوں کا بھی مالک ہے، زمین کا بھی مالک، اور تمام جہانوں کا بھی مالک۔

قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ربوبیت اور رحمت کو اکٹھا ذکر

Marfat.com

فرمایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں ربوبیت اور رحمت کی مناسبت وربط کو خصوصی طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ سارا سلسلہ تربیت محض رحمت کے تقاضے سے ہے کسی کے سابقہ استحقاق یا اس سے آئندہ کی توقع کی نظر سے نہیں۔ چنانچہ ہم چند مقامات یہاں نقل کرتے ہیں۔

۱۲..... حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کے متعلق فرمایا:

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۝ (البقرۃ)

پھر آدم نے اپنے پروردگار سے (توبہ کے) کچھ الفاظ سیکھ لئے (جن کے ذریعے انہوں نے توبہ مانگی) چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی، بے شک وہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ (الاعراف)

دونوں بول اٹھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گزرے ہیں اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا، اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نامراد لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔

۱۳..... حضرت نوح علیہ السلام کی دعا یوں ذکر کی:

قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَ تَرْحَمْنِيْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ (هود)

نوح نے کہا: میرے پروردگار! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آئندہ آپ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں، اور اگر آپ نے میری مغفرت نہ فرمائی اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں بھی ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا جو برباد ہو گئے ہیں۔

۱۴..... حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا

Marfat.com

یوں بیان فرمائی:

رَبَّنَا وَ اجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً لَّکَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَ تُبۡ عَلَیۡنَا ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۲۸﴾ (البقرۃ)

اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا مکمل فرماں بردار بنا لے اور ہماری نسل سے بھی ایسی اُمت پیدا کر جو تیری پوری تابع دار ہو۔ اور ہم کو ہماری عبادتوں کے طریقے سکھا دے اور ہماری توبہ قبول فرما لے، بے شک تو اور صرف تو ہی معاف کر دینے کا خوگر (اور) بڑی رحمت کا مالک ہے۔

۱۵.....حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے لئے دعا کرنے کا وعدہ کیا:

قَالَ سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ رَبِّیۡ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۹۸﴾ (یوسف)

یعقوب نے کہا: میں عنقریب اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کروں گا، بے شک وہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

۱۶.....حضرت یوسف علیہ السلام نے اظہار تواضع وانکساری کے طور پر فرمایا:

وَ مَاۤ اُبَرِّیٴُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾ (یوسف)

اور میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میرا نفس بالکل پاک صاف ہے، واقعہ یہ ہے کہ نفس تو برائی کی تلقین کرتا ہی رہتا ہے، ہاں میرا رب رحم فرما دے تو بات اور ہے (کہ اس صورت میں نفس کا کوئی داؤ نہیں چلتا) بے شک میرا رب بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

۱۷....حضرت خضر علیہ السلام نے یتیم بچوں کی دیوار جب درست کر دی تو حقیقت بتائی:

وَ اَمَّا الۡجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیۡنِ یَتِیۡمَیۡنِ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ وَ کَانَ تَحۡتَہٗ کَنۡزٌ لَّہُمَا وَ کَانَ اَبُوۡہُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنۡ یَّبۡلُغَاۤ اَشُدَّہُمَا وَ یَسۡتَخۡرِجَا کَنۡزَہُمَا ٭ۖ رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ ۚ وَ مَا فَعَلۡتُہٗ عَنۡ اَمۡرِیۡ ؕ ذٰلِکَ تَاۡوِیۡلُ مَا لَمۡ تَسۡطِعۡ

Marfat.com

عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾ (الکھف)

رہی یہ دیوار تو وہ اس شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے پیچھے ان کا ایک خزانہ گڑھا ہوا تھا، اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا، اس لئے آپ کے پروردگار نے چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، یہ سب کچھ آپ کے رب کی رحمت کی بنا پر ہوا ہے، اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا۔ یہ تھا مقصد ان باتوں کا جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا۔

۱۸.....بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر زوال وارد کرنے کے سلسلے میں فرمایا:

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ (الأعراف)

اور (یاد کرو وہ وقت) جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ وہ ان پر قیامت کے دن تک کوئی نہ کوئی ایسا شخص مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بری بری تکلیفیں پہنچائے گا۔ بے شک تمہارا رب جلد ہی سزا دینے والا بھی ہے اور یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان بھی ہے۔

۱۹.....حضرت ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کی روک تھام کے لئے جو دیوار بنائی تو اللہ کا شکر کر کے فرمایا:

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ (الکھف)

ذُوالقرنین نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے ایسی دیوار بنانے کی توفیق دی) پھر میرے رب نے جس وقت کا وعدہ کیا ہے، جب وہ وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دے گا، اور میرے رب کا وعدہ بالکل سچا ہے۔

Marfat.com

۲۰.....حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں:

وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝ (هود)

تم اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو، یقین رکھو کہ میرا رب بڑا مہربان، بہت محبت کرنے والا ہے۔

۲۱.....حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کے بڑھاپے میں اولاد بخشنے کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ (مريم)

یہ تذکرہ ہے اس رحمت کا جو تمہارے پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔

۲۲...اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے فائدے کے لئے دیگر حیوانات کو پیدا کر کے احسان جتلایا:

وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النحل)

اور یہ تمہارے بوجھ لاد کر ایسے شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم جان مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار بہت شفیق، بڑا مہربان ہے۔

۲۳..... کشتی دریا میں اور جہاز سمندر میں محض خدا کی رحمت سے چلتے ہے:

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ (بنی اسرائیل)

تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو، یقیناً وہ تمہارے ساتھ بڑی رحمت کا معاملہ کرنے والا ہے۔

۲۴.....اللہ تعالیٰ گناہگاروں کی گرفت میں محض بتقاضائے ربوبیت اور رحمت جلدی نہیں کرتے:

وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝ (الكهف)

Marfat.com

اور تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا رحمت والا ہے، جو کمائی انہوں نے کی ہے، اگر وہ اس کی وجہ سے انہیں پکڑنے پر آتا تو ان کو جلد ہی عذاب دے دیتا، لیکن ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جس سے بچنے کے لئے انہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی۔

جنتیوں کو جنت میں تحفہ ملے گا:

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (یٰسین)

رحمت والے پروردگار کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا۔

۲۵..... ان امور کی جامع ایک ہی آیت کافی ہے جس میں ربوبیت اور رحمت کو جمع کیا ہے اور اس میں یہ ظاہر کیا ہے کہ میری رحمت بھی میرے اپنے وعدے کی وجہ سے ہے نہ کہ کسی اور سبب سے ہے۔ چنانچہ فرمایا:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الأنعام)

تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر یہ رحمت کا معاملہ کرنا لازم کر لیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

اٹھارہویں بحث: ''الرحمٰن الرحیم'' کو مکرر کیوں ذکر کیا؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ ''الرحمن الرحیم'' کو پہلے تسمیہ میں پھر سورہ فاتحہ میں دوبارہ ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری رحمت کی کثرت تمام امور سے بڑھ کر ہے، تو تکرار کے ساتھ وسعتِ رحمت کو بیان کیا، تو گویا میں الہ اور رب ایک مرتبہ ہوں اور رحمٰن ورحیم دو مرتبہ ہوں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ میری رحمت کی وسعت تمام امور سے بڑھ کر

Marfat.com

ہے، لیکن یہ بھی فرمادیا کہ میری کثرتِ رحمت کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ پڑ جانا میں روز جزاء کا مالک بھی ہوں:

فإن قيل: إنه تعالى ذكر الرحمن الرحيم في التسمية مرة واحدة، وفي السورة مرة ثانية فالتكرير فيهما حاصل وغير حاصل في الأسماء الثلاثة فما الحكمة؟ قلنا: التقدير كأنه قيل: أذكر أني إله ورب مرة واحدة، وأذكر أني رحمن رحيم مرتين لتعلم أن العناية بالرحمة أكثر منها بسائر الأمور، ثم لما بين الرحمة المضاعفة فكأنه قال: لا تغتروا بذلك فإني مالك يوم الدين۔[1]

فإن قيل: إنه تعالى ذكر الرحمن الرحيم في التسمية ثم ذكرهما مرّة ثانية دون الأسماء الثلاثة الباقية، فما الحكمة في ذلك؟ أجيب: بأن الحكمة في ذلك كأنه قال تعالى: اذكر أني إله ورب مرّة واحدة واذكر أني رحمن رحيم مرّتين ليعلم أنّ العناية بالرحمة أكثر منه بسائر الأمور۔[2]

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ ''الرحمن الرحیم'' کومکرر لانا دلیل ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں، اس لئے کہ اگر تسمیہ سورۂ فاتحہ کا جز ہوتا تو ان کا اعادہ نہ ہوتا اس لئے کہ یہ اعادہ افادے سے خالی ہے:

وهو دليل على أن التسمية ليست من الفاتحة إذ لو كانت منها لما أعادهما لخلو الإعادة عن الإفادة۔[3]

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ ''الرحمن

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۰۸

(۲) السراج المنير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۹

(۳) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۰

Marfat.com

الرحیم'' کو مکرر لانا سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے تاکہ تکرار لازم نہ آئے:

فيه دليل على أن البسملة ليست من الفاتحة كيلا يلزم التكرار۔ (۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ "الرحمن الرحیم" کے تکرار سے ہمارے بعض اکابر حنفیہ کا استدلال کرنا کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے یہ استدلال قوی نہیں ہے، بلکہ ان صفات کا تکرار خاص فائدے کی وجہ سے ہے "الرحمن الرحیم" کو تسمیہ میں اس لئے ذکر کیا تاکہ کلام کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان نام اور صفات کے ساتھ ہو، اور سورہ فاتحہ میں اس لئے ذکر کیا کہ یہ علت ہیں استحقاقِ حمد اور اختصاصِ حمد کے لئے:

واستدل بعض ساداتنا بتكرارهما على أن البسملة ليست آية من الفاتحة وليس بالقوى لأن التكرار لفائدة فذكرهما فى البسملة تعليل للابتداء باسمه عز شأنه وذكرهما هنا تعليل لإستحقاقه تعالى الحمد۔ (۲)

انیسویں بحث: امام رازی رحمہ اللہ نے "الرحمٰن الرحیم" کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں گھر میں تھا اچانک میرے دل میں خیال آیا، میں گھر سے نکلا اور دریائے نیل کے کنارے پہنچا۔ یکا یک میں نے ایک موٹا

(۱) التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱٦

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۱۰

Marfat.com

تازہ بچھو دیکھا جو ساحل کی طرف جارہا تھا، جب وہ کنارے پر پہنچا تو پانی میں سے ایک مینڈک نکلا اور سطح پر تیرنے لگا، بچھو نے جب اسے دیکھا تو کود کر اس کی پشت پر سوار ہوگیا، مینڈک اسے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف لے چلا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں کشتی میں سوار ہوا، اور ان کے پیچھے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ وہ دریا کے اس پار پہنچ گئے، یہاں پہنچ کر بچھو مینڈک کی پیٹھ سے اترا اور خشکی پر چڑھ گیا، میں بھی دریا سے نکل کر اس کے پیچھے ہولیا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں ایک نوخیز لڑکا گہری نیند سو رہا ہے، میں نے دل میں کہا کہ بچھو دوسری جانب سے اس نوجوان کو کاٹنے آیا ہے، ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے ایک زہریلا سانپ دکھائی دیا جو اس سوئے ہوئے لڑکے کی طرف بڑھ رہا تھا، لیکن ابھی وہ لڑکے کے پاس پہنچا ہی تھا کہ بچھو آگے بڑھا اور سانپ کے سر سے چمٹ گیا یہاں تک کہ تھوڑی ہی دیر میں سانپ کو مارا اور خود بھی مر گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو ان سے بچایا:

وروی ذی النون أنه قال: كنت في البيت إذ وقعت ولولة في قلبي، فخرجت من البيت وانتهيت إلى شط النيل، فرأيت عقربا قويا يعدو فتبعته فوصل إلى طرف النيل فرأيت ضفدعا واقفا على طرف الوادي، فوثب العقرب على ظهر الضفدع وأخذ الضفدع يسبح ويذهب، فركبت السفينة وتبعته فوصل الضفدع إلى الطرف الآخر من النيل، ونزل العقرب من ظهره، وأخذ يعدو فتبعته، فرأيت شابا نائما تحت شجرة، ورأيت أفعى يقصده فلما قربت الأفعى من ذلك الشاب وصل العقرب إلى الأفعى فوثب العقرب على الأفعى فلدغه، والأفعى أيضاً لدغ العقرب، فماتا معا، وسلم ذلك الإنسان منهما۔ (۱)

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۰۱

Marfat.com

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص کے ہاں مہمان ٹھہرا جب کھانے کا وقت آیا تو دستر خوان لگایا گیا، کیا دیکھا کہ اچانک ایک کوا آیا اور ایک روٹی اپنی چونچ میں اٹھا کر لے اڑا، یہ منظر دیکھ کر میں اس کے پیچھے چلنے لگا آخر یہ کیا ماجرا ہے، تو دیکھا وہ کوا ایک جگہ اترا جہاں ایک شخص جس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، زندگی سے مجبور ہو کر بے حس پڑا ہوا ہے، تو کوے نے روٹی کو اس کے چہرے پر ڈال دیا، تو وہ شخص روٹی کھانے لگا۔ اس واقعہ سے اللہ کی بے انتہاء قدرت اور وسعت رحمت کا اندازہ ہوتا ہے:

حكى عن إبراهيم بن أدهم أنه قال كنت ضيفا لبعض القوم فقدم المائدة، فنزل غراب وسلب رغيفا، فاتبعته تعجبا، فنزل في بعض التلال، وإذا هو برجل مقيد مشدود اليدين فألقى الغراب ذلك الرغيف على وجهه. (۱)

کوے کی نشو ونما کے ابتدائی مراحل

جب کوے کا بچہ انڈے کے چھلکے سے باہر آتا ہے تو اس کے جسم پر کوئی پر نہیں ہوتا، پس اس وقت وہ گوشت کے سرخ لوتھڑے کی مانند ہوتا ہے، پس اس وقت اس بچے کی ماں اس کے قریب نہیں آتی اور نہ ہی اس کی تربیت کرتی ہے۔ اب حشرات الارض، کیڑے مکوڑے، مچھر وغیرہ اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں کہ یہ مردہ گوشت کا ٹکڑا ہے جیسے ہی قریب آتے ہیں تو کوے کا یہ بچہ ان کو اپنی غذا بنالیتا ہے۔ کئی دنوں تک اس کی یہی حالت رہتی ہے یہاں تک کہ اس کے جسم پر پر آجاتے ہیں اور پروں کی بدولت اس کے جسم کا گوشت چھپ جاتا ہے، تو اب اس کی ماں لوٹ کر آتی ہے، اس وجہ سے عرب کے لوگ یہ الفاظ کہتے ہیں "یا رزاق النعاب فی عشه"

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص ۲۰۱

Marfat.com

ويحكى أن ولد الغراب لما يخرج من قشر البيضة يخرج من غير ريش فيكون كأنه قطعة لحم أحمر، والغراب يفر منه ولا يقوم بتربيته، ثم ان البعوض يجتمع عليه لأنه يشبه قطعة لحم ميت، فإذا وصلت البعوض إليه التقم تلك البعوض واغتذى بها، ولا يزال على هذه الحال إلى أن يقوى وينبت ريشه ويخفى لحمه تحت ريشه، فعند ذلك تعود أمه إليه، ولهذا السبب جاء في أدعية العرب: يا رازق النعاب في عشه۔ (۱)

بیسویں بحث: مَالِك اور مَلِك میں فرق

مالک کہتے ہیں جو اعیان مملوکہ میں اپنی مرضی سے تصرف کرے اور یہ ماخوذ ہے مِلک بکسر المیم سے، اور ملک کہتے ہیں جو مامورین میں امر اور نہی کے ذریعے تصرف کرے اور یہ ماخوذ ہے مُلک بضم المیم سے:

المالك: هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف يشاء من الملك والملك: هو المتصرف بالأمر والنهي في المأمورين من الملك۔ (۲)

امام بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں کہ ملک وہ قادر ذات ہے جو اعیان کو عدم سے وجود بخشے اور اس پر اللہ تعالی کے علاوہ کوئی قادر نہیں ہے:

المالك والملك هو القادر على اختراع الأعيان من العدم إلى الوجود ولا يقدر عليه أحد غير الله۔ (۳)

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۰۱

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۳

(۳) معالم التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۷۴

Marfat.com

مَالِكِ اور مَلِكِ دونوں قراءتیں صحیح اور متواتر ہیں

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ بعض قراء "مَــلِكِ يَــوْمِ الدِّيْنِ" پڑھتے ہیں اور بعض "مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" پڑھتے ہیں یہ دونوں قراءتیں صحیح ہیں اور قراءات سبع میں متواتر ہیں:

قرأ بعض القراء: مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ وقرأ آخرون: مَالِكِ، وكلاهما صحيح متواتر في السبع۔ (۱)

والمتواتر منها قراءة مالك وملك۔ (۲)

علامہ زمخشری اور قاضی بیضاوی رحمہما اللہ کے نزدیک راجح قراءت

علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ بعض قراء "مَالِكِ" اور بعض قراء "مَــلِكِ" پڑھتے ہیں اور یہ دوسری قراءت پسندیدہ ہے، اس لئے کہ اہلِ حرمین کی یہی قراءت ہے، نیز اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ" اور "مَلِكِ النَّاسِ" (ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو یوم جزاء میں صفت ملک کے ساتھ متصف کیا ہے، لہذا "مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" کے اندر بھی ایسی قراءت اختیار کی جائے جس کی وجہ سے ذات باری صفت مُلک کے ساتھ متصف ہو جائے، تاکہ دونوں آیتوں میں تناسب معنوی ہو جائے اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جبکہ "مَلِكِ" پڑھا جائے کیونکہ "مَلِكِ" "مُلْك" ہی سے مشتق ہوسکتا ہے "مِلْك" سے نہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ راجح قراءت مَلِكِ ہے، مالک نہیں)۔

ومنهم من قرأ: مالك بالرفع، وملك: هو الاختيار، لأنه قراءة أهل الحرمين، ولقوله: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ولقوله: مَلِكِ النَّاسِ۔ (۳)

---

(۱) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۵

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۱۲ (۳) الكشاف: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵۴

Marfat.com

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں: باقی قراء نے ''مَلِكِ'' پڑھا ہے اور یہی پسندیدہ ہے کیونکہ اہل حرمین کی یہی قراءت ہے، نیز اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ'' اور اس لئے بھی کہ اس میں زیادہ تعظیم ہے:

وقرأ الباقون: مَلِكِ وهو المختار لأنه قراءة أهل الحرمين ولقوله تعالى: لِمَنِ الملك اليوم ولما فيه من التعظيم۔ (۱)

اکثر صحابہ اور تابعین کے ہاں ''مَالِكِ'' والی قراءت راجح ہے

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ ''مَالِكِ'' بروزن ''فاعل'' مجرور ہے، یہ امام عاصم اور امام کسائی رحمہما اللہ کی قراءت ہے، اور یہ اکثر صحابہ کی قراءت ہے، صحابہ میں حضرت ابی بن کعب، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم (اور یہ اکثر) تابعین کی قراءت ہے جن میں امام قتادہ اور امام اعمش رحمہما اللہ بھی ہیں:

مالك يوم الدين قرأ مالك كفاعل مخفوضا عاصم والكسائی وقراءة كثير من الصحابة منهم أبی وابن مسعود ومعاذ وابن عباس والتابعين منهم قتادة والأعمش۔ (۲)

امام کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ''مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' والی قراءت پڑھتا ہوں، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بے انتہا فضل وکرم اور وسعت رحمت پر دلالت کرتی ہے:

قال الكسائی: أقرأ مالك يوم الدين لأن هذه القراءة هی الدالة على الفضل الكثير والرحمة الواسعة۔ (۳)

---

(۱) التفسير البيضاوی: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۳

(۲) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۱۱

(۳) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۰۷

Marfat.com

اکیسویں بحث: مالک والی قراءت راجح ہونے کی دس عمدہ وجوہات

شیخ التفسیر والحدیث مولانا ادریس کاندہلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۴ھ) نے مالک والی قراءت راجح ہونے کی دس (۱۰) وجوہات نقل کی ہیں۔

۱..... بادشاہت انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے اور مالکیت انسان اور غیر انسان سب کو شامل ہے۔

۲..... مالک اپنے مملوک کو فروخت کرسکتا ہے بادشاہ اپنی رعایا کو فروخت نہیں کرسکتا۔

۳..... رعیت بادشاہ کی ملک اور سلطنت سے بھاگ کر نکل سکتی ہے اور مملوک بھاگ کر مالک کی ملکیت سے نہیں نکل سکتا۔

۴..... غلام پر مولا کی خدمت واجب ہے، رعایا پر بادشاہ کی خدمت واجب نہیں۔

۵..... غلام بغیر آقا کی اجازت اور اذن کے کوئی تصرف نہیں کرسکتا اور رعیت بغیر بادشاہ کی اجازت کے کام کرسکتی ہے۔

۶..... غلام کو آقا سے توقع رحم وکرم کی ہوتی ہے اور رعیت کو بادشاہ سے عدل اور انصاف کی امید ہوتی ہے اور بندہ رحم وکرم کا زیادہ محتاج ہے۔

۷..... بادشاہت میں ہیبت زیادہ ہے اور مالکیت میں شفقت اور عنایت زیادہ ہے۔

۸..... بادشاہ کے سامنے جب لشکر پیش ہوتا ہے تو ضعیفوں اور کمزوروں اور بیماروں کو نظر انداز کردیتا ہے اور مالک ضعیف اور کمزور غلاموں پر مزید توجہ کرتا ہے۔

۹..... مالک کو مملوک سے تعلق زیادہ ہوتا ہے بادشاہ کو رعایا سے اتنی محبت اور تعلق نہیں جتنا کہ آقا کو غلام سے ہوتا ہے۔

۱۰..... مالک میں ملک سے ایک حرف زائد ہے اور ایک حرف کی زیادتی سے دس

Marfat.com

نیکیاں ملتی ہیں۔(۱)

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے مذکورہ بالا وجوہات میں سے چھ (۶) وجہیں نقل کی ہیں، دیکھئے تفصیلاً:

(التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الفصل الرابع، ج۱ ص۲۰۴، ۲۰۵)

سوال: لفظ اللہ بہ سبب عَلَم ہونے کے معرفہ ہے جو کہ موصوف ہے، مگر "مالك یوم الدین" اضافتِ لفظی ہونے کی وجہ سے نکرہ ہے جو کہ صفت ہے دونوں میں عدمِ مطابقت ہے، حالانکہ موصوف صفت کے لئے مطابقت ضروری ہے؟

پہلا جواب: اضافت کی دو قسمیں ہیں ۱۔اضافتِ لفظی ۲۔اضافتِ معنوی

۱......اضافتِ لفظی

اضافت لفظی کہتے ہیں صیغہ صفت کا اپنے معمول کی طرف مضاف ہونا۔ اضافتِ لفظی صرف مفید تخفیف ہوتی ہے، یعنی مضاف الیہ سے تنوین ہٹ کر ضمہ آجاتا ہے، لیکن تعریف وتنکیر کے اعتبار سے جس طرح مضاف پہلے نکرہ تھا اسی طرح اضافت کے بعد بھی نکرہ رہتا ہے۔

۲......اضافتِ معنوی

اضافتِ معنوی کہتے ہیں صیغہ صفت کا غیر معمول کی طرف مضاف ہونا۔ اضافتِ معنوی میں اگر مضاف الیہ معرفہ ہو تو اضافت مفید تعریف ہوگی اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو اضافت مفید تخصیص ہوگی۔

یہاں اضافت لفظی نہیں کیونکہ اضافتِ لفظی میں صیغہ صفت اپنے معمول کی طرف مضاف ہوتا ہے، جبکہ یہاں "مالك" کا جو مفعولِ حقیقی تھا یعنی "أمود" اس کو حذف کر دیا گیا ہے، اور لفظِ یوم جو ظرف ہے اس کو توسعاً مفعول بہ کے قائم مقام مان کر مالک کو اس کی

(۱) معارف القرآن کاندھلوی: سورہ فاتحہ، ج۱ ص۱۸)

Marfat.com

طرف مضاف کردیا گیا ہے۔ ورنہ اصل عبارت: "مالك الأمور يوم الدين" تھی، تو یہاں "إضافة الصفة إلى المعمول" نہیں، اب یہ اضافتِ معنوی ہے۔ اور اضافتِ معنوی مفید تعریف ہوتی ہے، لہٰذا اس کا صفت بننا درست ہے۔

دوسرا جواب: "مالك" صیغہ اسم فاعل ہے، اور اسم فاعل کے عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو اور یہاں "مالك" ماضی کے معنی میں ہے، یا دوام واستمرار کے معنی میں ہے۔ اگر ماضی کے معنی میں ہو تو ترجمہ ہوگا "ملك الأمور يوم الدين" کیونکہ "ملك" کا یوم جزاء کے اندر واقع ہونا کا متحقق ہے اسی وجہ سے اس کو بمنزلہ متحقق مان کر صیغہ اسم فاعل کو جو معنی میں مستقبل کے تھا بمنزلہ ماضی کے لیا تاکہ تحقق پر دلالت کرے، جیسے "وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ" اگر دوام واستمرار کے معنی میں ہو تو ترجمہ ہوگا "لله الملك في يوم الجزاء على وجه الاستمرار" بہرصورت چاہے ماضی کے معنی میں لیں یا استمرار کے معنی میں لیں صیغہ صفت کے عمل کرنے کی شرط نہیں پائی گئی، وہ یہ ہے کہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو۔ جب شرط نہیں پائی گئی تو "إضافة الصفة إلى المعمول" نہیں پائی گئی، بلکہ "إضافة الصفة إلى غير المعمول" ہوئی، اب یہ اضافتِ معنوی ہے اور اضافتِ معنوی مفید تعریف ہوتی ہے، لہٰذا اس کا صفت واقع کرنا درست ہے۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ اسم فاعل (یعنی لفظ مالک) کو ظرف (یوم) کی طرف مضاف کر دیا، ظرف کو علی سبیل التوسع مفعول بہ کے قائم مقام بنانے کی وجہ سے (اور اس توسیع کی نظیر) عرب کا قول "یا سارق الليلة أهل الدار" (اس مثال میں لفظ "ليلة" کو جو کہ ظرف تھا بمنزلہ مالِ مسروق مان کر مفعول بہ کے قائم مقام کر دیا گیا، ورنہ اصل عبارت یوں تھی "يا سارق المال في الليلة" اے گھر والوں سے رات میں مال کے چرانے والے) اور اضافت کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمام امور کا یوم جزاء میں مالک ہو گیا، یہ معنی اس انداز پر ہے جس طرح "وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ" وارد ہوا ہے (یعنی آئندہ ہونے والی بات کو بصیغہ ماضی تعبیر کیا گیا) یا معنی یہ ہوں

Marfat.com

گے کہ پروردگار کے لئے اس دن دائمی بادشاہت ہے (یہ معنی اس لئے بیان کیا گیا) تاکہ مالک کی اضافت معنوی ہو جائے، جو مالک میں معرفہ کی صفت بننے کی صلاحیت پیدا کر دے:

أضاف اسم الفاعل إلى الظرف إجراء له مجرى المفعول به على الاتساع كقولهم: يا سارق الليلة أهل الدار، ومعناه، ملك الأمور يوم الدين على طريقة وَنَادى أصحاب الجنة أوله الملك فى هذا اليوم، على وجه الاستمرار لتكون الإضافة حقيقية معدة لوقوعه صفة للمعرفة۔ (۱)

فإن قيل: إضافة اسم الفاعل غير حقيقية فلا تكون معطية معنى التعريف فكيف ساغ وقوعه صفة للمعرفة؟ أجيب: بأنها إنما تكون غير حقيقية إذا أريد باسم الفاعل الحال أو الاستقبال فكان فى تقدير الانفصال كقولك: مالك الساعة أو غدا فأما إذا قصد به معنى الاستمرار: أى هو موصوف بذلك دائما فتكون الإضافة حقيقية كغافر الذنب فصح وقوعه صفة للمعرفة۔ (۲)

روزِ جزاء کی ضرورت واہمیت

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ جب کوئی ظالم ظلم کرتا ہے اور مظلوم اس سے انتقام نہیں لے سکتا، عجز کی وجہ سے یا ناواقف ہونے کی وجہ سے کہ مجھ پر ظلم کس نے کیا؟ یا مظلوم ظالم کے ظلم پر راضی ہے، ان تینوں باتوں کے ساتھ ذات باری تعالیٰ کا متصف ہونا محال ہے، پس ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم سے انتقام لے، جب دنیا میں

---

(۱) التفسير البيضاوى: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۳

(۲) السراج المنير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۰

Marfat.com

ظالم کو اس کے ظلم کی سزا نہیں دی گئی تو ضروری ہے کہ ایک ایسا جہان ہو جہاں ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دی جائے، اور مظلوم کی مدد کی جائے پس اسی جہان کو روزِ جزاء کہتے ہیں:

واعلم أن من سلط الظالم علی المظلوم ثم إنه لا ينتقم منه فذاك إما للعجز أو للجهل أو لكونه راضيا بذلك الظلم، وهذه الصفات الثلاث علی الله تعالی محال، فوجب أن ينتقم للمظلومين من الظالمين، ولما لم يحصل هذا الانتقام في دار الدنيا وجب أن يحصل في دار الأخری بعد دار الدنيا، وذلك هو المراد بقوله:

مالك يوم الدين۔[1]

"مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" کی تفسیر قرآنِ کریم سے

"إن القرآن يفسر بعضه بعضا" سورہ انفطار میں اللہ تعالیٰ نے "مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" کی وضاحت فرمائی ہے:

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ (الانفطار)

اور تمہیں کیا پتہ کہ جزاوسزا کا دن کیا چیز ہے؟ ہاں تمہیں کیا پتہ کہ جزاوسزا کا دن کیا چیز ہے؟ یہ وہ دن ہوگا جس میں کسی دوسرے کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوگا، اور تمام تر حکم اُس دن اللہ ہی کا چلے گا۔

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس دن بادشاہت صرف اللہ کی ہوگی، کسی کا کوئی حکم نہیں چلے گا، صرف اللہ کا حکم نافذ ہوگا، پس صرف اللہ ہی اس دن فیصلہ کرنے والا ہوگا کسی اور کے لئے کوئی اختیار نہیں ہوگا:

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحه، الفصل الرابع، ج۱ ص۲۰۴

Marfat.com

وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ اى لا امر إلا لله تعالى وحده فهو القاضي فيه دون غيره۔ (۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''لِلّٰه'' میں لام اختصاص کے لئے ہے، تمام اختیارات صرف اللہ کے ہوں گے کوئی بھی کسی بھی طرح سے اللہ کے ساتھ شریک نہیں ہوگا، یعنی تمام امور میں ہر قسم کے تصرفات اس دن صرف اللہ کے لئے ہوں گے، نہ کہ کسی اور کے لئے:

واللام للاختصاص اى الأمر له تعالى لا لغيره سبحانه لا شركة ولا استقلالًا اى أن التصرف جميعه فى قبضة قدرته عز وجل لا غير۔ (۲)

علامہ عبدالحق حقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ''نفس'' نکرہ، ''لنفس'' نکرہ، ''شیئا'' نکرہ تینوں نکروں کے عموم نے یہ بات بتادی کہ اس روز کسی کا بھی کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ

اس روز اللہ ہی کا اختیار ہوگا۔ (۳)

اس آیت میں ''نفس'' نکرہ، ''لنفس'' نکرہ، ''شیئا'' نکرہ یہ تینوں الفاظ نکرہ پھر تحت النفی استعمال ہوا، اور اصول ہے کہ نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ نیز ''الأمر'' میں الف لام استغراق کے لئے ہے، اور لفظ ''لِلّٰه'' میں لام اختصاص کے لئے ہے۔ اس قدر تاکیدات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اس دن کوئی شخص بالاختیار نہ کسی کو نفع پہنچا سکے گا نہ نقصان، اس دن بادشاہت صرف اور صرف اللہ ہی کی ہوگی۔

---

(۱) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج۳ ص ۶۱۲

(۲) روح المعاني: سورة الانفطار، ج۳۰ ص ۳۸۲

(۳) تفسیر حقانی: سورہ انفطار، ج ۵ ص ۸۱

Marfat.com

''مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کا معنی

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے لفظ ''مالك، قاضی، مُجاز'' تینوں نکرہ تحت النفی کے طور پر استعمال فرمائے، پھر آگے لفظِ غیر کو مطلق ذکر کیا جس سے کوئی مستثنیٰ نہیں، اس بات کی وضاحت کے لئے کہ اُس دن بادشاہت اور ہر قسم کے اختیارات صرف اور صرف ذاتِ باری تعالیٰ کو حاصل ہوں گے، کوئی غیر آپ کے ساتھ کسی بھی طور پر شریک نہیں ہوسکتا:

قال: مالك يوم الدين، أى فى ذلك اليوم لا يكون مالك ولا قاض ولا مجاز غيره، سبحانه لا إله إلا هو۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ''مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کا معنی یہ ہے کہ آج کے دن کوئی شخص فیصلے کا مالک نہیں ہوگا، جیسے کہ وہ دنیا میں مالک ہوتے ہیں:

عن ابن عباس: مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ يقول: لا يملك احد فى ذلك اليوم معه حكما، كملكهم فى الدنيا۔ (۲)

لفظ مالک کی جگہ قاضی اور حاکم کے نہ لانے میں کیا حکمت ہے؟

قاضی اور حاکم لفظِ مالک کا بدل نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ قاضی اور حاکم باوجود وسیع اختیار ہونے کے بھی وہ قانون کے پابند ہوتے ہیں، جو ملکی، سیاسی قانون ہوں ان کے نفاذ کے پابند ہوتے ہیں، اس لئے وہ مطلق اختیار کے مالک نہیں ہوتے، جبکہ مالک کے اختیار مطلق ہوتے ہیں، وہ کسی قانون اور ضابطے کا پابند نہیں ہوتا۔ اس لئے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے مالک کا ترجمہ شہنشاہ کے ساتھ کیا۔ (۳)

---

(۱) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۸۸

(۲) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۶

(۳) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۸۷

Marfat.com

خالق اور مخلوق کی مدح میں بھی فرق

امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر خالق کے حق میں استعمال کرنا مقصود ہو تو "مالک" زیادہ بلیغ ہے، اور مخلوق کے حق میں استعمال کرنا ہو تو "ملک" زیادہ بلیغ ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ مخلوق میں سے جو ملک ہوگا ضروری نہیں کہ وہ مالک بھی ہو، لیکن جب حق تعالیٰ کے لئے استعمال ہوگا تو وہ ملک بھی ہے اور مالک بھی ہے:

وقال أبو حاتم: إن مالكا أبلغ في مدح الخالق من ملك، وملك أبلغ في مدح المخلوقين من مالك، والفرق بينهما أن المالك من المخلوقين قد يكون غير ملك وإذا كان الله تعالى مالكا كان ملكا۔[1]

"یوم الدین" کی جگہ "یوم القیامة" کیوں نہیں فرمایا، اس میں کیا حکمت ہے؟

"یوم الدین" اس لئے فرمایا اگر "یوم القیامة" فرماتے تو آیت کے درمیان جو ہم آہنگی پائی جاتی ہے، آیات میں جو حسن ہے وہ ختم ہو جاتا، نیز لفظ دین کے اندر عموم زیادہ ہے، یہ قیامت کے تمام احوال کو شامل ہے، شروع سے لے کر آخر تک سب کو شامل ہے، جبکہ لفظ قیامت کے مفہوم میں اس قدر وسعت نہیں ہے:

وإنما قال مالك يوم الدين ولم يقل يوم القيامة مراعاة للفاصلة وترجيحا للعموم فإن الدين بمعنى الجزاء يشمل جميع أحوال القيامة من ابتداء النشور إلى السرمد الدائم۔[2]

"ملک" اللہ کی صفت ذاتی ہے، جبکہ "مالک" اللہ کی صفت فعلی ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اگر "ملک" کہا جائے تو یہ اللہ کی

---

(۱) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۸۵

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۱۵

Marfat.com

صفت ذاتی ہے اور اگر "مَالِك" کہا جائے تو یہ اللہ کی صفت فعلی ہے:

إن وصف الله سبحانه بأنه ملك كان ذلك من صفات ذاته، وإن وصف بأنه مالك كان ذلك من صفات فعله۔ (۱)

"مَلِك" نام رکھنے کا حکم

ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنا نام ملک رکھ لے یا ملک ہونے کا دعوی کرے۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَقْبِضُ اللهُ تبَارَكَ وَتَعَالَى الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيَطْوِى السَّمَاءَ بِيَمِيْنِهِ ثُمَّ يَقُوْلُ: أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوْكُ الْأَرْضِ؟ (۲)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے دائیں ہاتھ میں زمین اور آسمان لے کر پکارے گا۔ میں ملک (بادشاہ) ہوں آج زمین کے ملوک (بادشاہ) کہاں ہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے دوسری حدیث منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَخْنَعُ اِسْمٍ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تُسَمَّى بِمَلِكِ الْأَمْلَاكِ۔ (۳)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک سب سے برا نام ملک الاملاک (بادشاہوں کا بادشاہ) ہے۔

حضرت سفیان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد شہنشاہ اور اس جیسے دوسرے نام ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیبانی سے اخنع کا معنی پوچھا تو انہوں

---

(۱) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۸۸

(۲) صحيح مسلم: كتاب صفة القيامة والجنة والنار، ج۴ ص۲۱۴۸، رقم الحديث:۲۷۸۷

(۳) صحيح البخاري: كتاب الأدب، باب أبغض الأسماء إلى الله، ج۸ ص۴۵، رقم الحديث:۶۲۰۶

Marfat.com

نے فرمایا: جو سب سے کمتر اور حقیر ہو۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَخْبَثُهُ وَأَغْيَظُهُ عَلَيْهِ، رَجُلٌ كَانَ يُسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ، لَا مَلِكَ إِلَّا اللهُ۔ (۲)

قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور خبیث آدمی وہ ہوگا جس کا نام ملک الاملاک (باشاہوں کا بادشاہ) ہوگا، کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی ملک (بادشاہ) نہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مالک نام رکھنا جائز نہیں اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی کو مالک کہہ کر پکارنا جائز ہے:

لا يجوز أن يتسمى أحد بهذا الاسم ولا يدعى به إلا الله تعالى۔ (۳)

بائیسویں بحث: لفظ ''یوم'' کا استعمال

لفظ ''یوم'' تین طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

۱......استعمال لغوی ۲......استعمال عرفی ۳......استعمال شرعی

لغت میں لفظ یوم مطلق وقت کے معنی استعمال ہوتا ہے، اور عرف میں طلوعِ شمس سے لے کر غروبِ شمس تک کے لئے، شرع کی اصطلاح میں طلوعِ فجر ثانی اور غروبِ شمس کے درمیان، لیکن یہاں مطلق وقت مراد ہے:

---

(۱) مسند احمد: مسند أبي هريرة، ج۱۲ ص۲۸۲، رقم الحديث: ۷۳۲۹

(۲) صحيح مسلم: كتاب الآداب، باب تحريم التسمي بملك الأملاك، ج۳ ص۱۶۸۸، رقم الحديث: ۲۱۴۳

(۳) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۸۶

Marfat.com

والیوم فی العرف عبارۃ عما بین طلوع الشمس وغروبھا من الزمان وفی الشرع عما بین طلوع الفجر الثانی وغروب الشمس والمراد ھھنا مطلق الوقت۔ (۱)

والیوم فی العرف عبارۃ عما بین طلوع الشمس وغروبھا من الزمان وفی الشرع عند أھل السنۃ عبارۃ عما بین طلوع الفجر الثانی وغروب الشمس ویطلق علی مطلق الوقت۔ (۲)

تیئیسویں بحث: لفظ "دین" کے معنی کے بارے میں

لفظِ دین کی لغوی تحقیق

دین اعمال کے حساب اور بدلے کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما، امام ابن جریج، امام قتادہ اور دیگر کئی علماء رحمہم اللہ سے یہی منقول ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس طرح نقل کیا گیا ہے۔ یہی مفہوم ارشاد باری تعالیٰ کا ہے:

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ (النور:۲۵)

اس دن اللہ تعالیٰ انہیں ان کا پورا پورا بدلہ دے دیں گے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کا حساب چکا دیں گے۔

اسی طرح فرمایا:

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ (المومن:۱۷)

اس دن ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔

نیز فرمایا:

---

(۱) تفسیر أبی السعود: سورۃ الفاتحۃ، ج ۱ ص ۲۴

(۲) روح المعانی: سورۃ الفاتحۃ، ج ۱ ص ۱۱۳

Marfat.com

اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الجاثية)

آج تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

اور ارشاد فرمایا:

ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ (الصفت)

کیا ہمیں بدلہ دیا جائے گا اور ہمارا محاسبہ بھی ہوگا۔

لبید کہتا ہے:

حَصَادُكَ يَوْمًا مَا زَرَعْتَ وَاِنَّمَا   يُدَانُ الْفَتٰى يَوْمًا كَمَا هُوَ دَائِنٌ

آج وہی فصل کاٹو گے جو کاشت کی تھی، بے شک ہر آدمی ایک دن اپنے کیے کا بدلہ پاتا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا ہے:

اِذَا مَا رَمَوْنَا رَمَيْنَاهُمْ   وَدِنَّاهُمْ مِثْلَ مَايَقْرِضُوْنَا

جب انہوں نے ہمیں نشانہ بنایا تو ہم نے بھی انہیں نشانہ بنالیا۔ اور جیسا انہوں نے ہم پر قرض چڑھایا ویسا ہم نے ان کا حساب چکا دیا۔

ایک شاعر کہتا ہے:

وَاعْلَمْ يَقِيْنًا اَنَّ مُلْكَكَ زَائِلٌ   وَاعْلَمْ بِاَنَّ كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ

اور یقین رکھو کہ تمہاری بادشاہی ختم ہونے والی ہے، اور جان لو کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔[1]

علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ "یوم الدین" سے مراد یوم الجزاء ہے، اور اس قبیل سے مثل مشہور ہے:

"کما تدین تدان"

جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

(۱) تفسیر القرطبی: سورۃ الفاتحۃ، الباب الرابع، ج۱ ص۱۴۴

Marfat.com

اور حماسہ کا شعر ہے

"وَلَمْ يَبْقَ سِوَى الْعُدْوَانِ دِنَاهُمْ كَمَا دَانُوا"

(سوائے ظلم پر صبر کرنے کے اور کوئی مرحلہ باقی نہ رہا تو ہم نے بھی ان کو ایسا ہی بدلہ دیا جس طرح کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا)

ويوم الدين يوم الجزاء ومنه قولهم كما تدين تدان وبيت الحماسة: ولم يبق سوى العدوان دناهم كما دانوا۔ (۱)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ دین سے مراد اعمال اور حساب پر بدلہ دینا۔ یہی مطلب بیان کیا ہے حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور امام ابن جریج اور امام قتادہ رحمہما اللہ اور ان کے علاوہ حضرات نے:

الدين: الجزاء على الأعمال والحساب بها، كذلك قال ابن عباس وابن مسعود وابن جريج وقتادة وغيرهم۔ (۲)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) نے لفظ دین کے تین معانی نقل کئے ہیں:

۱..... بدلے کا دن ۲..... شریعت ۳..... اطاعت

يوم الدين: يوم الجزاء وقيل: الدين الشريعة وقيل: الطاعة۔ (۳)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ "يوم الدين" سے مراد یوم الجزاء ہے:

والأرجح عندي أن الدين والجزاء بمعنى فيوم الدين هو يوم الجزاء۔ (۴)

---

(۱) الكشاف: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵۴

(۲) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۸۸

(۳) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۳

(۴) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۱۳

Marfat.com

لفظ ''دین'' قرآنِ کریم میں چھ معانی میں استعمال ہوا ہے

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ دین قرآن کریم میں چھ معانی میں استعمال ہوا ہے

۱.....توحید اور شہادت ۲.....حساب اور مناقشہ ۳.....شریعت کا حکم ۴.....سیاست ۵.....ملت ۶.....دین اسلام

والدّین ورد فی القرآن بمعنی التّوحید والشهادة إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الإِسْلَامُ، أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ، أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ أی التوحيد وله نظائر، وبمعنى الحساب والمناقشة مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ، الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ، وَمَآ أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ أی الحساب وله نظائر أيضاً، وبمعنى حكم الشريعة وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ أی فی حكمه، وبمعنى السّياسة فِي دِينِ الْمَلِكِ أی فی سياسته، وبمعنى المِلَّة وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ أی الملّة المستقيمة، وبمعنى الإسلام هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ۔ (۱)

روزِ جزا کے متعلق قرآنِ کریم میں استعمال کئے گئے بتیس (۳۲) کلمات

دین سے مراد یوم قیامت ہے جسے روزِ جزا سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس دن کوئی شخص بھی اپنے نیک و بد اعمال پر جزا و سزا کے بغیر نہیں رہے گا، اس دن کے لئے قرآن مجید میں مختلف اصطلاحات بیان ہوئی ہیں، جن میں سے ہر ایک کے ذریعے یوم قیامت کے مختلف احوال و کیفیات اور اس کے مناظر و حیثیات کا پتہ چلتا ہے، ہم ان میں سے چند کا ذکر یہاں کرتے ہیں:

---

(۱) بصائر ذوی التمييز فی لطائف الكتاب العزيز: الباب التاسع، ج۲ ص۶۱۷

Marfat.com

۱.....یوم الدین (جزا اور انصاف کا دن)

وَ مَآ اَدۡرٰىكَ مَا يَوۡمُ الدِّيۡنِ ﴿۱۷﴾ (الانفطار)

اور آپ کو کیا معلوم وہ انصاف کا دن کیا ہے۔

۲.....یوم القیامۃ (قیامت کا دن)

فَاللّٰهُ يَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ (البقرۃ)

پس اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن اس معاملے میں (خود ہی) فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں۔

۳.....یوم الحشر (گھیرے جانے کا دن)

وَ نَحۡشُرُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ يَوۡمَئِذٍ زُرۡقًا ﴿۱۰۲﴾ (طٰہٰ)

اور اس دن ہم مجرموں کو یوں گھیر لائیں گے کہ ان کے جسم اور آنکھیں نیلگوں (شدتِ خوف اور اندھے پن کے باعث) ہوں گی۔

۴.....یوم البعث (جی اٹھنے کا دن)

فَهٰذَا يَوۡمُ الۡبَعۡثِ وَلٰكِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۶﴾ (الروم)

اور یہ قیامت کا دن ہے (جی اٹھنے کا دن ہے) اور البتہ تم کو اس کا یقین نہ تھا۔

۵.....یوم الجمع (جمع ہونے کا دن)

يَوۡمَ يَجۡمَعُكُمۡ لِيَوۡمِ الۡجَمۡعِ (التغابن: ۹)

جس دن وہ تم کو جمع ہونے (یعنی قیامت) کے دن اکٹھا کرے گا۔

۶.....یوم الحساب (حساب و کتاب کا دن)

اِنِّىۡ عُذۡتُ بِرَبِّىۡ وَرَبِّكُمۡ مِّنۡ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤۡمِنُ بِيَوۡمِ الۡحِسَابِ۔

(المؤمن: ۲۷)

میں تو اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ میں آ چکا ہوں ہر (اس) متکبر سے جو حساب کے دن پر یقین نہ رکھے۔

Marfat.com

۷.....الیوم الآخر (آخرت کا دن)

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸ (البقرۃ)

اور لوگوں میں سے بعض وہ (بھی) ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ (ہرگز) مومن نہیں ہیں۔

۸.....یوم عظیم (بڑا دن)

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵ (الانعام)

آپ فرما دیجئے کہ بے شک میں (تو) عذاب کے بڑے دن سے ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں (سو یہ کیسے ممکن ہے)۔

۹.....یوم الیم (دردناک دن)

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝۲۶ (ھود)

کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں تم پر ایک دردناک دن کے عذاب (کی آمد) کا خوف رکھتا ہوں۔

۱۰.....یوم عصیب (سختی کا دن)

سِيْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝۷۷ (ھود)

وہ ان کے آنے سے پریشان ہوئے اور ان کے باعث (ان کی) طاقت کمزور پڑ گئی اور کہنے لگے یہ بہت سخت دن ہے۔

۱۱.....یوم محیط (احاطہ کرنے والا دن)

اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝۸۴ (ھود)

بے شک میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور میں تم پر ایسے دن کے عذاب کا خوف (محسوس) کرتا ہوں جو (تمہارا) احاطہ کر لینے والا ہے۔

۱۲.....یوم المجموع (سب کے جمع کئے جانے کا دن)

Marfat.com

ذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ (هود:۱۰۳)

یہ (روزِ قیامت) وہ دن ہے جس کے لئے سب لوگ جمع کیے جائیں گے۔

۱۳.....یوم مشهود (حاضری کا دن)

لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ ﴿۱۰۳﴾ (هود)

اور یہی وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا۔

۱۴.....یوم العذاب (عذاب کا دن)

وَ اَنۡذِرِ النَّاسَ يَوۡمَ يَاۡتِيۡهِمُ الۡعَذَابُ (ابراهيم:۴۴)

اور آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جب ان پر عذاب آ پہنچے گا۔

۱۵.....یوم الوقت المعلوم (معین وقت کا دن)

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ﴿۳۸﴾ (الحجر)

اللہ نے فرمایا بے شک تو مہلت یافتہ لوگوں میں سے ہے، وقت معین کے دن تک۔

۱۶.....یوم الحسرة (حسرت کا دن)

وَ اَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِىَ الۡاَمۡرُ (مريم:۳۹)

اور آپ انہیں حسرت (وندامت) کے دن سے ڈرائیے جب (ہر) بات کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۱۷.....یوم الصور (صور پھونکے جانے کا دن)

يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ (طه:۱۰۲)

جس دن صور پھونکا جائے گا۔

۱۸.....یوم عقیم (کفار کے لئے بے برکت دن)

حَتّٰى تَاۡتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً اَوۡ يَاۡتِيَهُمۡ عَذَابُ يَوۡمٍ عَقِيۡمٍ ﴿۵۵﴾ (الحج)

یہاں تک کہ اچانک قیامت ان پر آ پہنچے یا اس دن کا عذاب آ جائے جس میں ان کے لئے کوئی خیر و برکت نہ ہو۔

Marfat.com

۱۹.....یوم معلوم (مقررہ دن)

لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۬ۙ اِلٰی مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۵۰﴾ (الواقعۃ)

سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ دن کے مقررہ وقت پر۔

۲۰.....یوم الساعۃ (قیامت کی گھڑی کا دن)

وَ یَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ یُبۡلِسُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۱۲﴾ (الروم)

اور جس دن قیامت برپا ہوگی، مجرم آس توڑ کر رہ جائیں گے۔

۲۱.....یوم الفتح (فیصلے کا دن)

قُلۡ یَوۡمَ الۡفَتۡحِ لَا یَنۡفَعُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِیۡمَانُہُمۡ وَ لَا ہُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ ﴿۲۹﴾ (السجدۃ)

آپ فرما دیجئے اس فیصلے کے دن کافروں کا ایمان لانا ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اس دن ان کو مہلت دی جائے گی۔

۲۲.....یوم الفصل (فیصلے کا دن)

ہٰذَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ الَّذِیۡ کُنۡتُمۡ بِہٖ تُکَذِّبُوۡنَ ﴿۲۱﴾ (الصافات)

یہی وہ فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

۲۳.....یوم التلاق (ملاقات کا دن)

یُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ لِیُنۡذِرَ یَوۡمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ۙ (المومن)

وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے تاکہ وہ (لوگوں کو) ملاقات کے دن سے ڈرائے۔

۲۴.....یوم التناد (پکار کا دن)

وَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ یَوۡمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ (المومن)

اور اے میری قوم! مجھے تمہارے بارے میں پکار کے دن کا اندیشہ ہے۔

Marfat.com

۲۵.....یوم البطشۃ الکبریٰ (سخت گرفت کا دن)

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾ (الدخان)

جس دن ہم سخت پکڑ پکڑیں گے بے شک ہم بدلہ لے کر چھوڑیں گے۔

۲۶.....یوم الوعید (وعید کا دن)

وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾ (ق)

اور صور پھونکا جائے گا، یہی وعید کا دن ہوگا۔

۲۷.....یوم الخروج (خروج کا دن)

ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ (ق)

یہی نکلنے کا دن ہوگا۔

۲۸.....یوم عسر (سخت دن)

مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿۸﴾ (القمر)

اس پکارنے والے کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے (اور) کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے۔

۲۹.....یوم التغابن (ہار جیت کا دن)

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ (التغابن: ۹)

وہ ہار جیت کا دن ہوگا۔

۳۰.....یوم عسیر (بہت ہی سخت دن)

فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ﴿۹﴾ (المدثر)

سو وہ دن بڑا ہی سخت دن ہوگا۔

۳۱.....الیوم الحق (حق وصداقت کا دن)

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ (النبا)

یہ دن حق ہے پس جو چاہے اپنے رب کے پاس اپنا ٹھکانہ بنا لے۔

Marfat.com

۳۲.....الیوم الموعود (وعدے کا دن)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝ (البروج)

اور اس دن کی قسم جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت کو یومِ آخرت کے ساتھ کیوں مختص کیا؟

دنیا کے اندر اگر چہ حقیقتاً ملکیت اللہ ہی کی ہے مگر بظاہر انسان بھی مالک نظر آتا ہے جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ انسان بھی ملکیت میں شریک ہے، اس کے برخلاف آخرت میں کہ وہاں تنہا اللہ کا حکم نافذ ہوگا، حقیقت میں بھی اور ظاہر میں بھی، اسی تفرد کی بناء پر مالکیت کی نسبت خاص طور سے یوم آخرت کی طرف کی۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ ''یوم الدین'' کی تخصیص اس لئے کہ اس دن مخلوق کے بارے میں صرف اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہوگا:

إنما خص يوم الدين لأنه ينفرد يومئذ بالحكم في خلقه۔ (۱)

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر روزِ جزاء کا ذکر کیوں فرمایا جبکہ وہ تو ہر چیز کا مالک ہے؟

دنیا میں تو فرعون نمرود وغیرہ اور ان جیسے دوسرے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بادشاہت کا دعویٰ کرتے تھے مگر روز جزا کے دن اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بادشاہت کا دعویدار کوئی بھی نہیں ہوگا، ہر کوئی اس کے سامنے عاجز ہوگا، اس روز اللہ تعالیٰ پوچھیں گے ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ'' آج کے دن بادشاہت کس کی ہے؟ تو تمام مخلوق جواب دے گی ''لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ'' اس اللہ کی ہے جو یکتا اور غالب ہے، اسی بناء پر ارشاد فرمایا ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' اس دن اس کے بغیر نہ کوئی مالک ہوگا، نہ کوئی فیصلہ کرنے والا، اور نہ ہی کوئی بدلہ دینے والا ہوگا، اس کی ذات پاک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں:

---

(۱) زاد المسير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۹

Marfat.com

فيقال لم خصص يوم الدين وهو مالك يوم الدين وغيره؟ قيل له: لأن في الدنيا كانوا منازعين في الملك، مثل فرعون ونمرود وغيرهما، وفي ذلك اليوم لا ينازعه أحد في ملكه، وكلهم خضعوا له، كما قال تعالى: لمن الملك اليوم فأجاب جميع الخلق: لله الواحد القهار فلذلك قال: مالك يوم الدين، أي في ذلك اليوم لا يكون مالك ولا قاض ولا مجاز غيره، سبحانه لا إله إلا هو۔ (۱)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ یوم کی دین کی طرف اضافت کر کے تخصیص کی، یہ اضافت یا تو عظمت کی وجہ سے ہے یا اس لئے کہ اس دن تمام معاملات میں صرف اللہ تعالیٰ کے فیصلے نافذ ہوں گے:

وتخصيص اليوم بالإضافة: إما لتعظيمه أو لتفرده تعالى بنفوذ الأمر فيه۔ (۲)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ "یوم الدین" کی تخصیص اس وجہ سے کی ہے اس دن تمام معاملات میں صرف اللہ کا فیصلہ نافذ ہوگا:

والتخصيص بيوم الدين لأن الأمر فيه لله وحده۔ (۳)

وقوعِ قیامت سے پہلے روزِ جزاء کی ملکیت کا کیا مطلب؟

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ سوال یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے "مالك يوم الدين" کیسے فرمایا حالانکہ قیامت تو ابھی تک قائم نہیں ہوئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "مَالِك" "مَلَكَ يَمْلِكُ" سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور اسم فاعل کی

---

(۱) تفسير قرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۸۸

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۴

(۳) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۰

Marfat.com

اضافت کلام عرب میں بعد میں آنے والی چیز کی طرف بھی ہوسکتی ہے، اور یہ فعل مستقبل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، عربوں کے نزدیک یہ اسلوب بالکل معقول اور صحیح ہے، جیسا کہ کہا جاتا ''ضَارِبُ زَيْدٍ غَدًا'' یہ شخص زید کو کل مارے گا۔ اسی طرح ''حَاجَّ بَيْتَ اللّٰهِ فِي الْعَامِ الْمُقْبِلِ'' کا مطلب یہ ہے کہ آدمی آئندہ سال حج کرے گا۔ ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ فعل کبھی فاعل سے صادر ہونے سے پہلے ہی اس کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا صدور مستقبل میں ہوگا۔ اسی طرح ''مالك يوم الدين'' بھی مستقبل کے معنی میں ہے:

إن قال قائل: كيف قال مالك يوم الدين ويوم الدين لم يوجد بعد، فكيف وصف نفسه بملك ما لم يوجده قيل له: اعلم أن مالكا اسم فاعل من ملك يملك، واسم الفاعل في كلام العرب قد يضاف إلى ما بعده وهو بمعنى الفعل المستقبل ويكون ذلك عندهم كلاما سديدا معقولا صحيحا، كقولك: هذا ضارب زيد غدا أي سيضرب زيدا، وكذلك: هذا حاج بيت الله في العام المقبل، تأويله سيحج في العام المقبل، أفلا ترى أن الفعل قد ينسب إليه وهو لم يفعله بعد، وإنما اريد به الاستقبال، فكذلك قوله عز وجل: مالك يوم الدين۔ (۱)

سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پانچ نام ذکر کئے ہیں

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں اپنے پانچ نام ذکر کئے ہیں۔

۱......الله ۲......رب ۳......الرحمن ۴......الرحيم ۵......مالك۔

---

(۱) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۸۷

Marfat.com

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندے! میں نے تمہیں پیدا کیا، پس میں تمہارا معبود ہوں، پھر میں نے تمہاری تربیت کی، پس میں تمہارا رب ہوں۔ اے بندے! تو نے نافرمانی کی، میں نے تیرے گناہوں پر پردہ ڈالا، پس میں رحمٰن ہوں، تو نے توبہ کی میں نے تیرے گناہوں کو معاف کیا، پس میں رحیم ہوں، پھر ضروری ہے کہ تجھے تیرے اعمال کا بدلہ دیا جائے، پس میں روز جزا کا مالک ہوں:

أنه تعالى ذكر في هذه السورة من أسماء نفسه خمسة: الله، والرب، والرحمن والرحيم، والمالك۔ والسبب فيه كأنه يقول: خلقتك أولاً فأنا إله۔ ثم ربيتك بوجوه النعم فأنا رب، ثم عصيت فسترت عليك فأنا رحمن، ثم تبت فغفرت لك فأنا رحيم، ثم لا بدّ من إيصال الجزاء إليك فأنا مالك يوم الدين۔ [1]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے عمدہ حسنِ سلوک سے ایک مجوسی مسلمان ہو گیا

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک مجوسی کے ذمے کچھ رقم تھی، امام صاحب اس کے مطالبے کے لئے اس کے گھر کی طرف جا رہے تھے، جب دروازے کے قریب پہنچے تو آپ کے جوتے سے معمولی نجاست اٹھ کر مجوسی کی دیوار پر لگ گئی، امام صاحب پریشان ہو گئے کہ اب کیا کیا جائے؟ اگر اس نجاست کو چھوڑ دیا جائے تو دیوار قبیح نظر آئے گی، اور اگر اس کو ہٹایا جائے تو ضرورت سے زائد مٹی گر جائے گی۔ اسی پریشانی کے عالم میں امام صاحب نے مجوسی کے دروازے پر دستک دی، مجوسی یہ سمجھا کہ شاید امام صاحب اپنی رقم کے مطالبے کے لئے آئے ہیں۔ امام صاحب نے پیغام بھیجا کہ اُس سے اہم مسئلہ درپیش آیا، جب مجوسی گھر سے باہر آیا تو امام صاحب نے

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۰۸

Marfat.com

سارا قصہ اس کو سنایا اور فرمایا کہ اب کیسے ممکن ہے کہ اس دیوار کو پہلے کی طرح صاف ستھرا کیا جائے اور نجاست کو ہٹایا جائے؟ مجوسی نے امام صاحب کے اس حسنِ سلوک سے متاثر ہوکر کہا کہ پہلے میں اپنے آپ کو پاک کرتا ہوں، چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا:

روی أن أبا حنيفة كان له على بعض المجوس مال فذهب إلى داره ليطالبه به، فلما وصل إلى باب داره وقع على نعله نجاسة، فنفض نعله فارتفعت النجاسة عن فعله ووقعت على حائط دار المجوسي فتحير أبو حنيفة وقال:إن تركتها كان ذلك سبباً لقبح جدار هذا المجوسي، وإن حككتها انحدر التراب من الحائط، فدق الباب فخرج إليه وظن أنه يطالبه بالمال، فأخذ يعتذر، فقال أبو حنيفة، ههنا ما هو أولى، وذكر قصة الجدار، وأنه كيف السبيل إلى تطهيره فقال المجوسي: فأنا أبدأ بتطهير نفسي فأسلم في الحال، والنكتة فيه أن أبا حنيفة لما احترز عن ظلم المجوسي في ذلك القدر القليل من الظلم فلأجل تركه ذلك انتقل المجوسي من الكفر إلى الإيمان۔ (١)

چوبیسویں بحث: عبادت کا لغوی واصطلاحی معنی

عبادت کی لغوی تحقیق

یہ ''عبد'' سے مشتق ہے اسی سے عبودیت ہے، امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

العبوديّة إظهار التذلّل، والعبادة أبلغ منها لأنها غاية التذلّل ولا

---

(١) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج١ ص٢٠٤

Marfat.com

يستحقها إلا من له غاية الإفضال، وهو الله تعالى ولهذا قال: الا تعبدو إلا إياه۔ (۱)

عبودیت، عاجزی اور خشوع وخضوع کے اظہار کو کہتے ہیں اور عبادت کا لفظ اس سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ عاجزی اور فروتنی کی انتہاء کا نام ہے اور اس کا مستحق صرف وہی ہوسکتا ہے جو بلندی اور فضل وکمال کی انتہاء کا مالک ہو اور وہ ہستی صرف باری تعالیٰ کی ہے، اس لئے اس نے ارشاد فرمایا کہ سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

عبادت انتہائی درجہ کا خشوع اور خضوع اور انتہائی ذلت کو ظاہر کرنا۔ اسی مناسبت کی وجہ سے اس راستے کو جو بہت زیادہ استعمال ہو ''طریق معبد'' کہا جاتا ہے۔ کیونکہ معبد کے معنی مذلل کے ہیں یعنی پیروں سے روندا ہوا اور ذلیل کیا ہوا راستہ، چونکہ عبادت کے معنی انتہائی تذلیل کے ہیں اسی وجہ سے لفظ عبادت صرف اللہ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے، اسی وجہ سے غیر اللہ کے لئے شرعاً اور عقلاً بالکل اس کا استعمال جائز نہیں، اس لئے کہ انتہائی خشوع اور خضوع کی مستحق وہ ذات ہے جو بڑے بڑے انعامات عطا کرنے والی ہے۔ مثلاً وجود وحیات جیسی نعمتوں کا انعام کرنا اور ان انعامات کا منعم صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ لہٰذا عبادت کی مستحق بھی صرف ذات باری تعالیٰ ہے، اسی وجہ سے غیر اللہ کے لئے سجدہ ریز ہونا حرام ہے اس لئے کہ سجدہ کہتے ہیں ''وضع الجبهة والأنف على الأرض'' یعنی پیشانی اور ناک کو زمین پر ٹیک دینا، گویا سجدہ کے اندر اشرف الاعضاء کو زمین پر رکھا جاتا ہے۔ پس اگر غیر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو تو اشرف الاعضاء کا ارذل اشیاء کے سامنے جھکانا لازم آئے گا جو عقلاً اور شرعاً درست نہیں۔

علامہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ عبادت کہا جاتا ہے انتہائی درجے کے خشوع اور خضوع کو:

---

(۱) المفردات في غريب القرآن: كتاب العين، ص۳۲۲

Marfat.com

والعبادة أقصى غاية الخضوع والتذلل۔ (۱)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ عبادت کہا جاتا ہے انتہائی درجے کے خضوع وخشوع کو:

والعبادة اقصى غاية الخضوع والتذلل۔ (۲)

امام خازن رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۱ھ) نے عبادت کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

العبادة غاية التذلل من العبد ونهاية التعظيم للرب۔ (۳)

بندے کی طرف سے انتہائی عاجزی اور رب کریم کے لئے انتہائی تعظیم کے اظہار کو عبادت کہتے ہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ عبادت خشوع وخضوع کا سب سے اعلی مرتبہ ہے، شرعاً اور عقلاً عبادت جائز نہیں ہے سوائے اللہ تعالی کے، اس لئے کہ وہی ذات عبادت کی مستحق ہے کیونکہ اس نے تمام بڑی نعمتیں عطا کیں جن میں حیات وجود اور ان کے مثل نعمتیں، اسی وجہ سے غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنا حرام ہے، اس وجہ سے کہ اس میں اشرف الاعضاء (پیشانی) کو اہون الاشیاء مٹی پر رکھنا ہے، اور اس مٹی کو قدموں اور جوتوں سے روندا جاتا ہے، (تو اس حقیر شی پر انسان اپنے جسم کے معزز عضو پیشانی کو رکھتا ہے تب جا کر عبادت ادا ہوتی ہے) اور یہ انتہائی خشوع وخضوع والی کیفیت ہے:

والعبادة أعلى مراتب الخضوع ولا يجوز شرعا ولا عقلا فعلها إلا لله تعالى لأنه المستحق لذلك لكونه موليا لأعظم النعم من الحياة والوجود وتوابعهما ولذلك يحرم السجود لغيره سبحانه لأن وضع

---

(۱) الكشاف: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵٦

(۲) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۱

(۳) تفسير الخازن: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۰

Marfat.com

أشرف الأعضاء على أهون الأشياء وهو التراب موطيء الأقدام والنعال غاية الخضوع۔ (۱)

عبادت کا اصطلاحی معنی

هو فعل اختیاری یکون النفس کارهة له لتحصیل مجرد رضاء الباری۔

یعنی عبادت وہ فعل اختیاری ہے جو خلاف نفس ہو محض ذات باری تعالیٰ کو حاصل کرنے کے لئے کیا گیا ہو۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ عبادت عبارت ہے اس فعل سے جس کو ادا کیا جائے غیر کی تعظیم کی وجہ سے:

العبادة عبارة عن الفعل الذی یؤتی به لغرض تعظیم الغیر۔ (۲)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) عبادت کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عبادت کمالِ محبت، خوفِ خدا، خشوع اور خضوع کے مجموعے کا نام ہے:

وفی الشرع: عبارة عما یجمع کمال المحبة والخضوع والخوف۔ (۳)

عبادت کی جامع تعریف

العبادة عبارة عن الاعتقاد والشعور بأن للمعبود سلطة یقدر بها علی النفع والضرر فکل ثناء وتعظیم یصاحبه هذا الاعتقاد والشعور فهی عبادة۔

یعنی عبادات اس اعتقاد اور شعور کا نام ہے کہ معبود کو ایک غیبی تسلط حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ نفع ونقصان پر قادر ہے اس لئے ہر تعریف اور ہر پکار اور ہر تعظیم جو اس مذکورہ اعتقاد وشعور کے ساتھ ہو وہ عبادت ہے۔

(۱) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۱۶

(۲) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۰۸

(۳) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۸

Marfat.com

غائب سے خطاب کی طرف عدول کیوں کیا؟

غائب سے خطاب کی طرف عدول اس لئے کیا کہ عرب والے عادتاً کلام میں تفنن کو پسند کرتے ہیں، یعنی مختلف اسالیبِ بیان سے کلام کو تعبیر کرنا اور ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف منتقل ہونا، اور اس انتقال کے دو فائدے ہیں:

۱......کلام میں جدت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ مقولہ ہے ''کل جدید لذیذ''

۲......سامع کو کلام سننے میں رغبت پیدا ہوتی ہے۔

علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ غائب سے خطاب کی طرف عدول کیوں کیا؟ میں کہتا ہوں اسے علم بیان کی اصطلاح میں ''التفات'' کہا جاتا ہے، اور یہ التفات کبھی غائب سے خطاب کی طرف، اور کبھی خطاب سے غائب کی طرف، اور غائب سے تکلم کی:

فإن قلت لم عدل عن لفظ الغيبة إلى لفظ الخطاب قلت هذا يسمى الالتفات فى علم البيان قد يكون من الغيبة إلى الخطاب ومن الخطاب إلى الغيبة ومن الغيبة إلى التكلم۔ (۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ یہ کلام میں تفنن ہے، ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف منتقل ہونا کلام میں جدت پیدا کرنے اور سامع کو راغب کرنے کے لئے ہے:

وهى التفنن فى الكلام والعدول من أسلوب إلى آخر تطرية له وتنشيطا للسامع۔ (۲)

---

(۱) الكشاف: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵۶

(۲) روح المعانى: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۰

Marfat.com

''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ'' کا معنی

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ'' کے معنی ہیں: اے ہمارے رب! ہم خاص آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے ڈرتے ہیں اور آپ ہی سے امید رکھتے ہیں۔ ''وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ'' کا معنی ہے: اے ہمارے رب! ہم اپنے تمام کاموں میں آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں:

عن ابن عباس: إياك نعبد يعني: إياك نوحد ونخاف ونرجو يا ربنا لا غيرك وإياك نستعين على طاعتك وعلى أمورنا كلها۔ (۱)

علامہ جاراللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم خاص صرف آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں:

والمعنى نخصك بالعبادة ونخصك بطلب المعونة۔ (۲)

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ جان لیں کہ ''ایاك نعبد'' کا معنی ہے میں آپ کے سوا کسی کی بھی عبادت نہیں کرتا۔

واعلم أن قولك إياك نعبد معناه لا أعبد أحدا سواك۔ (۳)

عبادت اور استعانت کے ذریعے باطل فرقوں سے نجات

''نَعۡبُدُ'' کا مفہوم ہے ہم اطاعت کرتے ہیں۔ عبادت اطاعت اور عاجزی ہی کو کہتے ہیں اور ''طریق معبد'' اس راستے کو کہتے ہیں جسے چلنے کے لئے برابر کیا گیا ہو، یہ امام ہروی رحمہ اللہ کا قول ہے اور ایک مکلف آدمی جب ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ'' کہتا ہے تو وہ اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور حقِ عبادت کا اقرار ہوتا ہے، جب کہ بہت سے لوگ اللہ کے سوا بتوں وغیرہ کو بھی پوجتے ہیں۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۸

(۲) الکشاف: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵۶

(۳) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۰۸

Marfat.com

''اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم تجھ ہی سے مدد، تائید اور توفیق مانگتے ہیں۔

امام سلمی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''حقائق التفسیر'' میں لکھتے ہیں کہ میں نے محمد بن عبداللہ بن شاذان سے سنا اور انہوں نے ابوحفص فرغانی سے سنا کہ جس نے ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کا اقرار کر لیا اس نے جبر وقدر کے (باطل فرقوں کے عقائد) سے نجات پالی۔ (۱)

سورۂ فاتحہ کا لُب لباب

انہی پر عبدیت (بندگی) اور توحید کا دارو مدار ہے، اسی بنا پر کسی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں اتاری ہیں۔ جن کا خلاصہ تورات، انجیل اور زبور میں اور ان تینوں کے معانی قرآن میں یکجا جمع ہیں، اور پھر پورے قرآن کا مضمون مفصل (حجرات تا والناس) میں موجود ہے۔ ان تمام کے معانی سورۂ فاتحہ میں ہیں اور سورۂ فاتحہ کا لب لباب ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' میں آ گیا ہے۔ یہ دونوں کلمے رب اور بندے کے درمیان منقسم (بٹے ہوئے) ہیں۔ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ'' رب کے لئے ہے اور ''وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' بندے کے لیے۔ (۲)

عبادت کا مفہوم دو بنیادوں پر قائم ہے

۱.....انتہائی عاجزی اور غایت درجہ کی محبت، اہلِ عرب کا قول ہے ''طریق معبد ای مذلل'' یعنی ذلیل پامال راستہ۔ عبادت میں خضوع (جھکاؤ) کا ہونا لازمی ہے۔ اگر آپ نیکی سے رشتہ محبت بغیر خضوع کے قائم کیا تو اسے عبادت کہیں گے، اس طرح خضوع بلا محبت عبادت نہیں ہوسکتا۔

۲.....مشرکین عرب توحید ربوبیت کے قائل تھے لیکن پھر بھی ان کی توحید اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوئی۔ کیوں کہ جب اس کی محبت ہی کا انکار کر دیا، تو پھر اس کی الوہیت کا بھی

---

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۴۵

(۲) مدارج السالکین: فصل سرّ الخلق والأمر والشرائع، ج۱ ص۹۵

Marfat.com

انکار ہو گیا۔اب رب ماننا اور نہ ماننا یکساں ہے۔

استعانت اپنے اندر دو اصولوں کو سمیٹے ہوئے ہے:

ا.....اللہ کی ذات پر بھروسہ اور اطمینان۔ ۲.....اللہ پر اعتماد

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی شخص سے مطمئن تو ہوتا ہے لیکن اپنے معاملات میں اس پر اعتماد کرنے کا اسے موقعہ ہی پیش نہیں آتا۔بعض اوقات مجبوری کی وجہ سے اسے ایسے شخص پر اعتماد کرنا پڑتا ہے جو بھروسہ کے لائق نہیں ہے۔توکل میں ثقہ (بھروسہ، اطمینان) اور اعتماد دونوں داخل ہیں۔یہی اس آیت کی حقیقت ہے۔(۱)

''إِيَّاكَ'' مفعول بہ کی تقدیم حصر اور اختصاص کے لئے ہے

نحوی قاعدے کی روشنی میں دیکھا جائے تو ''إِيَّاكَ'' کو مؤخر ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ لفظ ''إِيَّاكَ'' ''نَعْبُدُ'' کا مفعول بہ ہے اور ظاہر ہے کہ معمول عامل سے موخر ہوتا ہے لیکن یہاں ''إِيَّاكَ'' کو اس لئے مقدم کیا گیا تا کہ یہ حصر کے معنی پر دلالت کرے، کیونکہ قاعدہ ہے ''تقديم ما حقه التاخير يفيد الحصر والاختصاص'' نیز ''إِيَّاكَ'' سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں لہٰذا تعظیم کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔باری تعالیٰ تمام کائنات کا مبداء ہے اور جب مبداء کائنات ہے تو وجود کے اعتبار سے مقدم ہوگا، لہٰذا ذکر میں بھی مقدم کر دیا گیا تا کہ وجود ذکری وجود طبعی کے موافق ہو جائے ''إِيَّاكَ'' کو مقدم کر کے عابد کو اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ اولا اور بالذات نظر معبود پر ہونی چاہئے عبادت پر نہیں، ہاں معبود سے منتقل ہو کر عبادت کی طرف صرف اس حیثیت سے ہونی چاہئے کہ یہ ایک نسبت اور تعلق ہے ہمارے اور معبود کے درمیان اس حیثیت سے ہونی چاہئے کہ وہ ہم سے صادر ہو رہی ہے، اور اس تنبیہ کی وجہ یہ ہے کہ عارف کو درجہ وصول تک پہنچانا مقصود ہے اور وصول اس وقت متحقق ہو سکتا ہے جبکہ ذات باری تعالیٰ سے ملاحظہ میں بالکل استغراق

(۱) مدارج السالكين: فصل سرّ الخلق والأمر والشرائع، ج۱ ص۹۵، ۹۶

Marfat.com

ہو جائے اور اپنی اور دوسروں کی ذات واحوال سے بالکل بے خبر ہو جائے۔

علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ مفعول کو مقدم کرنا اختصاص اور حصر کی وجہ سے ہے:

تقديم المفعول لقصد الاختصاص۔[1]

علامہ قاضی ابو السعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ قصر اور اختصاص کی وجہ سے "إِيَّاكَ" جو مفعول بہ اسے دو مرتبہ مقدم کیا:

تقديم المفعول فيهمالما ذكر من القصر والتخصيص۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ "إِيَّاكَ" جو مفعول بہ اسے مقدم کیا، اہتمام اور حصر کی وجہ سے اسے مکرر لایا اب معنی ہوگا: ہم عبادت نہیں کرتے مگر صرف آپ کی، اور ہم بھروسہ نہیں کرتے مگر صرف آپ پر، یہ کمالِ اطاعت ہے، دین مکمل انہی دو باتوں کی طرف لوٹتا ہے:

وقدم المفعول وهو إياك، وكرر للاهتمام والحصر، أى: لا نعبد إلا إياك، ولا نتوكل إلا عليك، وهذا هو كمال الطاعة، والدين يرجع كله إلى هذين المعنيين۔[3]

مفعول کی تقدیم اور فعل کی تاخیر میں حکمت

اگر کوئی کہے کہ فعل سے مفعول پہلے کیوں لایا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفعول کی اہمیت واضح کرنے کے لئے ایسا کیا گیا کیوں کہ اہلِ عرب اہم چیز کو پہلے ذکر کرتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ ایک دیہاتی نے کسی کو گالی دی تو گالی سننے والے نے کچھ پرواہ نہیں کی۔ اس پر گالی دینے والے نے کہا "إِيَّاكَ عَنِّيْ" یعنی میں تجھ ہی کو گالی دیتا ہوں۔ سننے والے نے

(۱) الكشاف: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵۶

(۲) تفسير أبى السعود: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۶

(۳) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۸

Marfat.com

جواب دیا: وَعَنْكَ أَعْرِضُ (میں تجھ سے منہ موڑتا ہوں) یہاں دونوں نے اہم بات کو پہلے ذکر کیا۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ بندے اور بندگی کا ذکر معبود سے پہلے نہ ہو اس لئے یہ جائز نہیں کہ کوئی ''نَعْبُدُكَ وَنَسْتَعِينُكَ'' یا ''نَعْبُدُ إِيَّاكَ وَنَسْتَعِينُ إِيَّاكَ'' کہے اور فعل کو مفعول پر مقدم کرلے بلکہ یہاں اسلوب قرآن کی پیروی ضروری ہے۔ عجاج شاعر کہتا ہے:

إِيَّاكَ أَدْعُوْ فَتَقَبَّلْ مُلْقِي وَاغْفِرْ خَطَايَايَ وَكَثِّرْ وَرَقِي

آپ ہی سے دعا کرتا ہوں، میری عاجزی قبول کیجئے اور میرے رزق میں برکت دیجیے۔ (۱)

پچیسویں بحث: صیغہ ''نعبد'' جمع متکلم ذکر کرنے کی حکمت

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ اگر ''أَعْبُدُ'' فرماتے تو اس صورت میں معنی ہوتا: میں ہی اللہ کی عبادت کرنے والا ہوں، تو اس میں تکبر کی آمیزش ہوتی اس لئے ''نَعْبُدُ'' فرمایا کہ میں آپ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں اس میں تواضع ہے، اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص تواضع اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کو بلند مقام عطا کرتے ہیں:

لو قال إياك أعبد لكان ذلك تكبرًا ومعناه أني أنا العابد أما لما قال إياك نعبد كان معناه أني واحد من عبيدك، فالأول تكبر، والثاني تواضع، ومن تواضع لله رفعه الله۔ (۲)

''نَعْبُدُ'' جمع متکلم ذکر فرمایا اس کی حکمت یہ ہے کہ اپنی عبادت کو موحدین مؤمنین کی عبادت میں شامل کیا جائے۔ اپنی حاجت کو ان کی حاجت کے ساتھ ملایا جائے تاکہ ان کی

(۱) تفسیر القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۴۵

(۲) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ص۲۱۲

Marfat.com

عبادت وحاجت کی برکت سے ہماری بھی عبادت وحاجت قبول ہوجائے۔ وہ اس طور پر کہ جب تمام کی عبادتوں میں اپنی عبادت کو شامل کرکے دربارِ الٰہی میں پیش کرے گا یا تو اللہ تعالیٰ سب کو رد فرمائے گا یا سب کو قبول فرمائے گا اور یا بعض کو قبول فرمائے گا اور بعض کو رد کردے گا۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ سب کو رد کردے، کیونکہ ان میں اللہ کے ایسے برگزیدہ بندے بھی ہیں جن کی حاجات اور دعاؤں کو رد نہیں کیا جاسکتا، اور بعض کو رد فرمائیں اور بعض کو قبول فرمائیں یہ بھی نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ یہ شانِ رحیمی وکریمی سے بعید ہے کہ اچھوں اور بروں میں امتیاز کرکے صرف نیکو کاروں کی عبادت کو قبول کیا جائے اور گناہ گاروں کی عبادت کو رد کیا جائے، اور یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ بندے کو حکمِ شرعی ہے صَفقہ واحدہ کے تحت بائع نے دس کپڑوں کو فروخت کیا اب ان میں سے بعض عیب دار نکلے تو اب مشتری کو یہ حق نہیں کہ عیب دار کو واپس کرے اور صحیح کو اپنے پاس رکھے کیونکہ صفقہ واحدہ کے تحت بیع ہوئی ہے یا تو سب کو خریدے یا سب کو چھوڑ دے۔ تو پھر ذات باری تعالیٰ جو کہ اکرم الاکرمین ہے، جود وسخا کا خزینہ ہے، اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ اس طرح امتیاز کی نظر ڈال سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، اگر چہ وہ قادر اس پر بھی ہے، پس جب دونوں شقیں باطل ہوگئیں تو ساری دعاؤں کا قبول ہونا ثابت ہوگیا، پس جب بندہ ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' کہتا ہے کہ خدایا میری عبادت انتہائی ناقص ہے جس طرح عبادت کا حق تھا اس طرح مجھ سے نہ ہوسکی مگر میں نے اپنی عبادت کو تیرے پیارے بندوں کی عبادت میں شامل کردیا۔ آپ کی شانِ رحیمی سے یہ بات بہت بعید ہے کہ تو ہماری عبادت کے نقص پر نظر ڈالے بلکہ تو ان اولیاء وصالحین کے طفیل ہماری عبادات کو بھی قبول فرما۔ اسی نکتہ کی وجہ سے جماعت کے ساتھ نماز کو مشروع کیا گیا تاکہ بندے اکھٹے ہوکر عبادت ودُعا کریں اور وہ ذاتِ باری تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ قاری (پڑھنے والے) نے اپنی عبادت کو دوسرے مؤمنین کی عبادتوں کے ساتھ شامل کیا اور اپنی حاجت کو ان کی

Marfat.com

حاجت کے ساتھ ملا دیا شاید کہ اس کی عبادت ان کی عبادت کی برکت کی وجہ سے قبول ہو جائے اور ان کی حاجات کے ساتھ اس کی حاجت بھی پوری کر دی جائے، اور اسی حکمت کے پیش نظر نماز باجماعت مشروع ہوئی:

أدرج عبادته في تضاعيف عباداتهم وخلط حاجته بحاجتهم لعلها تقبل ببر كتها ويجاب إليها ولهذا شرعت الجماعة۔ (۱)

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ بندہ کہتا ہے الٰہی اگر میری عبادت قبولیت کے لائق نہیں تو آپ میری عبادت کو رد نہ کریں اس لئے کہ اس عبادت میں میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ بہت سارے لوگ اس میں میرے ساتھ شریک ہیں، پس میری عبادت اجابت اور قبولیت کے لائق نہیں تو میں تمام عبادت گزاروں کی عبادت کے سبب آپ کی بارگاہ صمدیت میں اپنی عبادت پیش کرتا ہوں آپ اسے قبول کریں:

والتقدير كأن العبد يقول: إلهي إن لم تكن عبادتي مقبولة فلا تردني لأني لست بوحيد في هذه العبادة بل نحن كثيرون فإن لم استحق الإجابة والقبول فأتشفع إليك بعبادات سائر المتعبدين فأجبني۔ (۲)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ اگر ''إِيَّاكَ أَعْبُدُ'' (میں آپ ہی کی عبادت کرتا ہوں) کہا جاتا تو اس کا معنی ہوتا میں عبادت کرنے والا ہوں، لیکن ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کا معنی ہے میں آپ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔ ان دونوں عبادتوں کے درمیان فرق کو آپ حضرت اسماعیل اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے واقعے سے ملاحظہ فرمائیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بوقت ذبح اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِيْنَ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پاؤ گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ

(۱) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۶

(۲) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۱۳

Marfat.com

صَابِرًا '' آپ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پاؤ گے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تواضع کی وجہ سے اپنے آپ کو صابرین کی جماعت میں سے ایک فرد کے طور پر ذکر کیا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو تنہا صبر کرنے والوں میں ذکر کیا (اس لئے وہ تینوں واقعات جو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ پیش آئے تھے) ان پر صبر نہ کر سکے، باوجودیکہ دونوں حضرات انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں:

لو قال إياك أعبد لكان ذلك بمعنى أنا العابد ولما قال إياك نعبد كان المعنى أني واحد من عبيدك وفرق بين الأمرين كما يرشدك إليه قوله تعالى حكاية عن الذبيح عليه السلام ستجدني إن شاء الله من الصابرين وقوله تعالى حكاية عن موسى ستجدني إن شاء الله صابرا فصبر الذبيح لتواضعه بعد نفسه واحدا من جمع ولم يصبر الكليم لإفراده نفسه مع أن كلا منهما عليهما السلام۔ (۱)

''نَعْبُدُ'' و ''نَسْتَعِينُ'' کی ضمیر جمع کے مصداق کی تعیین

جمع متکلم کی ضمیر کثرتِ افراد کے لئے ہے تو اب اس موقع پر کثرت افراد کس طور پر ہوں گے، تو اس کی صورت یہ ہے کہ قاری دو حال سے خالی نہیں یا تو خارجِ صلوٰۃ ہوگا یا داخلِ صلوٰۃ، اگر خارج صلوٰۃ ہے تو ضمیرِ جمع کا مصداق خود متکلم اور تمام موحدین ومؤمنین ہوں گے، اب مؤمنین کے اندر بشر اور حفاظت کرنے والے فرشتے بھی داخل ہوں گے، اور اگر داخلِ صلوٰۃ ہے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں منفرد ہے یا جماعت کے ساتھ اگر منفرد ہے تو ضمیرِ جمع کا مصداق خود اور حفاظت کرنے والے فرشتے ہوں گے، اور اگر جماعت کے ساتھ ہے تو خود اور حاضرینِ جماعت ہوں گے۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ ''نَعْبُدُ'' صیغہ متکلم سے مراد وہ متکلم اور تمام فرشتے جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں:

---

(۱) روح المعانی: سورۃ الفاتحۃ، الباب الخامس، ج۱ ص۲۱۳

Marfat.com

فکان المراد بقوله نعبد هو وجمیع الملائکة الذین یعبدون اللہ۔ (۱)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ "نَعْبُدُ" اور "نَسْتَعِیْنُ" میں جو ضمیر متکلم پوشیدہ ہے اس سے خود پڑھنے والا اور فرشتے جو اس پر نگران مقرر ہیں اور حاضرین جماعت مراد ہیں:

والضمیر المستکن فی الفعلین للقارئ ومن معه من الحفظة، وحاضری صلاة الجماعة۔ (۲)

الضمیر فی الفعلین للقاری ومن معه من الحفظة وحاضری الجماعة۔ (۳)

حمد میں "للہ" کی تاخیر اور "اِیَّاکَ" کی تقدیم میں کیا حکمت ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی خوبیوں پر اس کی تعریف کرنا جائز ہے لیکن غیر اللہ کے لئے عبادت کرنا بالکل جائز نہیں ہے، تو "اِیَّاکَ" کو مقدم کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ عبادت غیر اللہ کے لئے بالکل جائز نہیں اسی وجہ سے معمول کو عامل پر مقدم کیا جبکہ مدح دوسرے کے لئے جائز ہے اسی وجہ سے وہاں معمول کو موخر کیا:

والنکتة أن الحمد لما جاز لغیر اللہ فی ظاهر الأمر کما جاز للہ، لا جرم حسن تقدم الحمد أما ههنا فالعبادة لما لم تجز لغیر اللہ لا جرم قدم قوله إیاك علی نعبد۔ (۴)

---

(۱) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۱۲

(۲) التفسیر البیضاوی: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۶

(۳) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۱۹

(۴) التفسیر الکبیر: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۱۲

Marfat.com

معبود کے لئے دو صفات کا ہونا ضروری ہے

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۰۰ھ) فرماتے ہیں کہ معبود صرف وہی ہوسکتا ہے جس میں دو صفتیں ہوں:

۱......وہ عالم الغیب ہو کائنات کا ذرہ ذرہ اس پر منکشف ہو اور زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے ظاہر و باطن سر و علانیہ کو وہ اچھی طرح جانتا ہو۔

۲......وہ مالک ومختار متصرف فی الامور اور اقتدار اعلیٰ کا مالک ہو، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں اپنے لیے استحقاقِ عبادت وپکار کا ذکر فرمایا وہاں انہی دونوں صفتوں کو اس کی علت قرار دیا، اور جہاں کہیں غیر اللہ سے عبادت اور پکار کی نفی کی ہے وہاں غیر اللہ سے انہی دونوں صفتوں کی نفی فرمائی ہے۔(۱)

عبودیت کا مقام بہت اعلیٰ ہے

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

۱......اگر عبودیت کا مقام اعلیٰ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے مقام پر عبودیت کے مقام کے ساتھ متصف نہ فرماتے۔

۲......حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے جس بات پر تکلم فرمایا وہ ہے "اِنِّـیْ عَبْدُ اللّٰہِ" یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں، یہی کلمہ ان کی والدہ سے تہمت کے ازالے کا سبب بنا، ہر بھلائی کا کام کرنے کے لئے اور آفات سے بچنے کے لئے یہ کلمہ بمنزلہ مفتاح کے ہے۔

۳......حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ فرمادیں کہ بیشک میں ہی اللہ ہوں میرے علاوہ کوئی معبود نہیں پس آپ میری ہی عبادت کریں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعد عبودیت کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ توحید اصل ہے اور عبودیت فرع ہے، توحید شجرہ ہے اور عبودیت اس کا ثمرہ ہے، پس یہ آیات عبودیت کے مقام و مرتبے پر

---

(۱) جواہر القرآن: سورہ فاتحہ، ج ۱ ص ۸

Marfat.com

دلالت کرتی ہیں:

فی شرف العبودیة: قوله تعالی: سُبْحَانَ الذی اسری بِعَبْدِهِ لَيْلًا ولولا أن العبودية أشرف المقامات، وإلا لما وصفه الله بهذه الصفة فی أعلی مقامات المعراج الآية الثالثة: في شرف العبودية: أن عیسی اول ما نطق قال: إنّي عَبْدُ الله وصار ذكره لهذه الكلمة سببا لطهارة أمه، ولبراء ة وجوده عن الطعن، وصار مفتاحا لكل الخيرات، ودافعا لكل الآفات، الآية الرابعة: قوله تعالى لموسى عليه السلام إِنَّنِي أَنَا الله لا إله إِلا أَنَا فاعبدنی أمره بعد التوحيد بالعبودية، لأن التوحيد أصل، والعبودية فرع، والتوحيد شجرة، والعبودية ثمرة، فهذه الآيات دالة على شرف العبودية۔ (۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کو عبد کے لقب سے انہی موقعوں پر پکارا جہاں اپنی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر فرمایا، مثلاً قرآنِ پاک کے نزول کے موقع پر، دعوت الی اللہ کے موقع پر، معراج کے موقع پر:

وقد سمى الله رسوله بعبده في أشرف مقاماته الحَمْدُ لِلهِ الَّذِى أَنزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الكِتَابَ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللهِ يَدْعُوهُ سُبْحَانَ الَّذِى أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا فسماه عبدًا عند إنزاله عليه وقيامه في الدعوة وإسرائه به۔ (۲)

کیا مقامِ عبودیت مقامِ رسالت سے افضل ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ مقامِ عبودیت مقامِ رسالت سے اعلیٰ ہے کیونکہ عبادت میں نسبت مخلوق سے خالق کی طرف

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج ۱ ص ۲۱۴

(۲) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۱۲۹

Marfat.com

ہوتی ہے اور رسالت میں نسبت خالق سے مخلوق کی طرف ہوتی ہے:

ومنهم من قال: العبودية أشرف من الرسالة، لأن بالعبودية ينصرف من الخلق إلى الحق، وبالرسالة ينصرف من الحق إلى الخلق۔ (۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بعض حضرات سے یہ بات نقل کی ہے کہ مقام عبودیت مقام رسالت سے اعلیٰ ہے، یہ قول درست نہیں اور اس کی توجیہ کرنا بھی ضعیف ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، (لیکن تعجب ہے کہ) امام رازی رحمہ اللہ نے اس قول کو نہ ضعیف قرار دیا اور نہ اس کو رد کیا:

وقد حكى فخر الدين في تفسيره عن بعضهم: أن مقام العبودية أشرف من مقام الرسالة، وهذا القول خطأ، والتوجيه أيضًا ضعيف لا حاصل له، ولم يتعرض له فخر الدين بتضعيف ولا رده۔ (۲)

عابدین کی چار قسمیں ہیں

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

عبادت میں دو باتیں مطلوب ہیں: ۱..... اخلاص ۲..... اتباع

اخلاص سے مراد یہ ہے کہ عابد ایسا موحد ہو کہ شرک سے کوسوں دور ہو، اتباع سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کامل اطاعت ہو جو بدعات رسم ورواج سے بالکلیہ پاک ہو۔

عابدین کی چار قسم ہیں:

پہلی قسم: وہ عبادت گزار جن میں اخلاص اور اتباع دونوں صفات کامل درجے کی پائی جائیں جیسے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

دوسری قسم: جن میں نہ اخلاص ہو اور نہ اتباع، جیسے مشرکین، یہود ونصاریٰ۔

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۱۴

(۲) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۹

Marfat.com

تیسری قسم: وہ عابد جن میں اخلاص ہو لیکن اتباع نہ ہو جیسے جاہل عبادت گزار۔

چوتھی قسم: جو بظاہر متبع ہوں لیکن مخلص نہ ہوں بلکہ ریاکار ہوں جیسے منافقین، یہ لوگ قلبی طور پر مؤمن نہیں تھے صرف زبان سے دعویٰ کرتے تھے، پس یہاں ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ'' میں عابدین کی پہلی قسم مطلوب ہے جو مخلص بھی ہوں اور متبعِ سنت بھی ہوں۔ (۱)

چھبیسویں بحث: عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی دس اہم وجوہات

۱......عبادت کو استعانت پر مقدم کر کے اس بات کو بتلانا ہے کہ سائل کو سوال کرنے سے پہلے مسؤل عنہ کے پاس کوئی وسیلہ یعنی ایسی چیز جس سے مسؤل عنہ خوش ہو، مثلاً ہدیہ، ثناء وغیرہ بھیجنا چاہئے کیونکہ تحفے کو پہلے بھیجنا اپنی مراد کی مقبولیت کے واسطے زیادہ داعی ہے، یہاں پر عبادت وسیلہ ہے اور استعانت سوال ہے اور وسیلہ کو سوال پر مقدم کیا جاتا ہے، لہٰذا اسی وجہ سے عبادت کو استعانت پر مقدم کیا گیا ہے۔

۲......عبادت اور استعانت سے نہ تو باری تعالیٰ کا معبود ہونا ظاہر کرنا ہے اور نہ مستعان ہونا ظاہر کرنا ہے، بلکہ اپنی تذلل اور خاکساری کو ظاہر کرنا ہے، اور صورت اس تذلل کی بندے نے یہ اختیار کی کہ عبادت کی نسبت اپنی طرف کر کے اپنے آپ کو عابد اور اللہ کو معبود بنایا۔ اب اس سے بندے کے دل میں یہ ایک وہم ہوسکتا تھا کہ میں نے عبادت جیسی بڑی چیز کو بارگاہ الٰہی میں پیش کیا اور اس کی وجہ سے میں بڑے انعام کا مستحق ہوگیا گویا اس قسم کا تکبر دل میں آسکتا تھا، تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے بعد میں فرمایا ''اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ'' کہ عبادت بھی ہماری مدد سے ہے، یعنی عبادت بھی بغیر معونت باری تعالیٰ کے مکمل نہیں ہوسکتی، پس اسی نکتے کی وجہ سے عبادت کو استعانت پر مقدم کیا۔

(۱) مدارج السالکین: فصل لا یکون العبد متحققا بایاك نعبد إلا بمتابعة الرسول، ج۱ ص۱۰۴، ۱۰۵

Marfat.com

۳......عبادت امانت ہے جیسے قرآن کریم میں ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (الاحزاب)

ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو انہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کا بوجھ اُٹھا لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ظالم، بڑا نادان ہے۔

تو اس مہتم بالشان عمل کی ادائیگی کے لئے اس کو مقدم کیا گیا۔

۴......عبادت کے ذریعے جس قدر اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور انسان اللہ کے قریب ہوتا ہے استعانت میں اس طرح نہیں ہے۔

۵......عبادت اللہ کو مطلوب ہے جبکہ استعانت بندے کو مطلوب ہے، تو بندے کو چاہئے کہ اس چیز کو مقدم کرے جو ذاتِ باری تعالیٰ کو مطلوب ہو وہ عبادت ہے۔

۶......عبادت انسان پر ہمیشہ لازم ہے کبھی اس سے سبکدوشی نہیں ہر حال میں اس کی ادائیگی ضروری ہے، جیسے نماز کہ کسی صورت میں اس کا چھوڑنا جائز نہیں اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر نہیں تو بیٹھ کر نماز پڑھے، اور اگر بیٹھ کر بھی نماز ادا کرنے کی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھنے کا حکم ہے۔ لہٰذا عبادت کی ادائیگی ضروری ہے اور عبادت ہی کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنات کو پیدا کیا:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات)

اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

۷......عبادت کی یوم جزاء کے ساتھ خصوصی مناسبت ہے اسی وجہ سے اس کو یوم الجزاء کے فوراً بعد ذکر کیا، پہلے شرک و بدعت سے خلاصی کے لئے توحید اور عبادت ہے پھر رسوخ کے لئے استعانت ہے۔

Marfat.com

۸......سالکین کے مقام کی انتہا ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' پر ہوتی ہے اس کے بعد اس پر تمکین طلب کی جاتی ہے ''اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' کے ذریعے۔

۹......اسلام نے ابتداء عبادت کا حکم دیا ہے استعانت کا حکم بعد الرسوخ ہے۔

۱۰......عبادت کو استعانت پر اس لئے مقدم کیا تا کہ رؤس آیات کی موافقت ہو جائے۔ رؤس آیات کہتے ہیں آیت کے ان آخری حروف کو جو ایک خاص کیفیت کے ساتھ متصف ہوں، اور یہاں خاص کیفیت آخری حرف سے پہلے یاء ساکن ہونا ہے، اگر عبادت کو مؤخر کرتے اور استعانت کو مقدم کرتے تو آیات کے درمیان جو تسلسل اور روانی ہے وہ باقی نہ رہتی اسی وجہ سے عبادت کو استعانت پر مقدم کیا۔(۱)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی نگاہ میں تقدیم کی وجوہات

سورۂ فاتحہ میں عبادت استعانت پر چند وجوہ کی بناء پر مقدم ہے:

۱.....عبادت اصل غرض وغایت ہے، انسان کی پیدائش ہی اسی مقصد کے لئے ہوئی ہے اور استعانت عبادت کے لئے ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے یہاں غایت کو وسیلہ پر مقدم رکھا گیا ہے۔

۲..... ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کا تعلق صفتِ الوہیت سے ہے اور اس کا نام اللہ ہے، اور ''وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' کا تعلق صفتِ ربوبیت سے ہے اس کا نام رب ہے۔ کیونکہ ابتدائے سورت میں اللہ رب پر مقدم ہے اس لئے عبادت کو استعانت پر مقدم کیا گیا۔

''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے۔ اس لئے اس کا شمار و اتصال حمد و ثنا کے ساتھ ہی مناسب ہے۔ ''وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' یہ بندے کا حصہ ہے اس بنا پر اس کا ذکر ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ'' کے ساتھ موزوں ہے۔

---

(۱) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۲ ص۱۱۹/ تفسير ابي السعود: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۶/ التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۸۶

Marfat.com

۳.....عبادت مطلقہ (کاملہ) کا مفہوم اپنے اندر استعانت کو بھی لئے ہوئے ہے۔ لیکن استعانت کا مفہوم اس قدر وسیع اور عام نہیں ہے کہ ہر عابد، مستعین (طالب مدد) ہے لیکن ہر مستعین عابد نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے شہوت پرست اغراض کے بندے اللہ سے مدد تو طلب کرتے ہیں، لیکن عبادت سے ان کی زندگی خالی ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے عبادت کامل حیثیت رکھتی ہے اور اس وجہ سے اس کو اللہ کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔

۴.....استعانت عبادت کا ایک جز ہے اور عبادت کا درجہ کل کے برابر ہے۔

۵.....استعانت کے معنی ہیں اللہ سے طلب کرنا اور عبادت یہ اللہ کی طرف سے مطالبہ ہے۔

۶.....عبادت کامل کا وقوع صرف مخلصوں ہی سے ہو سکتا ہے۔ باقی رہی استعانت تو اس میں اخلاص ضروری نہیں اس کا صدور مخلص، غیر مخلص دونوں سے ہو سکتا ہے۔

۷.....عبادت اس کا حق ہے جو اس نے اپنے بندوں پر لازم ٹھہرایا ہے اور استعانت کے معنی ہیں، عبادت پر مدد طلب کرنا۔ اس کی حیثیت صدقہ وخیرات کی سی ہے ظاہر بات ہے کہ صدقہ کی طلب سے زیادہ فرض کی ادائیگی ضروری ہے۔

۸.....عبادت اس کی نعمت پر شکر کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے اور استعانت تمہارے اوپر اس کی مہربانی پر توفیق کا نام ہے۔ جب تم اس کی عبودیت (بندگی) کے پابند اور اس کی غلامی قبول کر لو گے تو پھر وہ عبادت پر تمہاری اعانت کرے گا۔ گویا اس کی عبادت وغلامی اعانت کے حصول کا سبب ہے، اب جس قدر بھی بندہ بندگی میں مشغول ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ کی اعانت اس کو شاملِ حال ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت دو اعانتوں کے درمیان گری ہوئی ہے۔ ایک اعانت عبادت کی ادائیگی اور پابندی پر اور دوسری اعانت آئندہ کی عبادت پر۔ اسی طرح عبادت واعانت کا سلسلہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ پیغامِ اجل آ پہنچتا۔

عبادت کا تعلق اس کی رضا اور محبت سے ہے اور استعانت کا معاملہ اس کی مشیت کے

Marfat.com

ساتھ ہے، یہ سارا جہاں اس کی مشیت کے ماتحت ہے۔ فرشتے، شیاطین، مؤمن، کافر اور ان کی اطاعت و معصیت سب کا تعلق اسی مشیت سے ہے۔ لیکن مؤمنین کے ایمان اور اطاعت کے ساتھ مشیت کے علاوہ اللہ کی محبت و رضا بھی وابستہ ہے اس بنا پر کفار اہلِ مشیت اور مؤمنین اہم محبت ہوئے۔

مذکورہ لطائف و نکات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" کی تقدیم "وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" پر اپنے اندر کس قدر خوبی اور جمال لئے ہوئے ہے۔(۱)

"إِيَّاكَ" کی تقدیم فعل پر

إِيَّاكَ (معبود) کو فعل "نَعْبُدُ" اور "نَسْتَعِينُ" پر مقدم کرنے کے چند اسباب ہیں:

۱.....باری تعالیٰ کا ادب ملحوظ ہے۔

۲.....اس کی طرف انتہائی توجہ اور تعلق کا اظہار ہے۔

۳.....کلام میں تخصیص پیدا کرنا مقصود ہے۔

"إِيَّاكَ نَعْبُدُ" کے معنی ہیں "لَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاكَ" اسی طرح "إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" یعنی "لَا نَسْتَعِينُ إِلَّا إِيَّاكَ" (ہم نہیں عبادت کرتے مگر تیری اور ہم نہیں مدد چاہتے مگر تجھ سے)۔

اس قسم کے محاورات سمجھنے کے لئے ذوقِ عربیت کی ضرورت ہے۔ اگر کسی نے دس غلام آزاد کئے ہوں تو وہ صرف ایک کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ "إِيَّاكَ أَعْتَقْتُ" (صرف تجھ ہی کو میں نے آزاد کیا ہے۔)

اسی قاعدہ کی روشنی میں "إِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ" اور "إِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ" میں غور کیجیے ان کے معنی ہیں کہ مجھ ہی سے ڈرو اور میرا ہی تقویٰ اختیار کرو۔ میرے سوا کسی دوسرے کا ڈر اور تقویٰ نہ رکھو۔

"إِيَّاكَ" سے اصل ذات اور حقیقت کی طرف اشارہ ہے "إِيَّاكَ أَحْبَبْتُكَ" کے

---

(۱) مدارج السالکین: الفاتحة واشتمالها على جميع معاني القرآن، ج۱ ص۵۹، ۶۰

Marfat.com

معنیٰ ہیں کہ میں نے تیری ذات ہی کو چاہا۔ یہ بات ''اَحْبَبْتُكَ'' سے نہیں پیدا ہو سکتی، بس یہی فرق ''اِیَّاكَ نَعْبُدُ'' اور ''نَعْبُدُكَ'' میں سمجھ لیجیے۔ دوبارہ ''اِیَّاكَ'' لانے سے کلام میں قوت اور زور پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً آپ نے کسی بادشاہ سے کہا:

اِیَّاكَ اُحِبُّ وَاِیَّاكَ اَخَافُ۔

میں تجھ ہی کو چاہتا ہوں اور تجھ ہی سے ڈرتا ہوں۔

اس اندازِ بیان میں خوف ومحبت کا بادشاہ کے ساتھ مخصوص ہونے کا جو زور اور اہتمام پایا جاتا ہے، وہ آپ کو ''اُحِبّ اِیَّاكَ وَ اَخَافُ اِیَّاكَ'' میں نہیں مل سکتا۔[1]

لفظ ''اِیَّاكَ'' کو مکرر کیوں ذکر فرمایا؟

لفظ ''اِیَّاكَ'' کو مکرر اس لئے ذکر فرمایا تاکہ اس بات کی تصریح ہو جائے کہ جس طرح ذاتِ باری تعالیٰ مستقلاً معبود ہے اسی طرح مستقلاً مستعان بھی ہے، کیونکہ اگر حرفِ واو کے ذریعے ذکر کرتے تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ معبود اور مستعان کا مجموعہ تو ذاتِ باری تعالیٰ پر منحصر ہے لیکن ہر ایک تنہا تنہا ذاتِ باری تعالیٰ پر منحصر نہیں بلکہ غیر کے اندر بھی پایا جا سکتا ہے، تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے لفظ ''اِیَّاكَ'' کو مکرر ذکر فرمایا اور بتلا دیا کہ جس طرح مجموعہ ذات باری تعالیٰ پر منحصر ہے اسی طرح تنہا تنہا عبادت اور استعانت بھی ذات باری تعالیٰ پر منحصر ہے، تو ضمیر کو مکرر لا کر اس بات کی وضاحت کر دی کہ اللہ ہی مستعان ہے:

وكرر الضمير للتنصيص على أنه المستعان به لا غير۔[2]

وتكرير الضمير المنصوب للتنصيص على تخصيصه تعالى بكل واحدة من العبادة والإستعانة ولإبراز الاستلذاذ بالمناجاة والخطاب۔[3]

---

(۱) مدارج السالکین: الفاتحة واشتمالها على جميع معاني القرآن، ج ۱ ص ۶۰

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۳۷

(۳) تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۶

Marfat.com

''اِیَّاكَ نَعْبُدُ'' میں حصر حقیقی ہے اور ''اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ'' میں حصر ادعائی ہے

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ ''اِیَّاكَ نَعْبُدُ'' میں حصر حقیقی ہے جبکہ ''اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ'' میں حصر ادعائی ہے:

فالحصر فی إِیَّاكَ نَعْبُدُ حقیقی والقصر فی إِیَّاكَ نَسْتَعِینُ ادعائی۔ (۱)

''نَسْتَعِیْنُ'' کی صرفی تحقیق

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ''نَسْتَعِیْنُ'' اصل میں ''نَسْتَعْوِنُ'' تھا واو کی حرکت عین کو منتقل کردی گئی اور واو کو یاء سے بدل دیا، اس کا مصدر ''استعانة'' ہے:

واصل نستعین نستعون، قلبت حرکة الواو إلی العین فصارت یاء، والمصدر استعانة۔ (۲)

استعانت کا مفہوم

۱.....مافوق الاسباب ۲.....ماتحت الاسباب

۱.....مافوق الاسباب کا مطلب یہ ہے کہ عالم اسباب کی چیزوں سے قطع نظر کر کے اگر کسی کو نفع یا نقصان پہنچے تو وہ صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوگا، مثلاً اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کو زہر دے کر مار دیا یا تلوار یا بندوق سے اسے قتل کر دیا یا دریا میں ڈبو دیا، یا آگ میں جھونک دیا اور وہ مر گیا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ عالمِ اسباب کے ماتحت ہوا، اسی طرح بھوکے کو کھانا کھلانا یا پیاسے کو پانی دے دینا یا بیمار کو دوائی دے دینا اور اس کی بظاہر مایوس کن

(۱) التحریر والتنویر: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۸۶

(۲) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۹۱

Marfat.com

حالت سنور گئی تو یہی کہا جائے گا کہ سلسلہ اسباب و مسببات کے مطابق ہوا ہے، مگر ان تمام تر چیزوں کی عدم موجودگی میں جب کوئی بظاہر سبب نظر نہ آتا ہو اور ہم دیکھیں کہ کسی کو نفع یا نقصان ہو رہا ہے یا ہم اپنی تدبیر کے موافق منافع اور سود مند چیزیں ہی استعمال اور اختیار کرتے ہیں لیکن وہ تمام ہمارے خلاف واقع ہو تو یہ کہا جائے گا کہ یہاں ایک ایسی زبردست قدرت کا ہاتھ ہے جس کے سامنے کسی کا بس و چارہ نہیں اور یہ معاملہ مافوق الاسباب ہوگا۔

۲...... ماتحت الاسباب استعانت کا جواز شرعی نصوص سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی زندہ کے پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز کی طلب کرے جو عادتاً اس کے بس اور اختیار میں ہو اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے، اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں جیسے سورہ مائدہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ (المائدۃ: ۲)

یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔

ستائیسویں بحث: استعانت کی پانچ اقسام

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: استعانت کی پانچ صورتیں ہیں۔ دو خالصتاً کفر اور شرک ہیں، اور دو حرام ہیں مگر چوتھی صورت میں کفر کا شبہ قوی ہے اور پانچویں صورت مباح و جائز ہے۔ تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

استعانت کی پہلی اور دوسری صورت کفر اور شرک ہے

۱...... کسی غیر اللہ کو فاعل مستقل اور قادر بالذات سمجھ کر مدد چاہنا۔

۲...... کسی کو قادر بعطاء الٰہی مان کر مستقل بالعرض سمجھ کر مدد چاہنا۔ یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ خدا تعالیٰ نے اس مخلوق کو ایسی قدرت اور اختیار دیا ہے کہ جو امور طاقتِ بشریہ سے باہر ہے ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے محروم کردے،

Marfat.com

وہ بعد عطاءِ الٰہی کے ان امور میں مستقل اور مختار ہے۔ حق تعالیٰ کے علم وارادہ کو اب اس میں کچھ دخل نہیں یہ دونوں صورتیں کفر اور شرک ہیں۔ مشرکینِ عرب بھی ملائکہ اور بتوں کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ (الزمر: ۳)

یعنی ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کا مقرب بنادے۔

استعانت کی تیسری اور چوتھی صورت حرام ہے

۳......عقیدے میں اس غیر کو نہ مستقل بالذات سمجھے اور نہ مستقل بالعرض لیکن معاملہ اس کے ساتھ مستقل بالذات کا کرے، مثلاً اس کو یا اس کی قبر کو سجدہ کرے یا اس کے نام کی نذر مانے۔

۴......استعانت بالغیر میں اس غیر کے مستقل سمجھنے کا ایہام ہوتا ہو، جیسے روحانیات سے مدد مانگنا اگرچہ یہ شخص مستقل نہ سمجھتا ہو لیکن چونکہ مشرکین ارواح کو فاعلِ مستقل سمجھ کر مدد مانگتے ہیں اسی لئے ان کے شعار کا اظہار اور تائید ہوگی، یہ دو صورتیں حرام ہیں بلکہ چوتھی صورت کے کفر ہونے کا قوی شبہ ہے۔

استعانت کی پانچویں صورت مباح وجائز ہے

جو امور طاقتِ بشریہ کے تحت داخل ہوں اور کارخانہ عالم کے اسباب کے ساتھ مربوط ومتعلق ہوں اور کسی شخص کو ان کے فاعلِ مستقل ہونے کا تو ہم بھی نہ ہوتا ہو، خواہ امورِ عادیہ سے ہوں جیسے روٹی کی امداد سے بھوک رفع کرنا، اور پانی کی امداد سے پیاس رفع کرنا، اور دواء سے مرض کا علاج کرنا وغیرہ، اور خواہ امورِ شرعیہ سے ہوں جیسے دعا ورقیہ اور تعویذ اور صبر ونماز وغیرہ یہ صورت استعانت کی جائز ومباح ہے۔[1]

---

(۱) آثار خیر: ص ۲۹۸ تا ۳۰۰

Marfat.com

اس موضوع پر سیر حاصل بحث لئے مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمہ اللہ کے رسائل چاند پوری میں رسالہ ''سبیل السداد فی مسئلۃ الاستمداد'' ج ۲ ص ۷۱ سے ۱۱۰ تک کا مطالعہ کریں۔

اٹھائیسویں بحث: اہلِ بدعت کا استعانت بالغیر پر استدلال اور اس کا کئی وجوہ سے ابطال

مولوی نعیم الدین مراد آبادی اپنی تفسیر میں ''اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کے تحت لکھتا ہے کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بلا واسطہ ہر طرح اللہ کے ساتھ خاص ہے، حقیقی مستعان وہی ہے باقی آلات وخدام واحباب وغیرہ عون الٰہی کے مظہر ہیں، بندے کو چاہئے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھے، اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء وانبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے عقیدہ باطلہ ہے۔ کیونکہ مقربانِ حق کی امداد، امداد الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں ہے، اگر اس آیت کے وہ معانی ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے ہیں تو قرآن پاک ''فَاَعِیْنُوْنِی بِقُوَّةٍ'' اور ''اِسْتَعِیْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ'' کیوں وارد ہوتا؟ احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی؟[1]

یہ تفسیر کئی وجوہ کی بناء پر باطل ہے

۱...... پہلی وجہ تو یہ ہے کہ عربی کا ایک مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہاں ''نَسْتَعِیْنُ'' کا مفعول اور معمول ''اِیَّاکَ'' ضمیر منفصل کی صورت میں محض اس لئے مقدم ہے کہ حصر کا فائدہ دے اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اور صفات میں مختص ہو جائے، ابتدائی جملوں میں خود مولوی نعیم الدین نے بھی کافی حد تک اس کا اقرار بھی کیا ہے۔ مگر اس سے ان کی بریلویت اور بدعت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس سے ان کے

---

(۱) کنز الایمان: ص ا، مکتبہ رضویہ کراچی

Marfat.com

عقیدے پر ضرب لگتی ہے تو فوراً پینترا بدل کر یہ لکھا کہ اس سے یہ سمجھنا اولیاء اور انبیاء سے مدد مانگنا شرک ہے عقیدہ باطلہ ہے۔ انہوں نے قرآنِ کریم کی تفسیر میں تحریف کرکے اپنے لئے چور دروازہ کھولا ہے۔

۲......دوسری وجہ یہ ہے کہ مولوی نعیم الدین نے جو تفسیری احتمال ''اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کا بیان کیا ہے وہی احتمال بعینہٖ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ'' میں بھی جاری ہوسکتا ہے، مثلاً ایک شخص حضراتِ انبیاء کرام و اولیاءِ عظام کو سجدہ کرتا ہے یا نماز و روزہ یا قربانی وغیرہ ان کے نام کی کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ درحقیقت تو میں عبادت بواسطہ یا بلا واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کررہا ہوں مگر ان حضرات کو صرف تقرب الٰہی کا مظہر سمجھتا ہوں تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح ہے پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں صحیح نہیں؟ اور کس دلیل سے؟ اور اگر یہ غلط ہے تو پھر غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کس طرح صحیح ہے؟ تو جس طرح عبادت غیر اللہ کی باطل ہے اسی طرح مافوق الاسباب استعانت بھی باطل ہے۔

۳......تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ اقسامِ شرک میں سے ایک یہ ہے کہ مشرکین اپنی حاجتوں میں غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے، مثلاً بیمار کی شفاء یابی اور فقیر کی غناء وغیرہ اور ان کے لئے نذریں مانتے تھے اور ان کی وجہ سے وہ اپنی مرادیں پوری ہونے کی امید رکھتے تھے، اور برکت حاصل کرنے کی امید پر وہ ان کے نام ورد کے طور پر پڑھتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب کردیا کہ وہ اپنی نماز میں ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' پڑھے اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو، اور دُعا سے یہاں عبادت مراد نہیں جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے بلکہ استعانت مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم صرف اس کو پکارو گے پس وہ ہی تمہاری تکلیف کو دور کرے گا۔ (۱)

اس عبارت سے واضح ہوا ہے کہ غیر اللہ سے استعانت شرک ہے۔ باقی ''فَاَعِیْنُوْنِیْ

(۱) حجة الله البالغة: باب اقسام الشرك، ج۱ ص۱۲۰

Marfat.com

بِقُوَّةٍ ''اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ذوالقرنین نے سدِ سکندری کے مقام کے قریب پہنچ کر لوگوں کی درخواست سنی کہ یاجوج ماجوج انہیں ستاتے ہیں تو انہوں نے ایک بند قائم کیا تاکہ لوگ یاجوج ماجوج کی تکلیف سے بچ جائیں، اور ان لوگوں نے آپ کے لئے مالی امداد کا بھی کہا تو حضرت ذوالقرنین نے فرمایا کہ مجھے مال کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ عطا فرمایا ہے البتہ تم بدنی طور پر میری امداد کرو، ''فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ'' میں وہ امداد نہیں جو شرک وبدعت کے شیدائی کہتے ہیں، اس ظاہری استعانت سے مطلق یا مافوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا عوام الناس کو مغالطہ دینا ہے۔

''اِسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ'' سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہاں حرفِ باء سبب کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ صبر اور صلاۃ کے ذریعے سے استعانت طلب کرو، یہ تو صرف ذریعہ ہے مستعان ہرگز نہیں، مستعان تو صرف ایک اللہ ہی کی ذات ہے۔ جیسا کہ ''إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' اور ''وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ'' اور ''اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ'' وغیرہ۔ الغرض کتبِ احادیث میں ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں ہے کہ جس سے مافوق الاسباب اہل اللہ سے استعانت کا ذکر ہو، اگر اس دعویٰ میں کوئی صداقت ہو تو کوئی ثبوت لایا جائے۔ یہ محض عوام کو دھوکہ دینا ہے۔

اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے لئے اہل علم حضرات محقق العصر امامِ اہلسنت شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی تصنیف ''تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین'' صفحہ ۲۲ سے ۳۳ تک مطالعہ فرمائیں۔

انتیسویں بحث: لفظ عبد اور عبادت قرآن کریم میں تیس (۳۰) طرح سے استعمال ہوا ہے

علامہ مجد الدین فیروز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ ''عبد وعبادت'' قرآن کریم میں تیس (۳۰) مختلف طرح سے استعمال ہوا، اہلِ علم حضرات کے

Marfat.com

استفادہ کے لئے انہیں ذکر کیا جاتا ہے:

۱.....مومنین اور کفار دونوں کے لئے۔ ۲.....صرف مومنین کے لئے۔

۳.....صرف کفار کے لئے۔ ۴.....غلاموں کے لئے۔

۵.....اطاعت گزاروں کے لئے۔ ۶.....نافرمان مجرمین کے لئے۔

۷.....نیکوکار اور پسندیدہ لوگوں کے لئے۔

۸.....لوگوں میں سے چنے ہوئے منتخب اور برگزیدہ بندے جیسے ابراہیم علیہم السلام اور ان کے علاوہ۔

۹.....مقرب اور معزز لوگ۔ ۱۰.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت۔

۱۱.....موسیٰ علیہ السلام کی امت۔ ۱۲.....متقی اور پرہیزگار لوگ۔

۱۳.....جنت والے۔ ۱۴.....نوح علیہ السلام کی قوم۔

۱۵.....انبیاء علیہم السلام۔

۱۶.....انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جھگڑنے والے۔

۱۷.....ملائکہ (فرشتے)۔ ۱۸.....مخلص معصوم لوگ۔

۱۹.....دشمنوں کے مقابلے میں مدد کیے ہوئے۔ ۲۰.....علماء۔

۲۱.....بشارت کے مستحق لوگ۔

۲۲.....مقرب لوگ بوقت وفات اور قیامت کے دن۔

۲۳.....نوح علیہ السلام۔

۲۴.....حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد۔

۲۵.....لوط علیہ السلام۔ ۲۶.....ایوب علیہ السلام۔

۲۷.....طاقت ور اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے حضرت داود علیہ السلام۔

۲۸.....نعمت کے شکر کے مقام میں حضرت سلیمان علیہ السلام۔

۲۹.....عیسیٰ علیہ السلام۔

Marfat.com

۳۰.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے:

وَرَدَ العَبْدُ والعِبادة فی القرآن علی ثلاثین وجها:

الأول عامّ للمُؤمن والكافر: وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ، رِزْقاً لِّلْعِبَادِ، وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ۔ خاصّ بالمؤمنين: وَاللّٰهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ، اللّٰهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ، قُل لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا۔ خاصّ بالكفار: يَاحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ، إِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ۔ بمعنى المماليك: وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ، وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ۔ بمعنى المطيعين: وَعِبَادُ الرَّحْمَانِ۔ بمعنى العاصين المجرمين: وَكَفَى بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيراً بَصِيراً، قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ۔ بمعنى الأبرار والأخيار: عَيْناً يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ۔ بمعنى المصطَفين والمجتَبين من النّاسِ كالأنبياءِ وغيرهم۔ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا، وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى۔ أهل القُرْبة والكرامة: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ۔ بمعنى أُمّة النبيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ، أَنَّ الأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ بمعنى أُمّة موسَى عليه السلام: وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي۔ بمعنى الأتقياء: مِنْ عِبَادِنَا مَن كَانَ تَقِيّاً۔ بمعنى أهل الجنّة: جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَانُ عِبَادَهُ۔ بمعنى قوم نوح: إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ۔ بمعنى الأنبياء: وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَى مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ، يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ۔ بمعنى المنازعينَ للأنبياء: وَلَكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَن يَشَاءُ۔ بمعنى ملائكة الملكوت: وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَانِ، بَلْ

Marfat.com

عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ۔ بمعنى المخلَصِينَ المعصومين: إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ۔ بمعنى المنصورين على الأعداءِ: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ۔ بمعنى العلماء: إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ۔ بمعنى المستحِقّين للبشرى: فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ۔ بمعنى أهل الخصوص عند الوفاة ويوم القيامة: يَاعِبَادِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ بمعنى نوح عليه السلام: إِنَّهُ كَانَ عَبْداً شَكُوراً۔ بمعنى إبراهيم الخليل وأولاده: وَاذْكُرْ عِبَادَنَآ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ۔ بمعنى لوط: كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ۔ بمعنى أيّوب عليه السلام: إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِراً نِّعْمَ الْعَبْدُ۔ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ أَيُّوبَ۔ بمعنى داودَ في مقام الأَوْبَةِ والإنَابة: وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ۔ بمعنى سليمان في مقام شكر النّعمة: وَوَهَبْنَا لِدَاوُودَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ۔ بمعنى عيسى عليه السلام: قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي۔ بمعنى سيّد المرسلين: لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللهِ، فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَآ أَوْحَى، سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ۔ (۱)

آیت کا ماقبل سے ربط

''إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' میں بندے نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی، تو اب گویا اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ اے میرے بندے! میں تمہاری کس طرح اعانت و مدد کروں، تو بندوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' یعنی اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ یا یہ کہ ''نَسْتَعِينُ'' میں بہت سارے مقاصد شامل تھے ان میں سے جو مقصودِ اعظم تھا اس آیت میں اسے علیحدہ سے بیان کیا گیا:

---

(۱) بصائر ذوي التمييز في لطائف الكتاب العزيز: الباب التاسع عشر، ج۴ ص ۱۱

Marfat.com

اهـدنا الصراط المستقيم بيان للمعونة المطلوبة فكأنه قال: كيف أعينـكم فـقـالـوا: اهـدنـا، أو إفـراد لـمـا هـو المقصود الأعظم۔ (۱)

إهـدنـا بيانـا لـلمطلوب من المعونة كأنه قيل كيف أعينكم فقالوا إهدنا الصراط المستقيم۔ (۲)

''اَلصِّرَاط'' کو معرفہ ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

عربی بلاغت کا یہ قاعدہ ہے کہ جب موصوف پر الف لام داخل ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ موصوف اس صفت کا زیادہ حقدار ہے۔ اسی بنا پر ''جالس فقیها أو عالما'' اور ''جالسِ الفقيه أو العالم'' دونوں فصاحت کے لحاظ سے یکساں نہیں ہو سکتے۔ یہ ہی فرق ''أكلت طيبا'' اور ''أكلت الطيب'' میں ہے۔ حدیث میں ہے:

أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ۔ آخر میں فرمایا: وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ۔ (۳)

مذکورہ بالا قاعدہ کی روشنی میں اس روایت کے الفاظ میں غور وفکر کریں۔ ایسی اشیاء کے ناموں کے بعد حق پر الف لام نہیں لایا گیا ہے جو غیر قدیم (حادث) ہیں، یعنی جنت اور جہنم۔ لیکن اسم رب، اس کے وعدہ اور کلام کے بعد حق پر الف لام لایا گیا ہے۔

اگر ''اِهْدِنَا صِرَاطاً مُسْتَقِيمًا'' کہا جاتا تو یہ معنی ہوتے کہ ایک غیر معین راستہ کی طرف ہدایت کر دے، حالانکہ یہاں وہ معین راستہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں کے لئے بنایا ہے اور اسی راہ پر چل کر انسان اپنے خالق کی رضا اور خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ حق وہی دین حق ہے جس کے علاوہ کوئی دین بھی صحیح معنوں میں دین کہلانے کا

---

(۱) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۸

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۲

(۳) صحيح البخاري: كتاب الجمعة، باب التهجد بالليل ... إلخ، ج۲ ص۴۸، رقم الحديث: ۱۱۲۰

Marfat.com

مستحق نہیں، یہی دین ہے جس کی معرفت، تصدیق اور تمام غلط راہوں سے اس کی امتیازی شان دل میں سمائی ہوئی ہے۔ اس بنا پر صراط کو یہاں معرفہ لایا گیا ہے۔(۱)

''صراط'' کا ماخذ اور اس کی لغوی تحقیق

عربی زبان کا محاورہ ہے ''صرطت الشیئ'' یعنی میں نے اس کو آسانی سے نگل لیا۔ راستہ کو صراط اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ گزرنے والے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی منتقل کر دیتا ہے، گویا اس کو نگل جاتا ہے۔ صراط اسی راستہ کو کہیں گے جس میں یہ پانچ اوصاف پائے جائیں:

۱..... مستقیم، سیدھا راستہ۔ ۲..... آسان۔ ۳..... آباد، چلتا پھرتا۔ ۴..... کشادہ۔ ۵..... منزل مقصود تک پہنچا دینے والا۔

ٹیڑھے، دشوار گزار اور بند راستہ کو صراط نہیں کہیں گے۔ عربی کلام کے مواقع استعمال پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

جریر رحمہ اللہ نے کہا ہے:

أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى صِرَاطٍ　　إِذَا اعْوَجَّ الْمَوَارِدُ مُسْتَقِيمِ (۲)

امیر المومنین سیدھے راستہ پر ہیں جبکہ دوسری گزرگاہیں کج اور ٹیڑھی ہیں۔

''صراط'' بالصاد اصل میں ''سراط'' بالسین تھا کیونکہ اس کا ماضی ''سرط'' سین کے ساتھ آتا ہے مگر سین کو صاد سے بدل دیا، بدلنے کی وجہ یہ ہے طاء حرف مجہورہ مستعلیہ میں سے ہے اور سین مہموسہ منخفضہ میں سے ہے تو گویا دونوں کی صفات متضادہ ہیں، لہٰذا ان کا جمع ہونا موجبِ ثقل ہے اس لئے سین کو صاد سے بدل دیا کیونکہ صاد کو طا اور سین دونوں سے مناسبت حاصل ہے، طاء سے حروف مطبقہ ہونے میں اور سین سے مہموسہ

---

(۱) بدائع التفسیر لابن القیم: سورة الفاتحة، ج۱ ص۶۷

(۲) بدائع التفسیر: سورة الفاتحة، ج۱ ص۶۸

Marfat.com

ہونے میں۔ ''سراط''''سرط الطعام إذا ابتلعه'' سے ماخوذ ہے یہ اسی وقت بولتے ہیں جب کھانے والا کھانے کو نگل لے:

والسراط: من سرط الطعام إذا ابتلعه فكأنه يسرط السابلة، ولذلك سمي لقما لأنه يلتقمهم۔ والصراط من قلب السين صادا ليطابق الطاء في الإطباق۔ (۱)

والسراط الجادة من سرط الشئ إذا ابتلعه كأنه يسرط السابلة إذا سلكوه والصراط من قلب السين صادا لتجانس الطاء في الإطباق لأن الصاد والضاد والطاء والظاء من حروف الإطباق۔ (۲)

جمہور علماء کے ہاں لفظ ''صراط'' صاد کے ساتھ ہے

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور حضرات کی قراءت ''صراط'' بالصاد کے ساتھ ہے:

قراءة الجمهور بالصاد۔ (۳)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صاد والی قراءت زیادہ فصیح اور وسیع ہے:

وقرأ الجمهور بالصاد وهي عندي أفصح وأوسع۔ (۴)

اللہ تعالیٰ نے لفظِ صراط کیوں فرمایا لفظ سبیل یا طریق کیوں نہیں فرمایا؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ لفظ صراط فرمایا ''سبیل'' یا ''طریق'' نہیں فرمایا اگرچہ سب کا معنی ایک ہے، (لیکن اس لفظ کے اختیار کرنے میں

(۱) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۹

(۲) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۲

(۳) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳۰

(۴) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۴

Marfat.com

حکمت یہ ہے کہ) یہ پُلِ صراط کی یاددہانی کروانا ہے (کہ ہر انسان نے اس سے گزرنا ہے) تو اس سے مزید خوف اور ڈر پیدا ہوتا ہے:

وإنما قال الصراط ولم يقل السبيل ولا الطريق وإن كان الكل واحدا ليكون لفظ الصراط مذكرا لصراط جهنم فيكون الإنسان على مزيد خوف وخشية۔ (۱)

وللتذكير بذلك الصراط لم يقل السبيل ولا الطريق وإن كان الكل واحدا۔ (۲)

تیسویں بحث: ہدایت کا لغوی واصطلاحی معنی

علامہ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۶ھ) ہدایت کا لغوی معنی بیان فرماتے ہیں کہ ہدایت لغت میں رہنمائی کرنے کو کہتے ہیں:

والهداية في اللغة الإرشاد۔ (۳)

علامہ محمد طاہر ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) ہدایت کا اصطلاحی معنی بیان فرماتے ہیں کہ ہدایت شرع کی اصطلاح میں منسوب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف، ہدایت کہتے ہیں کسی کی خیر کے کام کی طرف رہنمائی کرنا جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو، اور اس ہدایت کا مقابل ضلالت (گمراہی) ہے:

والهداية في اصطلاح الشرع حين تسند إلى الله تعالى هي الدلالة على ما يرضي الله من فعل الخير ويقابلها الضلالة۔ (۴)

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۱۹

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۵

(۳) المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۶

(۴) التحرير والتنوير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۸۸

Marfat.com

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ ہدایت کے معنی لطف اور مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنے کے ہیں اسی وجہ سے یہ لفظ خیر کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے:

والهداية دلالة بلطف ولذلك تستعمل في الخير۔ (۱)

امام ابوالسعود محمد بن محمد حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ ہدایت کے معنی نرمی اور پیار کے ساتھ رہنمائی کرنا جو مقصود تک پہنچائے، اسی وجہ سے اس لفظ کو خیر کے کاموں کے ساتھ خاص کیا گیا ہے:

الهداية دلالة بلطف على ما يوصل إلى البغية ولذلك اختصت بالخير۔ (۲)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ نرمی اور پیار کے ساتھ کسی کی رہنمائی کرنا اسی وجہ سے اس لفظ کو خیر کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے:

والهداية دلالة بلطف ولذلك تستعمل في الخير۔ (۳)

''اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' کی تفسیر

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ''اِهْــدِنَـــا'' میں دُعا اور بندہ کا اپنے آقا کی طرف متوجہ ہونے کا اشارہ ہے جس کا معنی ہے کہ ہمیں سیدھی راہ دکھا اور اس کی طرف ہماری رہنمائی فرما، اپنی ہدایت کا وہ راستہ ہمیں دکھا جو تیری محبت اور قرب تک پہنچانے والا ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے دعا کی عظمت اور اس کے انداز کو اس سورت کا موضوع بنایا ہے۔ آدھی سورت حمد و ثنا پر مشتمل ہے اور باقی آدھی طلبِ حاجات پر، جو دعا اِس سورت میں سکھائی گئی ہے، اُسے اس دعا سے افضل قرار دیا گیا ہے جو

---

(۱) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۸

(۲) تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۷

(۳) التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۰

Marfat.com

بندہ خود مانگتا ہے، کیوں کہ یہ رب العالمین کے کلام پر مشتمل ہے۔ اس طرح آپ رب العالمین سے ایسے الفاظ میں دعا کرتے ہیں جو اس کے اپنے ہیں اور ان سے خود ذاتِ باری تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

لَيْسَ شَيْئٌ أَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ۔(۱)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا سے بڑھ کر شرف وکرامت والی کوئی چیز نہیں۔

اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ فرائض کی ادائیگی ہمیں سنت کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ایک قول یہ ہے کہ ''اِھْدِنَا'' کا اصل معنی مائل کرنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُدْنَآ اِلَيْكَ (الأعراف:۱۵۶)

ہم تیری طرف مائل ہوئے۔

اسی سے لفظ ''ھدیۃ'' ہے جس کا معنی تحفہ ہے۔ اس کو بھی ''ھدیۃ'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ایک کی ملکیت سے دوسرے کی ملکیت کی طرف جاتا ہے۔ قربانی کے لئے حرم کی طرف ہانکے جانے والے جانور کو ھدی کہتے ہیں۔ اس طرح ''اِھْدِنَا'' کا معنی یہ ہوا کہ ہمارے دل حق کی طرف مائل فرمادے۔(۲)

کائنات میں پھیلی ہوئی ہدایت کے مناظر واقسام

ہدایت جو تمام کائنات کو شامل ہے۔ اس کا ذکر اس آیت میں موجود ہے:

اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ (طه)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش بخشی، پھر اس کی راہنمائی کی۔

(۱) سنن الترمذی: أبواب الدعوات، باب ما جاء فی فضل الدعاء، ج۵ ص۴۵۵، رقم الحدیث: ۳۳۷۰

(۲) تفسیر القرطبی: سورۃ الفاتحۃ، الباب الرابع، ج۱ ص۱۴۷

Marfat.com

یعنی ہر شے کو ایسی صورت اور ساخت عطا کی کہ ایک دوسرے سے امتیاز ہو گیا، ہر عضو کو مناسب شکل سے آراستہ کیا، ہر موجود کو خاص بناوٹ سے سرفراز فرمایا۔ پھر جن کاموں کے لئے ان کو پیدا کیا تھا ان کی طرف راہنمائی کی، یہ حیوانی ہدایت ہے جس کے ذریعہ سے ہر جاندار اپنے نفع کو حاصل کرتا ہے اور نقصان سے بچتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام حیوانات، نباتات، جمادات اور اعضائے انسانی نعمت ہدایت سے مالا مال ہیں، خواہ بظاہر صورت ونوع کے لحاظ سے کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو۔ قدموں کو چلنے، ہاتھ کو پکڑنے، زبان کو بولنے، کان کو سننے اور آنکھ کو دیکھنے کی ہدایت عطا فرمائی ہے۔ حیوانات میں سے ہر جوڑا اس فطرتی ہدایت کی بنا پر صنفی تعلق، بقائے نسل اور تربیت اولاد کی طرف مائل ہوتا ہے۔ بچہ خود بخود اسی ہدایت کی بدولت ماں کی چھاتی سے غذا حاصل کرتا ہے۔ یہ ہدایت کی وہ شکلیں اور قسمیں ہیں، جن کا شمار سوائے اللہ کے اور کون کر سکتا ہے۔

شہد کی مکھی کو دیکھیں، کس طرح پہاڑوں درختوں اور مکانوں میں اپنا گھر بناتی ہے اور اللہ کی ہدایت کے مطابق اپنا پروگرام پورا کرتی ہے۔ اپنی راہ اور روش سے ہٹنا جانتی ہی نہیں۔ پھر غور سے دیکھیں اپنی سردار (ملکہ) کے پورے نظام کی پیروی کرتے ہوئے کس خوبی وکمال سے اپنا مضبوط خوشنما چھتا تعمیر کر لیتی ہے۔

ساری کائنات میں پھیلی ہوئی ہدایت کے مناظر کو جو انسان بھی غور وفکر کی نگاہ سے دیکھے گا وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا کہ اللہ کے سوا کوئی الہٰ نہیں، وہ پوشیدہ اور ظاہر کا علم رکھتا ہے، عزت وحکمت کا اصل مالک وہی ہے۔ جب آپ نے یہ مان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو بے کار نہیں چھوڑا بلکہ ان کو ایسی ہدایت سے نوازا ہے۔ جس سے خود انسانی عقل اور سمجھ، عاجز و درماندہ ہے۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان جیسی اشرف المخلوقات ہستی بے کار و مہمل چھوڑ دی جاتی، رب العالمین کی طرف سے کوئی ہدایت نامہ اس کے پاس نہ آتا۔ اس کو اعلیٰ مقصد اور انتہائی کمالات کی راہ نہ بتلائی جاتی اور ثواب و عذاب کے اسباب وتفصیلات سے آگاہ نہ کیا جاتا، ایسا ہونا رب اکبر کی حکمت وعزت کے یکسر منافی ہے۔ اس

Marfat.com

لئے اس نے اپنے کلام پاک میں اس عیب سے براءت ظاہر کی ہے اور اس قسم کے لوگوں کی سخت مذمت فرمائی ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (المومنون)

ترجمہ: کیا پھر تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بے کار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہ آؤ گے، وہ سچا بادشاہ اس بات سے بلند ہے۔

اس قسم کے گمان سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو پاک بتلایا ہے۔ یہ خیال ہی ایسا ہے جس کے بطلان اور فساد سے کسی سلیم الفطرت، صحیح العقل انسان کو انکار ہی نہیں ہو سکتا، یہاں سے عقلی طور پر قیامت کا بھی ثبوت مل گیا۔ جس نے ہمارے اس استدلال کو سمجھ لیا اس کے لئے ذیل کی دو آیتوں میں تناسب، ربط اور تعلق معلوم کرنا مشکل نہیں:

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ۝ (الأنعام)

ترجمہ: اور نہیں ہے کوئی جانور زمین میں اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہو اپنے دونوں بازوؤں کے ساتھ مگر وہ امتیں ہیں تمہاری مانند۔ ہم نے کتاب میں سب کچھ درج کر دیا ہے۔ پھر تم اپنے رب کی بارگاہ میں جمع کئے جاؤ گے۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ (الأنعام)

اور کافروں نے کہا کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتری۔ کہہ دو بے شک اللہ تعالیٰ نشانی کے اتارنے پر قادر ہے لیکن ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔

اس مقام پر منکرینِ نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں حیوانات کا ذکر خاص حکمت رکھتا ہے، اس اندازِ بیان سے اثبات نبوت کی طرف لطیف اشارہ ہو گیا۔

Marfat.com

جس خالق نے زمین پر چلنے والے فضا میں اڑنے والے جانوروں کو اپنی ہدایت سے محروم نہیں کیا بلکہ ان کو امم (گروہ در گروہ، جماعتی رنگ میں) بنایا اور ان کو مقاصد و مصالح بتلائے، وہ تم کو تمہارے مقاصد و مصالح اور راہ نجات سے کیسے نا آشنا رکھ سکتا ہے۔ یہ ہدایت کی پہلی قسم ہے۔

۲..... خیر و شر، نجات و ہلاک اور ثواب و عذاب کی راہوں کو بندوں پر واضح کر دینا اور ان کو یہ بتلا دینا کہ اس راہ میں تمہاری ابدی فلاح پوشیدہ ہے اور اس کے علاوہ دوسری راہوں میں سوائے ابدی بدبختی اور تباہی سے کچھ نہیں۔ یہ ہدایت منزلِ مقصود تک پہچانے والی کامل ہدایت سے کم معنی نہیں ہے اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ جب یہ ہدایت حاصل ہو تو کامل ہدایت بھی حاصل ہو جائے، مثلاً فرمایا:

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (حم سجدہ:۱۷)

ترجمہ: ہم نے (قوم) ثمود کو راستہ بتلا دیا لیکن انہوں نے اندھے پن (گمراہی) کو ہدایت کے مقابلے میں پسند کر لیا۔

اور یہی معنی اس آیت کے ہیں:

وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الشوریٰ)

ترجمہ: بے شک آپ لوگوں کو سیدھی راہ بتلاتے ہیں۔

۳..... ہدایت توفیق و الہام، یعنی منزلِ مقصود تک پہنچا دینا۔ اس ہدایت کے بعد پھر راہ حق سے انسان بھٹک نہیں سکتا۔ مثلاً:

يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (النحل:۹۳)

ترجمہ: گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔

اور اسی معنی میں یہ ارشاد ہے:

ومن یھد اللہ فلا مضل لہ۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (الأعراف:۱۸۶)

ترجمہ: جس کو اللہ گمراہ کردے اُس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص:۵۶)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم جس کو خود چاہو ہدایت تک نہیں پہنچا سکتے۔

یہاں ہدایت بمعنی سوم کی نفی کی گئی ہے، اور دوسری آیت میں ہدایت بمعنی دوم آپ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ فرمایا:

وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الشوریٰ)

یہ ہدایت کی چوتھی قسم، تیسری قسم کی اصل غرض وغایت ہے۔ یعنی قیامت کے روز جنت اور جہنم کی طرف ہدایت، جب کہ مؤمن و کافر، ثواب وعذاب کی طرف ہنکائے جائیں گے، ذیل کی آیت میں ہدایت اسی معنی میں مستعمل ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ (یونس:۹)

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے، انکا رب ان کو ہدایت کرے گا ان کے ایمان کی وجہ سے۔

اہل جنت، جنت میں داخل ہو کر کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا (الأعراف:۴۳)

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے اس (نعمت) کی طرف ہمیں ہدایت فرمائی۔

اہلِ جہنم کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ .... فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ (الصافات)

Marfat.com

ترجمہ: ظالموں اور انکے اہل کو جمع کرو۔۔۔ پھران کو دوزخ کی راہ بتلادو۔

سورۂ فاتحہ میں ہدایت کے چار مراتب میں سے دوسرا اور تیسرا مراد ہے۔[۱]

صراط اس راستے کو کہتے ہیں جس میں پانچ باتیں پائی جائیں

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں صراط اصل میں اس راستے کو کہتے ہیں جس میں پانچ باتیں پائی جائیں۔

۱... مستقیم یعنی سیدھا ہو۔ ۲... موصل الی المقصود ہو یعنی مقصد تک پہنچانے والا ہو۔ ۳... سب سے زیادہ قریب اور نزدیک ہو۔ ۴... وسیع اور کشادہ ہو۔ ۵... اور مقصد تک پہنچنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ ہو۔

جس راستے میں یہ پانچوں باتیں پائی جائیں اس کو صراط کہتے ہیں، جب تک یہ پانچ باتیں نہ پائی جائیں اس وقت تک اس پر صراط کا اطلاق نہیں ہوگا۔[۲]

دیانند سرسوتی کا اعتراض اور اس کا جواب

سوال: دیانند سرسوتی نے اعتراض کیا کہ مسلمان ساری زندگی صراطِ مستقیم کی دعا کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں زندگی بھر سیدھا راستہ نہیں ملتا۔

جواب: یہاں ہدایت طلب کرنے کا مطلب یہ ہے اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما پھر ہمیں ہمیشہ سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھ، چونکہ دنیا میں ہمیشہ ہدایت پر قائم نہ رہنے کا خطرہ رہتا ہے کہیں انسان راہ حق سے بھٹک نہ جائے، تو اس لئے دوام اور استمرار کے لئے انسان بار بار سوال کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے ہدایت پر قائم ودائم فرما، اس تقریر سے تحصیل حاصل والا شبہ بھی ختم ہوگیا:

إهدنا: أی ثبتنا علی الهداية التی وهبتها منا، ونظيره قوله تعالی: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا أی ثبتنا علی الهداية۔[۳]

---

(۱) بدائع التفسير لابن القيم: سورة الفاتحة، ج۱ ص۸۴، ۸۵، ۸۶

(۲) معارف القرآن کاندھلوی: سورۂ فاتحہ، ج۱ ص۲۵

(۳) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۱۹

Marfat.com

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ آیت کا معنیٰ ہے اے اللہ! ہماری ہدایت کو دوام بخش دے کیونکہ انسان کبھی ہدایت پانے کے بعد بھی راستے سے بھٹک جاتا ہے:

ومعناه: أدم هدايتنا، فإن الإنسان قد يهدى إلى الطريق ثم يقطع به۔ (۱)

علامہ نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس واضح راستے پر ثابت قدم رکھ، جیسے آپ اس شخص سے جو پہلے سے کھڑا ہو کہتے ہو "قُمْ حَتّٰى أَعُوْدَ إِلَيْكَ" تو کھڑا رہ یہاں تک کہ میں لوٹ کر آؤں، یعنی اس حالت پر جما رہ جس پر تو پہلے سے ہے، یا اس کا معنیٰ ہے اے اللہ! ہمیں مستقبل میں بھی ہدایت پر (ثابت قدم رکھ) جیسے تو نے ہمیں حال (اور ماضی) میں رکھا:

أى ثبتنا على المنهاج الواضح كقولك للقائم قم حتى أعود إليك أى أثبت على ما أنت عليه أو اهدنا فى الاستقبال كما هديتنا فى الحال۔ (۲)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ مراد اعمالِ متعینہ کی ثابت قدمی، دوام اور ہیشگی ہے:

لأن المراد الثبات والاستمرار والمداومة على الأعمال المعينة على ذلك، والله أعلم۔ (۳)

حصولِ ہدایت کے لئے چھ امور میں تکمیل ضروری ہے

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے جواب میں کہا کہ یہاں ہدایت سے ثابت قدمی اور ہمیشگی مراد ہے، لیکن یہ کوئی ٹھوس جواب نہیں ہے اصل

---

(۱) تفسير القرطبى: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۹۳

(۲) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۲

(۳) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳۲

Marfat.com

بات یہ ہے کہ بندہ ہدایت پا ہی نہیں سکتا جب تک کہ مندرجہ ذیل چھ امور حاصل نہ ہوجائیں، یہ امور وہ ہیں جن سے کوئی بندہ بھی بے نیاز نہیں ہوسکتا :

۱.....ان تمام باتوں کا علم جن سے اللہ ناراض یا خوش ہوتا ہے، تاکہ مرضیاتِ الٰہی کی طلب اور ممنوعات سے پرہیز ہوسکے۔

۲.....ان تمام کاموں کے کرنے کا پورا عزم رکھے جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور ان تمام باتوں سے بچنے کا پختہ ارادہ کرلے جن سے اللہ نے روکا ہے۔

۳.....اس عزم وارادہ کو عملاً جاری رکھے اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہونے پائے۔

ان تینوں امور میں جس قدر کوتاہی ہوگی، اسی قدر ہدایت کاملہ میں کمی ہوگی۔ یہ امور بطور اصول کے ہیں، باقی تین امور گویا تکملہ تتمہ ہیں۔

۴.....جن باتوں کا علم سرسری طور پر حاصل ہوا ہے، بندہ انکی تفصیلی معرفت کا محتاج ہے۔

۵.....کچھ امور ایسے ہوتے ہیں جن کے بعض پہلو روشن ہوتے ہیں اور بعض پہلو تاریک، بندہ اس بات کا سخت محتاج ہے کہ اس کے سامنے تمام پہلو بے نقاب ہوجائیں۔

۶.....جن مسائل واعمال کے تمام گوشے تفصیل ووضاحت سے معلوم ہو چکے ہیں، ان پر ثابت قدم اور پابند رہنے کا بندہ محتاج ہے۔

یہ چھ امور وہ ہیں جن کا تعلق آئندہ زمانہ سے ہے۔ ایک ساتواں امر بھی ہے جس کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہے، یعنی پہلی غلطیوں اور گناہوں سے توبہ۔ اس تفصیل کے جان لینے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ بالفعل ہدایت موجود ہے، اس کے مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس اعتراض کا یہ جواب کیسے کافی ہوسکتا ہے کہ یہاں ہدایت سے مراد ثابت قدمی اور مداومت ہے۔ ہاں اگر یہ مذکورہ چھ امور حاصل ہوں تب ہدایت کے سوال کو ثابت قدمی اور دوام کا سوال قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہاں یہ حال ہے کہ انسان جتنی باتیں جانتا ہے ان سے کہیں زیادہ ایسی باتیں ہیں جن سے وہ واقف نہیں ہے، جن اعمال کا وہ ارادہ کرتا ہے ان سے کہیں زیادہ ایسے اعمال ہیں جن کا وہ نہ ارادہ کرسکتا ہے اور نہ ان کے انجام دینے کا راستہ

Marfat.com

پاسکتا ہے، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ بندے میں قوت فاعلیہ پیدا کردے۔ معلوم ہوا کہ اس آیت میں سوال ہمیشہ کے لئے اصل ہدایت ہی کا ہے نہ کہ محض ثابت قدمی کے۔

حقیقت یہ ہے کہ بندہ ان تمام کاموں میں جن کو وہ انجام دیتا ہے یا چھوڑتا ہے، ہدایت ہے اور برابر اسے مزید علم کی ضرورت رہتی ہے اور رہے گی۔ اسی لئے بندہ کے لئے طلبِ ہدایت سے پڑھ کر کوئی چیز نفع بخش نہیں ہوسکتی۔(۱)

''اِھْدِنَا'' میں ضمیرِ جمع لانے میں کیا حکمت ہے؟

بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں انسان کے ہر ہر عضو کے لحاظ سے صیغہ جمع لایا گیا ہے، گویا ہر عضو ہدایت وفلاح کا طالب ہے، لیکن یہ جواب درست نہیں ہے۔ انسان پورے مجموعہ کا نام ہے نہ کہ الگ الگ ہر عضو اور جز کا۔ جب بندہ ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ'' کہتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی پوری ذات کے لئے مغفرت ورحمت کا طالب ہے، اس وقت اسے اس بات کا خیال ہی نہیں ہوتا کہ میں نے اپنے ہر عضو کے لئے علیحدہ طور پر مغفرت ورحمت طلب کی ہے۔

اصل جواب یہ ہے کہ ''اِھْدِنَا'' میں جمع کا صیغہ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' سے مطابقت کے لئے لایا گیا ہے۔

دونوں جگہ جمع کا استعمال خاص حسن وعظمت کو ظاہر کررہا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بندہ اپنی بندگی، غلامی اور محتاجی کا اقرار کررہا ہے اور اپنے مالک سے مدد وہدایت کا طالب ہے۔ گویا یوں کہہ رہا ہے ہم صرف تیرے غلام ہیں اور تیری بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی غلام اپنے بارُعب باعظمت بادشاہ کے دربار میں عرض کرتا ہے کہ ہم تیرے غلام ہیں، تیرے مملوک ہیں، تیرے تابعدار ہیں، تیرے حکم سے کبھی ہم سرتابی نہ کریں گے، بادشاہ کے نزدیک یہ اندازِ درخواست جو اثر اور وقعت رکھتا ہے، وہ واحد صیغہ لانے کی صورت میں حاصل نہ ہوگا۔ ''اَنَا عَبْدُكَ'' میں تیرا غلام ہوں،

---

(۱) بدائع التفسیر: سورۃ الفاتحۃ، ج ۱ ص ۸۶، ۸۷

Marfat.com

اور ''نَحْنُ عِبَادُكَ'' ہم تیرے غلام ہیں، میں بڑا فرق ہے اور اگر غلام یوں کہہ دے کہ میں تنہا تیرا غلام ہوں تو بادشاہ کے عتاب سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔ ''نَحْنُ عَبِيْدُكَ'' فقرہ بتلا رہا ہے کہ تیرے بندے اور تیرے غلام بہت سے ہیں اور ان میں سے ایک میں بھی ہوں اور ہم سب کے سب تیری غلامی اور نصرت وہدایت کی طلب میں یکساں شریک ہیں۔

یہاں جمع کا صیغہ اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کے بندوں کی کثرت اور طالبین ہدایت کی فراوانی کو ظاہر کررہا ہے۔ مفرد صیغہ لانے کی صورت میں یہ فوائد حاصل نہ ہوتے، قرآن مجید کی اکثر دعائیں اسی انداز پر آئی ہیں فرمایا:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (البقرة: ۲۰۱)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے ''اِهْدِنَا'' میں جمع متکلم کا صیغہ ذکر کیا ''اِهْدِنِيْ'' واحد متکلم کیوں ذکر نہیں کیا اس میں کیا حکمت ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ دعا میں جس قدر عموم زیادہ ہوگا تو وہ قبولیت کے زیادہ قریب ہوگی تو ''اِهْدِنَا'' جمع متکلم میں عموم زیادہ ہے بہ نسبت واحد متکلم کے:

لم قال إهدنا ولم يقل إهدني؟ أن الدعاء كلما كان أعم كان إلى الإجابة أقرب۔ (۲)

صراط مستقیم کی دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کیوں کی جاتی ہے؟

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انسان کے سامنے مختلف راستے ہوتے ہیں، اب دوست واحباب ایک راستے کی طرف لے جاتے ہیں، اعداء دوسرے راستے کی طرف لے

(۱) بدائع التفسير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۸۷، ۸۸

(۲) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۱۹

Marfat.com

جاتے ہیں، شیطان تیسرے راستے کی طرف کھینچتا ہے، ایک طرف تمام باطل فرقے اپنی راہ پر لے جاتے ہیں، اب انسان متحیر و پریشان ہو جاتا ہے کہ کس راہ پر جائے، کونسا راستہ منزل مقصود تک پہنچانے والا ہے، ان راہوں میں کس راہ کا انتخاب کیا جائے؟ جب کہ عمر قلیل ہے، عقل کمزور ہے، تجربہ ناقص ہے، اب اسی پریشانی کے عالم میں انسان کہتا ہے اے میرے رب! تو ہی صراط مستقیم کی طرف میری رہنمائی فرما، اور اس راہ کی طرف جو مجھے جنت کی طرف لے جائے:

كأن الإنسان يقول في الطريق: كثرة الأحباب يجرونني إلى طريق، والأعداء إلى طريق ثانٍ، والشيطان إلى طريق ثالث، وكذا القول في الشهوة والغضب والحسد، وكذا القول في التعطيل والتشبيه والجبر والقدر والإرجاء والوعيد والرفض والخروج، والعقل ضعيف، والعمر قصير، والصناعة طويلة، والتجربة خطرة، وقد تحيرت في الكل فاهدني إلى طريق أخرج منه إلى الجنة۔ (۱)

اکتیسویں بحث: لفظ ہدایت کا استعمال اور ہدایت کی اقسام

لفظ ہدایت ہمیشہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے، مفعول اول کی طرف ہمیشہ بلا واسطہ حرف جر اور مفعول ثانی کی طرف کبھی بواسطہ حرف جر مثلاً:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (یونس)

وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (الانعام)

اور کبھی بلا واسطہ حرف جر مثلاً:

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۱۸

Marfat.com

وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ (الصافات)

وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲﴾ (الفتح)

لیکن استعمال کے لحاظ سے ان دونوں صورتوں کے معنوں میں فرق ہے۔ پہلی صورت میں ہدایت کے معنی اراءۃ الطریق، راہ نمودن یعنی راہ دکھانے کے ہیں۔ اور دوسری صورت میں اس کے معنی ایصال الی المطلوب یعنی منزلِ مقصود تک پہنچانے کے ہیں۔

''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' میں جمع متکلم کی ضمیر منصوب مفعول اول ہے اور ''الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' مفعول ثانی ہے جو بلا واسطہ حرف جر استعمال ہوا ہے اسی لئے ہدایت کے معنی یہاں ایصال الی المطلوب کے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: چلا ہم کو راہ سیدھی۔

ہدایت کی اقسام

ہدایت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱.....فطری ۲.....کسبی

فطری ہدایت تو انسان اور غیر انسان سب کے لئے عام ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ذی روح کو پیدائش کے ساتھ ہی عطا کی جاتی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ (طٰہٰ)

اور اس نے ہر چیز کو صورت عطا کی پھر اس کی رہنمائی کی

ایک اور مقام میں فرمایا کہ:

وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿۳﴾ (الاعلیٰ)

وہ جس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا اور رہنمائی فرمائی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مرغی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنے لگتا ہے، جانوروں کے بچے پیدا ہوتے ہی پستان مادر سے دودھ پینے لگتا ہے، آخر انہیں کون بتاتا ہے کہ یہ ہماری غذا ہے؟ اور اسے حاصل کرنے کا یہ طریقہ ہے؟ یہ رہنمائی صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور ہر ذی روح کی فطرت میں ودیعت ہوتی ہے۔

Marfat.com

ہدایت کی دوسری قسم کسبی ہے، جو اللہ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام اور کتبِ سماویہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے پھر اس کے چار درجے ہیں:

۱.....انابت: یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنا، اور ضد و عناد کو چھوڑ کر راہ ہدایت کی تلاش و جستجو کرنا، ہدایت صرف انہی لوگوں کو ملتی ہے جن میں انابت الی اللہ اور تلاشِ حق کا جذبہ ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ (الرعد)

اور دوسری جگہ فرمایا:

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (الشوریٰ)

یعنی اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق صرف انہی لوگوں کو دیتا ہے جو اس کی طرف انابت اور رجوع کرتے ہیں۔

۲.....ہدایت: یعنی سیدھی راہ پانا، یہ انابت اور رجوع الی اللہ کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

۳.....استقامت: ہدایت کے بعد استقامت کا درجہ جب کسی کو ہدایت حاصل ہو جاتی ہے اور اسے صراطِ مستقیم مل جاتا ہے تو اب وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق سیدھی راہ پر چلتا ہے، اور اس پر قائم رہتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حم سجدة)

اس آیت میں دوسرے اور تیسرے درجے کا بیان ہے۔ ''قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ'' میں ہدایت آ گئی اور ''ثُمَّ اسْتَقَامُوْا'' میں استقامت۔

۴.....ربط القلب: راہ ہدایت اور صراط مستقیم پر استقامت کے بعد ربط القلب کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ درجہ رسوخ ایمان اور یقین کی پختگی کا سب سے اونچا اور بلند مقام ہے، جب مؤمن کو ایمان و یقین کا یہ درجہ حاصل ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے راہ ہدایت سے نہیں ہٹا سکتی اور نہ اس کے ایمان اور یقین کو متزلزل کر سکتی ہے، یہ درجہ بہت کم

Marfat.com

لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، اصحابِ کہف کو یہ درجہ حاصل تھا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى (الکھف)

اس آیت میں تین درجات کا ذکر ہے ''اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ'' میں ہدایت کا، ''وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى'' میں استقامت کا، اور ''وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ'' میں ربط القلب کا ذکر ہے۔ ہدایت کا یہ درجہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حاصل تھا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (الحجرات)

''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' میں ہدایت کے آخری دو درجے حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے۔ یعنی استقامت اور ربط القلب، کیونکہ انابت اور ہدایت تو پہلے سے حاصل ہو چکی ہے۔[1]

لفظِ مستقیم کی صرفی تحقیق

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ''مُسْتَقِيْم'' اصل میں ''مُسْتَقْوِمٌ'' تھا، واو کا کسرہ ماقبل قاف کو دیا اور پھر کسرہ کی مناسبت سے واو کو یاء سے تبدیل کر دیا:

واصله مستقوم، نقلت الحركة إلى القاف وانقلبت الواو ياء لانكسار ما قبلها۔[2]

بتیسویں بحث: استقامت کا مفہوم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب استقامت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

---

(۱) جواہر القرآن: سورہ فاتحہ، ج۱ ص ۱۱، ۱۲

(۲) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص ۱۹۳

Marfat.com

أن لا تشرك بالله شيئا۔

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، یعنی استقامت خالص توحید کا نام ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو فرمایا:

تستقيم على الأمر والنهي ولا تروغ روغان الثعالب۔

یعنی امر اور نہی پر ثابت قدم رہو اور لومڑی کی طرح ادھر ادھر قلابازیاں نہ کھاؤ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے استقامت کے متعلق فرمایا:

أخلصوا العمل لله۔

یعنی خالص رضاء الٰہی کے لئے ہر کام کرنا استقامت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

داوموا الفرائض كلها۔

یعنی تمام فرائض پر دوام اور استمرار کے ساتھ قائم رہنا استقامت ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ استقامت کہا جاتا ہے تمام مامورات کی ادائیگی ہو اور تمام ممنوعات سے اجتناب ہو، اگر ذرا بھی اوامر ونواہی میں فرق آ گیا تو اعوجاج یعنی ٹیڑھا پن آ جائے گا جو استقامت کے منافی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان:

قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔

میں اعمالِ قلب، اعمالِ بدن، ایمان، اسلام اور احسان سب آ گئے یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام نے فرمایا:

الإستقامة خير من ألف كرامة۔

استقامت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے:

الاستقامة امتثال كل مأمور واجتناب كل محذور فيدخل فيه

اعمال القلوب والأبدان من الإيمان والإسلام والإحسان إذ لا

Marfat.com

تحصل الاستقامة مع شیء من الاعوجاج ولذا قالت الصوفية الاستقامة خير من ألف كرامة۔ (۱)

استقامت کا حکم انبیاء علیہم السلام اور امت دونوں کو دیا گیا ہے

انبیاء علیہم السلام کو جو استقامت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ان باتوں اور احکامات کی تبلیغ کریں جن کا انہیں حکم دیا گیا ہے، اور امت کو جو استقامت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد انبیاء علیہم السلام کی اتباع کریں اور دین پر ثابت قدم رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استقامت کا حکم دیا گیا ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (ھود:۱۱۲)

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَ اسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ (شوریٰ:۱۵)

اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کو استقامت کا حکم دیا گیا، جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام سے فرمایا:

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ (یونس)

اسی طرح امت کو بھی استقامت کا حکم دیا گیا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶﴾ (حم سجدہ)

صراط مستقیم سے روکنے والے پانچ قسم کے افراد ہیں

۱......شیطان

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ (الاعراف)

کہنے لگا: اب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اس لئے میں (بھی) قسم کھاتا ہوں

---

(۱) مرقاة المفاتيح: كتاب الإيمان، الفصل الأول، ج۱ ص۸۴

Marfat.com

کہ ان (انسانوں) کی گھات لگا کر کہ تیرے سیدھے راستے پر بیٹھا رہوں گا۔

وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ (النمل)

میں نے اس عورت اور اس کی قوم کو پایا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کو یہ سمجھا دیا کہ ان کے اعمال بہت اچھے ہیں، چنانچہ اس نے انہیں صحیح راستے سے روک رکھا ہے اور اس طرح وہ ہدایت سے اتنے دور ہیں۔

۲......سادات و کبراء

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا (الاحزاب)

اور کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہنا مانا اور انہوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا۔

۳......احبار السوء و رہبان

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبۃ: ۳۴)

اے ایمان والو! (یہودی) احبار اور (عیسائی) راہبوں میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔

۴......ہر کافر اور ظالم جو راہ حق سے روکے

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ (الاعراف)

جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے اور اس میں ٹیڑھ نکالنا چاہتے تھے، اور جو آخرت کا بالکل انکار کرتے تھے۔

Marfat.com

۵......جو اپنے نبی کا مخالف ہو

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ۝ (ابراھیم)

اور انہوں نے اللہ کے ساتھ (اس کی خدائی میں) کچھ شریک بنا لئے تاکہ لوگوں کو اس راستے سے گمراہ کریں، ان سے کہو کہ (تھوڑے سے) مزے اُڑا لو، کیونکہ آخرکار تمہیں جانا دوزخ ہی کی طرف ہے۔

صراط مستقیم پر چلنے کا پھل وثمرہ تین چیزیں ہیں

۱..... التسلية من الملائكة (ملائکہ کی طرف سے تسلی)

۲..... البشارة بالجنة (جنت کی بشارت)

۳..... الفوز بنعمة الله (اُخروی نعمتوں کی صورت میں کامیابی)

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۝ (حم سجدة)

(دوسری طرف) جن لوگوں نے کہا کہ تمہارا رب اللہ ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو ان پر بے شک فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اتریں گے: نہ کوئی خوف دل میں لاؤ، نہ کسی بات کا غم کرو، اور اس جنت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ۝ (الجن)

اور (اے پیغمبر! اہل مکہ سے کہو کہ مجھ پر) یہ (وحی بھی آئی ہے) کہ: اگر یہ لوگ راستے پر آ کر سیدھے ہو جائیں تو ہم انہیں وافر مقدار میں پانی سے سیراب کریں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۚ۝ (الاحقاف)

Marfat.com

یقیناً جن لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو ان پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کو دو صفات کے ساتھ متصف کیا ہے

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کو دو صفات کے ساتھ متصف فرمایا۔ ایک صفت ایجابی اور دوسری صفت سلبی ہے۔

"صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" میں ایجابی صفت کا ذکر ہے، کہ اے اللہ ہمیں منعم علیہم کی راہ پر چلا "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" میں سلبی صفت کا ذکر کیا کہ مولائے کریم ہمیں ان کی راہ سے بچا جنہوں نے شہوات کا ارتکاب کر کے اپنی قوتِ عملی کو فاسد کر دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو اپنے اوپر واجب کر دیا:

أن ذلك الصراط المستقيم وصفه بصفتين أولاهما إيجابية، والأخرى سلبية أما الإيجابية فكون ذلك الصراط صراط الذين انعمت الله عليهم وأما السلبية فهي ان تكون بخلاف صراط الذين فسدت قواهم العملية بارتكاب الشهوات حتى استوجبوا غضب الله عليهم۔ (۱)

آیتِ کریمہ سے شیخِ کامل کی اقتداء کا ثبوت

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ ھ) فرماتے ہیں کہ بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ آگے "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کو بھی ذکر فرمایا۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی کہ کسی شیخ کامل کی اقتداء کی جائے جو اپنے مرید کی صحیح راہ کی طرف رہنمائی کرے:

قال بعضهم: إنه لما قال: اهدنا الصراط المستقيم لم يقتصر عليه،

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج۱ ص۱۶۴)

Marfat.com

بل قال: صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وهذا يدل على أن المريد لا سبيل له إلى الوصول إلا إذا اقتدى بشيخ يهديه إلى سواء السبيل۔[1]

قدریہ، معتزلہ، اور امامیہ کا رد

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قدریہ معتزلہ اور امامیہ کا رد ہے۔ان کے نزدیک انسان کا ارادہ صدورِ فعل کے لئے کافی ہوتا ہے خواہ وہ اطاعت کا ارادہ کرے یا نافرمانی کا۔ان کے نزدیک انسان اپنے فعل کا خود خالق ہے اور صدورِ فعل کے لئے اللہ تعالیٰ کا محتاج نہیں، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل خیال کی نفی کی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ ہی سے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت مانگ رہے ہیں۔اگر یہ سب کچھ ان کے ہاتھ میں ہوتا اور وہ خود ہی نیکی بدی کا انتخاب بھی کر سکتے تو اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگنے کی ضرورت نہ رہتی، نہ ہی وہ ہر نماز میں اس سوال کو دہراتے۔یہی حال ناپسندیدہ راستے سے بچنے کے لئے ان کے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانے کا ہے، یہ ناپسندیدہ راستہ وہی ہے جو ہدایت کے برعکس ہے۔چنانچہ وہ کہتے ہیں:

"صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ ۶ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۝"

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا، نہ ان کا جن پر غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کا۔

تو انہوں نے جس طرح ہدایت مانگی اسی طرح گمراہی سے بچنے کی دعا بھی کی۔اسی طرح وہ یہ دعا بھی کرتے ہیں:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا (آل عمران:۸)

ترجمہ: اے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر:

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج۱ ص۱۶۴

Marfat.com

وفی هذه الآیة رد علی القدریة والمعتزلة والامامیة، لأنهم یعتقدون أن إرادة الإنسان کافیة فی صدور أفعاله منه، طاعة کانت أو معصیة، لأن الإنسان عندهم خالق لأفعاله فهو غیر محتاج فی صدورها عنه إلی ربه، وقد أکذبهم الله تعالی فی هذه الآیة إذ سألوه الهدایة إلی الصراط المستقیم، فلو کان الأمر إلیهم والاختیار بیدهم دون ربهم لما سألوه الهدایة، ولا کرروا السؤال فی کل صلاة، وکذلك تضرعهم إلیه فی دفع المکروه، وهو ما یناقض الهدایة... الخ۔ [1]

تینتیسویں بحث: صراطِ مستقیم کا مصداق

۱......علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ امت کا اجماع ہے اس پر کہ صراط مستقیم سے مراد وہ واضح راستہ ہے جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہ ہو:

فقال الإمام أبو جعفر بن جریر: أجمعت الأمة من أهل التأویل جمیعًا علی أن الصراط المستقیم هو الطریق الواضح الذی لا اعوجاج فیه۔ [2]

۲......علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ مراد صراط مستقیم سے حق راستہ ہے، اور یہ ملتِ اسلام ہے:

والمراد طریق الحق وهو ملة الإسلام۔ [3]

علامہ قاضی ابوالسعو د محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ مراد اس سے حق راستہ ہے اور یہ ملت حنفیہ ہے جو بالکل واضح اور افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کا راستہ ہے:

---

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۹۴

(۲) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳۰ (۳) الکشاف: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵۸

Marfat.com

والمراد به طريق الحق وهي الملة الحنفية السمحة المتوسطة بين الإفراط والتفريط۔ (۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ صراط مستقیم ہر قسم کے اخلاق واعمال میں افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کا راستہ ہے اور اس کو اللہ تعالی نے اپنے اس فرمان کے ساتھ مؤکد کیا کہ ہم نے تمہیں معتدل امت بنایا:

الصراط المستقيم هو الوسط بين طرفي الإفراط والتفريط في كل الأخلاق وفي كل الأعمال وأكد ذلك بقوله تعالى وكذلك جعلناكم أمة وسطا۔ (۲)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) صراط مستقیم کے مصداق کے متعلق متعدد اقوال ذکر کرنے کے بعد آخر میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تمام اقوال صحیح ہیں، اوران کے درمیان تلازم ہے، پس جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کی تو تحقیق اس نے حق کی اتباع کی، اور جس نے حق کی اتباع کی پس اس نے دین اسلام کی اتباع کی، اور جس نے دین اسلام کی اتباع کی اس نے تحقیق قرآن کی اتباع کی، اور یہ اللہ کی کتاب ہے اور یہ مضبوط رسی ہے اور یہی سیدھا راستہ ہے، پس یہ تمام اقوال صحیح ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں:

وكل هذه الأقوال صحيحة وهي متلازمة، فإن من اتبع النبي صلى الله عليه وسلم واقتدى باللذين من بعده أبي بكر وعمر، فقد اتبع الحق، ومن اتبع الحق فقد اتبع الإسلام، ومن اتبع الإسلام فقد اتبع القرآن، وهو كتاب الله وحبله المتين، وصراطه المستقيم، فكلها صحيحة يصدق بعضها بعضا، ولله الحمد۔ (۳)

---

(۱) تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۸

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۵

(۳) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳۲

Marfat.com

صراطِ مستقیم کی تفسیر اسلام اور قرآن سے کرنا درست نہیں

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے کہا: صراط مستقیم سے مراد دین اسلام ہے، بعض حضرات نے کہا اس سے مراد قرآن ہے، لیکن یہ دونوں تفسیریں درست نہیں، اس لئے کہ "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" یہ بدل ہے "الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" سے، اور جب بات اس طرح ہے تو اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا جو پہلے گزر گئے ہیں اور تو نے ان پر انعام کیا ہے، اور جو امتیں پہلے گزر گئی ہیں ان کے پاس نہ قرآن تھا نہ دین اسلام۔ جب یہ بات باطل ہوگئی تو ثابت ہوا کہ مراد صراط مستقیم سے وہ راستہ ہے جو حق ہے اور اس پر چلنے والے جنت کے مستحقین ہیں:

> قال بعضهم: الصراط المستقيم:الإسلام، وقال بعضهم: القرآن، وهذا لا يصح؛ لأن قوله صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بدل من الصراط المستقيم، وإذا كان كذلك كان التقدير إِهْدِنَا صِرَاطَ مَنْ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِّنَ الْمُتَقَدِّمِيْنَ، ومن تقدمنا من الأمم ما كان لهم القرآن والإسلام، وإذا بطل ذلك ثبت أن المراد إهدنا صراط المحقين المستحقين للجنة۔ (۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دین اسلام ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے ان دونوں پر رد کیا ہے، اس طور پر کہ "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" یہ دلالت کرتا ہے صراط مستقیم پر، یہ وہ لوگ ہیں جو پہلی امتوں میں گزرے ہیں، اور ان لوگوں کے پاس نہ قرآن تھا نہ دین اسلام (کیونکہ قرآن اور دین اسلام اسی امتِ محمدیہ کو ملا ہے):

> وقيل ملة الإسلام وقيل القرآن وردهما الرازي قدس سره بأن قوله

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲

Marfat.com

تعالی صراط الذین أنعمت علیهم یدل علی الصراط المستقیم وهم المتقدمون من الأمم وما کان لهم القرآن والإسلام۔ (۱)

صراط کے ساتھ مستقیم کی قید کیوں ذکر کی؟

اس جگہ صراط کی صفت مستقیم ذکر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے سب سے قریبی راستہ یہی ہے، اس لئے اقلیدس کا قاعدہ ہے کہ جب دو نقطوں میں مختلف اور متعدد خطوط ملائے جائیں تو تمام خطوط میں سب سے قریب اور سب سے چھوٹا خط ہی خط مستقیم ہوگا، اور یہ سیدھا منزل مقصود تک پہنچاتا ہے، نیز صراط مستقیم متغیر نہیں ہوتا جب کہ غیر مستقیم متغیر ہو جاتا ہے، اور اس ایک راستے کا تمام عالم کے مرور اور عبور کے لئے کافی ہونا اس کے وسیع ہونے کی دلیل ہے، اور خدا تک پہنچنے کے لئے یہی ایک راستہ ہے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں:

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ (الانعام)

اور (اے پیغمبر! ان سے) یہ بھی کہو کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے لہذا اس کے پیچھے چلو اور دوسروں کے راستے کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے، لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہیں تاکہ تم متقی بنو۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے راہ مستقیم اور راہ اعوجاج میں چار فرق ذکر کیے ہیں:

۱.....تمام خطوط میں زیادہ قریب اور مختصر (طریق یہ ہے) بندہ کہتا ہے اے اللہ! میں عاجز ہوں، پس میری کمزوری اور ضُعف کے لائق نہیں ہے مگر ایسا راستہ جو بالکل سیدھا ہو۔

۲.....سیدھا راستہ ایک ہے، اس کے علاوہ جو راستے ہیں وہ ٹیڑھے ہیں بعض ان میں سے دیگر بعض کے ساتھ اپنے اعوجاج (ٹیڑھے پن) کی وجہ سے مشابہ ہو گئے، پس صحیح

---

(۱) روح المعانی: سورۃ الفاتحۃ، ج۱ ص۱۲۵

Marfat.com

راستہ (انسان پر) مشتبہ ہو گیا، لیکن صراط مستقیم بالکل سیدھا راستہ ہے جو کسی اور راستے کے بالکل مشابہ نہیں ہے، اور (رہزنوں) کے خوف اور آفات سے کوسوں دور ہے، اور امن وامان (اور بے خوف) ہونے کے نہایت قریب ہے۔

۳.....صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو انسان کو منزل مقصود تک پہنچاتا ہے، اور دیگر ٹیڑھے راستے منزل مقصود تک نہیں پہنچاتے۔

۴.....مستقیم بالکل سیدھا راستہ ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اور دیگر راستوں میں تبدیلی آتی رہتی ہے، پس اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم کا سوال کیا جاتا ہے:

فكان العبد يقول: إهدنا الصراط المستقيم لوجوه: الأول: أنه أقرب الخطوط وأقصرها، وأنا عاجز فلا يليق بضعفي إلا الطريق المستقيم، الثاني: أن المستقيم واحد وما عداه معوجة وبعضها يشبه بعضا في الإعوجاج فيشتبه الطريق علي، أما المستقيم فلا يشابهه غيره فكان أبعد عن الخوف والآفات واقرب إلى الأمان، الثالث: الطريق المستقيم يوصل إلى المقصود، والمعوج لا يوصل إليه، الرابع: المستقيم لا يتغير، والمعوج يتغير، فلهذه الأسباب سأل الصراط المستقيم، والله أعلم۔[1]

چونتیسویں بحث: لفظِ استقامت قرآن کریم میں چار طرح سے استعمال ہوا ہے

علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ لفظِ استقامت قرآن وسنت میں چار طرح سے استعمال ہوا ہے:

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۲۰

Marfat.com

۱..... پیغام پہنچانا ۲..... دُعا اور دعوت ۳..... نیکی کے کاموں کی طرف متوجہ ہونا

۴..... توحید اور شہادت پر ثابت قدم رہنا:

وقد ورد فی التنزیل والسنّة علی أربعة أوجهٍ: الأوّل: بمعنی تبلیغ الرّسالة: فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وکذلك فَادْعُ وَاسْتَقِمْ، الثّانی: بمعنی الدّعاءِ، والدّعوة: قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا، الثالث: بمعنی الإقبال علی الطّاعة: اسْتَقِيمُوا ولَنْ تُحْصُوا، الرّابع: بمعنی الثبات علی التوحید والشهادة: إِنَّ الَّذِينَ قَالُواْ رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا۔ (۱)

''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' کی ترکیب

''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' ترکیب میں ماقبل کے ''الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' سے بدل الکل ہے۔

بدل الکل کی تعریف

بدل الکل اس تابع کو کہتے ہیں جو مقصود بالنسبت ہو اور اس کا مفہوم بعینہ متبوع کا مفہوم ہو۔

بدل الکل کا حکم

یہ حکم میں تکرارِ عامل کے ہوتا ہے۔

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ یہ ''صراط مستقیم'' سے بدل واقع ہے اور یہ حکم میں تکرار عامل کے ہوتا ہے:

بدل من الصراط وهو فی حکم تکریر العامل۔ (۲)

---

(۱) بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز: الباب الثانی، ج۲ ص۱۴۶

(۲) مدارک التنزیل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۳

Marfat.com

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ ”صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ یہ اس سے پہلے ”الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ“ سے بدل الکل واقع ہے جو تکرارِ عامل کے حکم میں ہوتا ہے، اس حیثیت سے کہ یہی مقصود بالنسبت ہوتا ہے:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بدلٌ من الأول بدلَ كل، وهو فى حكم تكرير العامل من حيث إنه المقصود بالنسبة۔ (۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰) فرماتے ہیں کہ ”صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ یہ اس سے پہلے ”الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ“ سے بدل الکل من الکل واقع ہے:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بدل من الصراط الأول بدل الكل من الكل۔ (۲)

بدل بنانے کے فوائد

اللہ تعالیٰ نے براہِ راست ”اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ کیوں نہیں فرمایا حالانکہ اس میں اختصار بھی تھا؟

جواب: صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ کو بدل بنا کر ذکر کرنے کے دو فائدے ہیں۔

۱...تاکید ۲...تنصیص

پہلا فائدہ: تاکید اس طور پر کہ بدل مقصود بالنسبت ہوتا ہے یعنی جس فعل کی نسبت اس کے متبوع کی طرف کی گئی ہے مقصود اس کی طرف کرنا نہیں بلکہ مقصود بدل کی طرف کرنا ہے، جب بدل مقصود بالنسبت ہوا تو تقاضا بدل کا یہ ہوا کہ براہ راست فعل کو مکرر لایا جائے، اور جب فعل مکرر ہوگا تو تاکید کا معنی حاصل ہو جائے گا۔

دوسرا فائدہ: تنصیص ہے یعنی اس بات کو صراحتاً بیان کرنا ہے کہ مؤمنین ہی کا راستہ

(۱) تفسير أبى السعود: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۸

(۲) روح المعانى: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۶

Marfat.com

مشہود بالاستقامت ہے، اور تصریح بلیغانہ انداز میں ہے، بایں طور کہ مبدل منہ کبھی مبہم ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ بدل زیادہ واضح اور معروف ومشہور ہو، تو صراط مستقیم کے اندر خفاء تھا "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کو لاکر اس کے خفاء کو دور کردیا کہ طریقِ مؤمنین ہی طریقِ مستقیم ہے:

وفائدته التأكيد والتنصيص على أن طريق الذين أنعم الله عليهم وهم المسلمون هو العلم في الاستقامة والمشهود له بالاستواء بحيث لا يذهب الوهم عند ذكر الطريق المستقيم إلا إليه۔ (۱)

وفائدة الإبدال تأكيد النسبة بناء على أن البدل في حكم تكرير العامل والأشعار بأن الصراط المستقيم بيانه وتفسيره صراط المسلمين فيكون ذلك شهادة لإستقامة صراطهم على أبلغ وجه وآكده۔ (۲)

پینتیسویں بحث: انعام کی تعریف نیز انعام کو مطلق کیوں ذکر کیا؟

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ انعام کہتے ہیں غیر کی طرف احسان کرنے کو، اور یہ صرف اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ انسان اپنی ہی جنس کے دوسرے انسان پر احسان کرے، اور "أَنْعَمَ فُلَانٌ عَلَى فَرَسِهِ" کہ فلاں نے اپنے گھوڑے پر انعام کیا یہ جملہ درست نہیں ہے (اس لئے کہ گھوڑا انسان کی جنس میں سے نہیں ہے)

الإنعام إيصال الإحسان إلى الغير، ولا يقال إلا إذا كان الموصل إليه من جنس الناطقين فإنه لا يقال أنعم فلان على فرسه۔ قال تعالى: أنعمت عليهم وإذ تقول للذي أنعم الله عليه۔ (۳)

---

(۱) تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۸

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۶

(۳) المفردات في غريب القرآن: كتاب النون، نعم، ص۵۰۱)

Marfat.com

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ انعام نعمت پہنچانے کا نام ہے، اور نعمت دراصل وہ کیفیت ہے جسے انسان لذیذ پاتا ہے:

والإنعام: إيصال النعمة وهي في الأصل الحالة التي يستلذها الإنسان۔ (۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ انعام کہتے ہیں عقلاء میں سے کسی کی طرف احسان کرنے کو، جیسا کہ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا، پس یہ جملہ "أَنْعَمَ فُلَانٌ عَلٰی فَرَسِهٖ" درست نہیں ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ نعمت ایک انسان کا دوسرے کو بغیر کسی غرض کے نفع پہنچانا ہے:

والإنعام إيصال الإحسان إلى الغير من العقلاء كما قاله الراغب فلا يقال أنعم على فرسه ولذا قيل إن النعمة نفع الإنسان من دونه لغير غرض۔ (۲)

انعام کو مطلق ذکر کیوں کیا؟

"أَنْعَمْتَ" میں انعام کو مطلق اس لئے ذکر کیا تاکہ یہ اپنے عموم پر باقی رہے اور اللہ کی تمام نعمتوں کو شامل ہو، اس لئے کہ اگر تخصیص کرتے تو نعمت ایک خاص فرد میں منحصر ہو جاتی، اسی وجہ سے اس کو مطلق ذکر کیا تاکہ یہ اپنے عموم کی وجہ سے سب کو شامل ہو۔

علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ نے "أَنْعَمْتَ" میں) انعام کو مطلق ذکر کیا ہے تاکہ یہ تمام انعامات کو شامل ہو جائے، اس لئے کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی صورت میں انعام کیا تو اب کوئی نعمت باقی نہیں رہی مگر یہ کہ اس کو پہنچ گئی:

---

(۱) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۴۰

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۷

Marfat.com

واطلق الإنعام ليشمل كل إنعام لأن من انعم عليه بنعمة الاسلام لم تبق نعمة الا أصابته۔ (۱)

خطیب شربینی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ نے ''أَنْعَمْتَ'' میں) انعام کو مطلق ذکر کیا ہے تاکہ یہ تمام انعامات کو شامل ہوجائے اس لئے کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کی صورت میں انعام کیا تو اب کوئی نعمت باقی نہیں رہی مگر یہ کہ اس کو پہنچ گئی:

أطلق الإنعام ليشمل كل إنعام لأنّ من انعم الله عليه بنعمة الإسلام لم تبق نعمة إلا أصابته۔ (۲)

علامہ محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انعام کو مطلق ذکر کیا تاکہ یہ تمام انعامات کو شامل ہوجائے:

واطلق الإنعام ليشمل كل إنعام۔ (۳)

چھتیسویں بحث: انعام میں نسبت اللہ کی طرف ہے جبکہ غضب اور ضلالت میں نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی، اس میں کیا حکمت ہے؟

آداب میں سے ہے کہ خیر کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے اور شر کی نسبت اللہ کی طرف نہ کی جائے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام خیر کے کاموں کی نسبت اللہ کی طرف کی، کہ میرا رب وہ جس نے مجھے پیدا کیا، اور راہ حق کی طرف میری رہنمائی کی، وہی مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے لیکن آگے فرمایا: جب میں بیمار ہوجاتا ہوں تو میرا رب

---

(۱) الکشاف: سورۃ الفاتحۃ، ج۱ ص۵۸ (۲) السراج المنیر: سورۃ الفاتحۃ، ج۱ ص۱۲

(۳) فتح القدیر: سورۃ الفاتحۃ، ج۱ ص۲۴

Marfat.com

مجھے شفاء دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی بلکہ اپنی طرف کی جبکہ شفاء کی نسبت اللہ کی طرف کی۔ اسی طرح جنات نے جب قرآن سنا تو انہوں نے خیر کی نسبت اللہ کی طرف کی لیکن شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی۔ تو اسی طرح اس آیت میں بھی ''أَنْعَمْتَ'' میں خیر کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی، جب کہ غضب اور ضلالت کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی۔

علامہ صابونی نے اصول نقل کیا ہے کہ ''الخیر کلہ بیدیك والشر لا ینسب إلیك'' خیر سب کی سب آپ کی طرف سے ہے، اور شر کی نسبت آپ کی طرف نہیں کی جائے گی۔

قرآنِ کریم کا یہ معلوم ومعروف اندازِ بیان ہے کہ خیر واحسان اور جودوکرم کے افعال کو صراحتاً براہ راست اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے اور جزا اور انتقام کے افعال کے لئے فاعل کو ذکر کئے بغیر صیغہ مجہول لاتا ہے، ادب واحترام کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یہی اسلوب اس آیت میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔ فعلِ انعام کی نسبت صراحتاً اللہ کی طرف کی گئی ہے اور غضب کے بیان میں فاعل کو ذکر نہیں کیا گیا۔ چند قرآنی شواہد ملاحظہ ہوں:

۱..... حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ ۙ وَالَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۙ وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ ۙ (الشعراء)

ترجمہ: وہ ذات جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو ہدایت دیتا ہے اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا ہے اور سیراب کرتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے۔

ان آیات میں پیدا کرنے اور ہدایت دینے اور کھلانے پلانے کی نسبت حضرت خلیل علیہ السلام نے اللہ کی طرف کی ہے، اور بیماری کو اپنی طرف منسوب کیا۔ ''مَرِضْتُ'' کہا ''أَمْرَضَنِی'' نہیں کہا یعنی وہ مجھ کو بیمار کرتا ہے۔

مؤمنین جنات کا قول قرآن نے یوں نقل کیا ہے:

Marfat.com

وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰ (الجن)

ترجمہ: اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی چاہی ہے۔

یہاں ارادہ رشد (بھلائی) کے فاعل کو صراحتاً بیان کیا گیا ہے، لیکن ارادہ شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی۔

۳..... حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا (الکهف: ۷۹)

ترجمہ: میں نے چاہا کہ اس کشتی کو عیب دار بنا دوں۔

یہاں کشتی کو عیب دار کرنے کی خواہش کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن آگے چل کر یتیم بچوں کے قصہ میں فعلِ خیر کے ارادہ کی نسبت اللہ کی طرف کی ہے:

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَ یَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ (الکهف: ۸۲)

ترجمہ: پھر تیرے رب نے چاہا کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، تیرے رب کی رحمت کی بنا پر ایسا ہوا۔

۴..... اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِكُمْ ؕ (البقرة: ۱۸۷)

ترجمہ: تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے کہ روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔

''اُحِلَّ' بصیغہ مجہول اس لئے لایا گیا ہے کہ رفث (جماع) کے ساتھ فاعل کی تصریح مناسب نہ تھی۔ لیکن اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ۔ (البقرة: ۲۷۵) یہاں اس قسم کی قباحت نہ تھی۔ (۱)

(۱) بدائع التفسير: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۷۱

Marfat.com

علامہ قاضی ابو السعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ غضب کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی جس طرح کہ انعام کی نسبت کی گئی ہے، یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آداب بیان کئے ہیں ان میں انعامات اور بھلائیوں کی نسبت اللہ کی طرف ہے جبکہ ان کی اضداد کی نسبت اللہ کی طرف نہیں ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: (میرا رب وہ ہے) جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے، اور جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، (جب جنات نے کہا) ہمیں یہ پتہ نہیں تھا کہ آیا زمین والوں سے کوئی برا معاملہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے یا اُن کے پروردگار نے ان کو راہِ راست دکھانے کا ارادہ فرمایا ہے:

والعدول عن إسناد الغضب إليه تعالى كالإنعام جرى على منهاج الآداب التنزيلية فى نسبة النعم والخيرات إليه عز وجل دون إضدادها كما فى قوله تعالى الذى خلقنى فهو يهدين والذى هو يطعمنى ويسقين وإذا مرضت فهو يشفين وقوله تعالى وإنا لا ندرى أشر أريد بمن فى الأرض أم أراد بهم ربهم رشدا۔[1]

علامہ محمد علی صابونی فرماتے ہیں کہ ''أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' میں نعمت کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے جب کہ اضلال اور غضب کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی، پس یہ نہیں کہا ''غَضَبْتَ عَلَيْهِمْ'' یا ''الَّذِيْنَ أَضْلَلْتَهُمْ'' جن پر آپ نے غضب کیا یا وہ جن کو آپ نے گمراہ کیا، یہ اس وجہ سے تاکہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کے متعلق آداب سکھائے جائیں، پس شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی جائے گی اگرچہ شر اللہ ہی کی جانب سے ہے، تمام خیر کے کاموں کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے گی اور شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی جائے گی:

نسب النعمة إلى الله عز وجل انعمت عليهم ولم ينسب إليه

---

(۱) تفسير أبى السعود: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۹

Marfat.com

الإضلال والغضب فلم يقل غضبت عليهم أو الذين أضللتهم وذلك ليعلم العباد الأدب مع الله فالشر لا ينسب إلى الله تعالى وإن كان منه تقديرا الخير كله بيديك والشر لا ينسب إليك۔[1]

سینتیسویں بحث: نعمت کی اقسام

نعمت دوجنسوں پر منحصر ہے

ا...دنیاوی ۲...اخروی۔ دنیاوی کی پھر دو قسمیں ہیں: ا...وہبی ۲...کسبی۔ پھر وہبی کی دو قسمیں ہیں: ا...روحانی ۲...جسمانی

روحانی: جیسے انسان میں روح پھونک دینا اور اس روح کو عقل سے اور عقل کے بعد جو قوائے باطنہ حاصل ہوں ان سے روشن کرنا، قوائے باطنہ مثلاً: فہم و فکر و نطق ہیں۔

جسمانی: جیسے سانچہ کو پیدا کرنا اور ان قوتوں کو پیدا کرنا جو اس سانچے میں سموئی ہوئی ہوں، اور ان کیفیات کو پیدا کرنا جو ان کو عارض ہوتی ہے۔ یعنی صحت اور اعضاء کا کمال۔

کسبی نعمت: نفس کو رذائل سے پاک کرنا اور اس کو اخلاق اور عمدہ صلاحیتوں کے ساتھ آراستہ کرنا اور بدن کو اچھے اور خوبصورت زیورات کے ذریعے زینت دینا اور مال و مرتبے کا حاصل کرنا۔

اُخروی نعمت: اللہ تعالیٰ انسان کی کوتاہیوں کو معاف کردے اور اس سے راضی ہو کر اعلیٰ علیین میں ملائکہ مقربین کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کا ٹھکانہ عطا فرمائے۔ اس آیت میں اُخروی انعامات اور ان کے وسائل مراد ہیں، کیونکہ اس کے علاوہ دوسری نعمتوں میں تو مؤمن و کافر دونوں شریک ہیں:

تنحصر في جنسين: دنيوي وأخروي، والأول قسمان: وهبي وكسبي والوهبي قسمان: روحاني كنفخ الروح فيه وإشراقه بالعقل

---

(۱) صفوة التفاسير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۱

Marfat.com

وما يتبعه من القوى كالفهم والفكر والنطق، وجسماني كتخليق البدن والقوى الحالة فيه والهيئات العارضة له من الصحة وكمال الأعضاء والكسبي تزكية النفس عن الرذائل وتحليتها بالأخلاق السنية والملكات الفاضلة، وتزيين البدن بالهيئات المطبوعة والحلى المستحسنة وحصول الجاه والمال، والثاني: أن يغفر له ما فرط منه ويرضى عنه ويبوئه في أعلى عليين مع الملائكة المقربين أبد الآبدين، والمراد هو القسم الأخير وما يكون وصلة إلى نيله من الآخرة فإن ما عدا ذلك يشترك فيه المؤمن والكافر۔ (۱)

لفظ ''عَلَيْهِمْ'' ترکیب میں کیا واقع ہے؟

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ پہلا لفظ ''عَلَيْهِمْ'' مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں واقع ہے جب کہ دوسرا ''عَلَيْهِمْ'' فاعل ہونے کی وجہ سے حالت رفعی میں واقع ہے:

وعليهم الأولى محلها النصب على المفعولية ومحل الثانيةالرفع على الفاعلية۔ (۲)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ ''اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' علیہم مغضوب کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے، اس کے برخلاف وہ علیہم جو انعمت کے بعد واقع ہے وہ مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں واقع ہے:

وعليهم في محل الرفع لأنه نائب مناب الفاعل بخلاف الأول۔ (۳)

---

(۱) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۳

(۲) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۴۰/ تفسير أبي السعود: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۸

(۳) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۴۱

Marfat.com

اڑتیسویں بحث: آیت میں منعم علیہم سے مراد کون ہیں؟

علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ "اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ" سے مراد مؤمنین ہیں:

والذین انعمت علیهم هم المؤمنون۔ (۱)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ "اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ" سے مراد مؤمنین ہیں:

وهم المؤمنون۔ (۲)

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد حضرات انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صلحاء کا راستہ ہے۔ دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیۡقًا ﴿۶۹﴾ (النساء)

اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، اور کتنے اچھے ساتھی ہیں۔

اس آیت کریمہ کا تقاضہ یہ ہے کہ یہی لوگ صراط مستقیم پر ہے، اور اس آیت میں اسی صراط مستقیم کا سوال کیا گیا ہے۔ اس بارے میں جتنے بھی اقوال منقول ہیں سب کا مقصود یہی ہے۔ یہاں ان اقوال کا دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں:

فقال الجمهور من المفسرين: إنه أراد صراط النبيين والصديقين والشهداء والصالحين، وانتزعوا ذلك من قوله تعالى: ومن يطع

(۱) الکشاف: سورة الفاتحة، ج۱ ص۵۸ (۲) مدارك التنزيل: سورة الفاتحة، ج۱ ص۳۳

Marfat.com

اللّٰہ والرسول فأولئك الذين أنعم اللہ عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن أولئك رفيقا، فالآية تقتضي ان هؤلاء على صراط مستقيم، وهو المطلوب في آية الحمد، وجميع ما قيل إلى هذا يرجع، فلا معنى لتعديد الأقوال، واللّٰہ المستعان۔ (۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے منعم علیہم کے متعلق متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ ۱..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ منعم علیہم سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر آپ نے اطاعت اور عبادت کی وجہ سے انعام کیا ہے یعنی ملائکہ، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو سورہ انبیاء میں مذکور ہے۔ ۲..... حضرت ربیع بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منعم علیہم سے مراد انبیاء ہیں۔ ۳..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک قول یہ مروی ہے کہ اس سے مراد مؤمنین ہیں اور یہی قول امام مجاہد رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔ ۴..... امام وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمان ہیں۔ ۵..... حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو آپ کے ساتھ تھے یعنی صحابہ کرام۔ (حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو تفسیر سب سے پہلے مروی ہے وہ سب سے زیادہ عام ہے (اور تمام اقوال) کو شامل ہے (نیز یہ تفسیر القرآن علی القرآن کے قبیل سے ہے):

عن ابن عباس: صراط الذين انعمت عليهم بطاعتك وعبادتك، من ملائكتك وأنبيائك والصديقين والشهداء والصالحين، وذلك نظير ما قال ربنا تعالى: وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔

عن الربيع بن انس: صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ قال: هم

(۱) تفسیر القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص۱۹۳

Marfat.com

النبيون، عن ابن عباس: هم المؤمنون وكذا قال مجاهد، وقال وَكِيع: هم المسلمون، وقال عبد الرحمن بن زيد بن أسلم: هم النبي صلى الله عليه وسلم ومن معه، والتفسير المتقدم عن ابن عباس أعم وأشمل، والله أعلم۔ (۱)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ ایمان اور اطاعت پر ثابت قدمی عطا فرمائے:

كل من ثبته الله تعالى على الإيمان والطاعة من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين۔ (۲)

انعام یافتہ طبقاتِ اربعہ

دنیا کا ایک مسلّم اصول ہے کہ انسان اپنی فطری قوتوں کی تکمیل اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک اس کے سامنے کوئی نمونہ موجود نہ ہو، اس نمونہ کو دیکھ کر ہی انسان اپنی غلطیوں کی اصلاح کرسکتا ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں بطور نمونہ کے چار جماعتوں کا ذکر فرمایا کہ یہ انعام یافتہ ہیں ان کے راستے پر انسان چل کر کامیاب ہوسکتا ہے اور اپنی صحیح معنوں میں فطری تقاضوں کی تکمیل اور اصلاح کرسکتا ہے۔

انتالیسویں بحث: انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا تعارف

پہلا انعام یافتہ گروہ انبیاء کا

انبیاء علیہم السلام کی ایک بہت بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں،

---

(۱) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳۳

(۲) التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۰

Marfat.com

خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں مکمل گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ اگر نبی سے معمولی لغزش بھی ہو جائے تو فوراً متنبہ کر دیا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں علمی و عملی اور عقلی قوتیں کمال درجے کی ہوتی ہیں۔

دوسرا انعامِ یافتہ گروہ صدیقین کا

صدیق راست باز کو کہتے ہیں، اور یہ وہ شخصیت ہوتی ہے جس کی قوتِ علمی اور نظری نبی کے قریب قریب ہوتی ہے، یوں سمجھ لیجئے کہ صدیق کا ظرف ایک ایسا صاف آئینہ ہوتا ہے جس پر نبی کے علوم کا عکس پڑتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں بالکل ویسی بات کرتے تھے جیسی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلتی تھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے پریشان ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ اتنی کمزور شرائط پر صلح کر رہے ہیں کیا ہم حق پر اور کفار باطل پر نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بالکل ایسا ہی ہے، مگر اے عمر! جان لو کہ میں اللہ کا نبی ہوں ''وَلَنْ یُضَیِّعَنِی اللّٰہُ'' یعنی ہرگز اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہیں کرے گا، یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں مصلحت ہے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کا ذکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا اور کہا کہ مسلمانوں کو اتنی کمزور شرائط پر صلح نہیں کرنی چاہئے۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً فرمایا کہ اے عمر! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں ''وَلَنْ یُضِیْعَهُ اللّٰہُ'' یعنی اللہ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا، مطلب یہی تھا کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے ہیں مسلمانوں کی اسی میں بہتری ہے۔ (۱)

آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی وہی الفاظ نکلے

---

(۱) السنن الکبری للبھقی: کتاب الجزیة، باب نزول سورة الفتح، ج۹ ص ۳۷۲، رقم الحدیث: ۱۸۸۱۳

Marfat.com

جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے تھے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ صدیق کا ذہن اور دماغ اتنا شفاف اور پاکیزہ آئینہ ہوتا ہے جس پر نبی کے علوم کا عکس پڑتا ہے۔

تیسرا انعام یافتہ گروہ شہداء کا ہے

شہداء کی قوتِ عملیہ کو کمال حاصل ہوتا ہے، جس طرح نبی کی قوتِ عملی اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے اسی طرح شہید کی قوتِ عملی بھی اسی کے قریب قریب ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شہید اپنے دین اور اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر اپنی جان پر کھیل جاتا ہے، اور اسی طرح وہ حق وصداقت کی گواہی دینے والے بن جاتے ہیں۔ جان کا نذرانہ پیش کرنے کی بناء پر انہیں شہید کہا جاتا ہے۔

چوتھا انعام یافتہ گروہ صالحین کا

ان کی قوتِ علمی اور عملی اگرچہ اعلیٰ درجے کی نہیں ہوتی مگر ان میں کامل درجہ کی اتباع ہوتی ہے، ایسے لوگ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی خاص متبعین ہوتے ہیں، اور اپنے آپ کو فاسد اعتقادات اور برے اخلاق سے دور رکھتے ہیں، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ صالح اس کو کہا جاتا ہے جو خالق کا بھی حق ادا کرتا ہے اور مخلوق کا بھی حق ادا کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ یادِ الٰہی میں مصروف رہتا ہو، عام اصطلاح میں ایسے لوگوں کو ولی کہا جاتا ہے یہی لوگ صالحین ہیں، باقی لوگ ان سے کم تر درجہ کے ہیں۔[1]

صراطِ مستقیم، کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کے مجموعے کا نام ہے

صراطِ مستقیم کی تعیین کے لئے صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ صراطِ رسول یا صراطِ قرآن، کیونکہ قرآن کریم حقیقت میں صراط مستقیم کی تشریح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اس کی تفصیل ہیں، اور قرآن کریم میں یہ نہیں فرمایا کہ قرآن کا راستہ اختیار کرو یا رسول کا راستہ اختیار کرو، بلکہ صراطِ مستقیم کی تعیین کے لئے فرمایا انبیاء کے علاوہ

(۱) معارف الفرقان فی تفسیر القرآن: سورہ فاتحہ، ج ۱ ص ۹۸، ۹۹

Marfat.com

صدیقین، شہداء اور صالحین کا طریقہ بھی اختیار کرو، اس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی تعلیم و تربیت محض کتابوں اور روایتوں سے نہیں بلکہ رجالِ ماہرین کی صحبت اور ان سے سیکھ کر حاصل ہوتی، جس طرح دنیا کا مشاہدہ ہے کہ محض کتاب سے تعلیم حاصل کر کے کوئی کپڑا سینا نہیں جانتا بلکہ پہلے کسی کاریگر کے پاس جا کر پہلے سیکھے گا پھر اسے کپڑا سینا آئے گا، بلکہ اسی طرح ڈاکٹر محض کتاب پڑھ کر ڈاکٹر نہیں بن سکتا، اسی طرح اگر کوئی محض قرآن وحدیث کا مطالعہ کر کے انسان کی تعلیم و تربیت کے لئے کافی سمجھتا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے، بلکہ قرآن وحدیث کے ماہرین کے پاس جانا ہوگا اور ان کی صحبت اختیار کرنی ہوگی۔ اگر محض کتاب کافی ہوتی تو رسولوں کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ آج کل لوگوں میں اختلاف کا بڑا سبب یہ ہے کہ بعض نے کتاب اللہ کو تھام لیا اور رجال اللہ سے آنکھیں بند کرلیں اور بعض نے رجال اللہ کو معیارِ حق سمجھ کر کتاب اللہ سے آنکھیں بند کرلیں جس کا نتیجہ گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں سے مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔(۱) آمین

چالیسویں بحث: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کی خلافت کا ثبوت

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت پر دلالت کرتی ہے، منعم علیہم سے مراد کون ہیں؟ تو قرآن کریم نے اس کی تعیین کردی کہ اس سے مراد انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صدیقین کے سردار اور رئیس ہیں۔ پس آیت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ سے وہ ہدایت طلب

(۱) معارف القرآن مع تغییر یسیر: سورۂ فاتحہ، ج ۱ ص ۹۲، ۹۳

Marfat.com

کریں جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صدیقین تھے۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق ظالم ہوتے تو ان کی اقتداء جائز نہ ہوتی۔ پس اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت ثابت ہوئی:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ يدل على إمامة أبي بكر رضى الله عنه لأنا ذكرنا أن تقدير الآية: إهدنا صراط الذين أنعمت عليهم والله تعالى قد بين فى آية أخرى أن الذين أنعم الله عليهم من هم فقال: فأولئك مع الذين أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم من النبيين والصديقين الآية ولا شك أن راس الصديقين ورئيسهم أبو بكر الصديق رضى الله عنه فكان معنى الآية أن الله أمرنا أن نطلب الهداية التى كان عليها أبو بكر الصديق وسائر الصديقين، ولو كان أبو بكر ظالماً لما جاز الاقتداء به، فثبت بما ذكرناه دلالة هذه الآية على إمامة أبى بكر رضى الله عنه۔ (1)

علامہ محمد امین بن محمد شنقیطی رحمۃ اللہ عنہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کو لیا گیا ہے، اللہ تعالی نے انعام یافتہ جماعتوں کو بیان کیا، اور ان میں صدیقین کو بھی شمار کیا، تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقین میں سے ہیں، پس اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ بھی انعام یافتہ جماعتوں میں شامل ہیں جن کا اللہ تعالی نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان کے طریقے کے مطابق ہدایت کا سوال کریں، پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کے صراط مستقیم پر ہونے میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت برحق ہے:

يؤخذ من هذه الآية الكريمة صحة إمامة أبى بكر الصديق رضى الله عنه وقد بين الذين أنعم عليهم فعد منهم الصديقين، وقد

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص ۲۲۱

Marfat.com

بين صلى الله عليه وسلم أن أبا بكر رضى الله عنه من الصديقين، فاتضح أنه داخل فى الذين أنعم الله عليهم، الذين أمرنا الله أن نسأله الهداية إلى صراطهم فلم يبق لبس فى أن أبا بكر الصديق رضى الله عنه على الصراط المستقيم، وأن إمامته حق۔ (۱)

اکتالیسویں بحث: اس آیت سے قادیانیوں کا نبوت پر استدلال اور پندرہ وجوہ سے اس کا ابطال

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝"

اے اللہ! ہم کو سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا جن پر تو نے اپنی نعمت نازل کی گویا ہم کو بھی وہ نعمتیں عطا فرما جو پہلے لوگوں کو عطا کی گئیں۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ وہ نعمتیں کیا تھیں قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا (المائدة: ۲۰)

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! تم اپنے خدا کی نعمت یاد کرو جب اس نے تم میں نبی بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا۔

تو ثابت ہوا کہ نبوت اور بادشاہی دونوں نعمتیں ہیں جو خدا تعالیٰ کسی قوم کو دیا کرتا ہے، خدا تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں دعا سکھائی ہے اور خود ہی نبوت کو نعمت قرار دیا ہے اور دعا کا سکھانا بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی قبولیت کا فیصلہ فرما چکا ہے، لہٰذا امت محمدیہ میں نبوت ثابت ہوئی۔ (۲)

---

(۱) أضواء البيان فى ايضاح القرآن بالقرآن: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۴۳

(۲) احمدیہ پاکٹ بک: ص ۴۶۶، ۴۶۷، آخری ایڈیشن

Marfat.com

جواب:۱......اس آیت میں منعم علیہم کی راہ پر چلنے اور قائم رہنے کی دُعا ہے نہ کہ نبی بننے کی،اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کے طریق عمل کو نمونہ بنائیں،جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ (الاحزاب)

حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے اُمید رکھتا ہو،اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

۲......اگر انبیاء کی پیروی سے آدمی نبی بن سکتا ہے تو کیا خدا کی پیروی سے خدا بن جائے گا؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ (الانعام)

اور (اے پیغمبر! ان سے) یہ بھی کہو کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے،لہٰذا اس کے پیچھے چلو،اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو،ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کردیں گے۔لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تم متقی بنو۔

۳......نبوت دعاؤں سے نہیں ملا کرتی اگر نبوت دعاؤں سے ملے تو نبوت کسبی ہوجائے گی حالانکہ نبوت وہبی ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ (الانعام:۱۲۴)

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو سپرد کرے۔

۴......آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعا مانگی تھی حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے نبی بن چکے تھے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر نماز میں ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' کے الفاظ سے دعا کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اس سے حصولِ نبوت مراد نہیں۔

۵......تیرہ سو برس میں اگر کوئی نبی نہ بنا تو کیا کسی کی بھی دعا قبول نہ ہوئی؟ جس

Marfat.com

مذہب میں کروڑوں لوگوں کی دعا قبول نہ ہو وہ خیرِ امت نہیں کہلا سکتی اور نہ اس کو کہلانے کا حق ہے۔

۶..... ''اِھْدِنَا'' صیغہ جمع کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی بنائے، اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے مرزا قادیانی کی بھی دعا قبول نہ کی کیونکہ اگر دعا قبول ہوئی ہوتی تو مرزا قادیانی کے سب پیروکاروں کو نبی ہونا چاہئے تھا مگر ایسا نہ ہوا، اور اگر سب نبی بن جائیں تو سوال یہ ہے کہ پھر امتی کہاں سے آتے؟ کیا مرزائیوں میں سے کوئی نبوت چھوڑ کر امتی بننے کے لئے تیار ہے؟

۷..... یہی دعا عورتوں کو بھی سکھائی گئی ہے تو کیا وہ بھی منصب نبوت پر فائز ہو سکتی ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر یہ دعا انہیں کیوں نہیں سکھائی گئی ہے؟ اور اگر ہاں میں ہے تو یہ تمہارے خلاف ہے۔

۸..... نبوت اور بادشاہت دونوں خدا کی نعمت ہیں جیسا کہ مرزائی سوال میں بھی اعتراف کیا گیا ہے تو مرزائی بتائیں کہ ان کے قول کے مطابق مرزا نبی تو بنا مگر بادشاہ نہ بنا تو کیا آدھی دعا قبول ہوئی؟

۹..... شریعت اور کتاب بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت بلکہ نعمتِ عظمیٰ ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (البقرۃ)

اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا ہے اُسے اور تم پر جو کتاب اور حکمت کی باتیں تمہیں نصیحت کرنے کے لئے نازل کی ہیں انہیں یاد رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

تو پھر قادیانیوں کے ہاں اس پر پابندی کیوں ہے؟ اگر دعا سے نبوت لینی ہے تو پھر نعمتِ تامہ یعنی تشریعی نبوت لینی چاہئے تاکہ مکمل نعمت حاصل ہو حالانکہ مرزائی اس کے قائل نہیں۔

Marfat.com

۱۰......مرزا قادیانی اس آیت کے تحت لکھتا ہے:

پس اس آیت سے بھی پہلے کھلے طور پر ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ اس امت کو ظلی طور پر تمام انبیاء کا وارث ٹھہراتا ہے تاکہ انبیاء کا وجود ظلی طور پر ہمیشہ باقی رہے اور دنیا ان کے وجود سے کبھی خالی نہ ہو۔(۱)

اس آیت سے مراد مرزا قادیانی گوظلی نبی لیتا ہے جو ہمیشہ ہمیشہ دنیا میں چلے آتے ہیں جن سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی مگر مرزا کی امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور مرزا سے پہلے کسی کو بھی نبی تسلیم نہیں کرتی، معلوم ہوا کہ مرزا کچھ کہتا ہے اور اس کی امت کچھ کہتی ہے۔اب مرزائی فیصلہ کریں کہ وہ درست کہتے ہیں یا ان کا متنبّی مرزا؟

۱۱......نعمت سے مراد نبوت کا ملنا نہیں کیونکہ یہ نعمت حضرت مریم پر بھی نازل ہوئی ہے:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ (المائدة: ۱۱۰)

اے عیسیٰ! میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر کی۔

ایسا ہی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر انعام ہوا:

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ(الأحزاب: ۳۷)

اور (اے پیغمبر!) یاد کرو جب تم اس شخص سے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا تھا اور تم نے بھی۔

اسی طرح سب مسلمانوں پر انعام الٰہی ہوا کہ بھائی بھائی بن گئے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ (آل عمران: ۱۰۳)

---

(۱) شہادت القرآن، روحانی خزائن: ج۶ ص ۳۵۲

Marfat.com

اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔

ان سب مقامات پر نعمت ملنے کا ذکر ہے لیکن اس سے نبوت لازم نہیں آتی اسی طرح زیر بحث آیت میں بھی نعمت سے مراد نبوت ملنا لازم نہیں۔

۱۲......اس دُعا میں منعم علیہم گروہ کی طرح استقامت کی راہ پر گامزن رہنے کی تمنا ہے کیونکہ جو ممکن انعامات ہیں اسی راہ پر ملیں گے، مثلاً ہر قسم کے انوار و برکات اور محبت و یقین کامل اور تائیداتِ سماویہ اور قبولیت اور معرفتِ تامہ، عزیمت و استقامت کے انعام جو امت محمدیہ کے لئے مقرر ہے۔

۱۳......اگر نبوت طلب کرنے کی دعا ہے تو غلام احمد قادیانی نبی بن جانے کے بعد یہ دعا کیوں مانگتا تھا؟ کیا اسے اپنی نبوت پر یقین نہ تھا؟

۱۴......مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' تو دل میں یہی ملحوظ رکھو کہ میں صحابہ اور مسیح موعود کی جماعت کی راہ طلب کرتا ہوں۔(۱)

اس آیت میں منعم علیہم کی نعمت طلب کرنے کی تعلیم نہیں دی گئی، بلکہ ان کے راستے پر چلنے کی دعاء سکھلائی گئی۔ انبیاء کا راستہ شریعت اور مذہب ہے کہ وہ اس کی پابندی اور اتباع کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ اگر نبوت طلب کرنے کی تعلیم مقصود ہوتی تو ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' کے بجائے ''اَعْطِنَا مَا اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' ہوتا۔

۱۵......''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' یہ دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مانگی، بلکہ یہ دعا مانگنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سکھلایا لیکن یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مانگی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی منتخب ہو چکے تھے، قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ

(۱) تحفہ گولڈویہ، روحانی خزائن: ج ۱۷ص ۲۱۸

Marfat.com

وسلم پر اترنا شروع ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دُعا سے نبی نہیں بنے، تو پھر اس دعا کا فائدہ کیا ہوا؟ مزید یہاں یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ چودہ سو سال میں کسی ایک کی یہ دعا قبول ہوئی یا نہ ہوئی؟ اگر ہوئی تو وہ کون ہے جو اس دعا سے نبی بنا؟ اور اگر قبول نہ ہوئی تو پھر یہ امت خیرِ امت کیسے ہوئی؟ اور اگر مرزائی کہیں کہ صرف مرزا کی دعا قبول ہوئی تو پھر یہ سوال ہوتا ہے کہ اگر مرزا کے حق میں قبول ہوئی تو مکمل کیوں نہ قبول ہوئی؟ تیسرا حصہ کیوں قبول ہوا؟ کیونکہ بادشاہت اور نبوت مستقلہ بھی نعمت ہیں یہ دونوں نعمتیں مرزا کو کیوں نہ ملی؟ مرزا میں وہ کونسی خامیاں تھی جن کی وجہ سے مرزا کو ان نعمتوں سے محروم رکھا گیا؟ دراصل قادیانیوں کو ایک اصولی غلطی لگی ہے وہ یہ کہ نبوت کو انہوں نے کسبی سمجھا حالانکہ نبوت وہبی ہے۔ (۱)

غضب کی تعریف

علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۸ھ) غضب کا معنی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نافرمانوں سے انتقام کا ارادہ کرنا اور ان پر سزا نافذ کرنا:

فإن قلت ما معنى غضب الله قلت: هو إرادة الانتقام من العصاة۔ (۲)

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ کہ غضب اس تبدیلی کو کہتے ہیں جو بدن میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انتقام کے ارادے سے دل کا خون جوش مارے:

الغضب: تغير يحصل عند غليان دم القلب لشهوة الانتقام۔ (۳)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ قلب کے خون کا انتقام کے ارادے کے وقت جوش مارنا:

---

(۱) قادیانی شبہات کے جوابات: ج ۱ ص ۱۳۶ تا ۱۴۰

(۲) الكشاف: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۵۹

(۳) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الفصل التاسع، ج ۱ ص ۲۲۳

Marfat.com

والغضب: ثوران النفس إرادة الانتقام۔ [1]

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے تعریف میں لفظ ''النفس'' استعمال کیا، اور یہاں مراد خون ہے، ''النفس'' کا الف لام قلب کے عوض میں آیا ہے۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ قلب کے خون کا انتقام کے ارادے کے وقت جوش مارنا:

والغضب: ثوران النفس لإرادة الانتقام۔ [2]

یہاں موصوف صفت کے درمیان مطابقت نہیں؟

سوال: ''صِرَاطَ الَّذِينَ'' موصوف ہے جو کہ معرفہ اور ''غَيْرِ الْمَغْضُوبِ'' جو کہ صفت ہے نکرہ ہے، قاعدہ ہے کہ لفظ غیر اضافت کے باوجود بھی نکرہ ہی رہتا ہے، اب موصوف اور صفت کے درمیان مطابقت نہ رہی؟

جواب: ا......قاعدہ ہے کہ موصول افادہ تعریف میں معرف باللام کے مانند ہوتا ہے ''الَّذِينَ'' اسم موصول سے مراد معہود فی الذہن ہے۔ اس لئے کہ عہد خارجی کے معنی مراد نہیں لے سکتے، کیونکہ خارج میں کوئی فرد معین نہیں ہے، اور جنس کے معنی بھی مراد نہیں لے سکتے کیونکہ راستہ حقیقت شیء کا نہیں ہوتا بلکہ افرادِ شیء کا ہوتا ہے، اور استغراق کا معنی بھی نہیں مراد لے سکتے کیونکہ کوئی قرینہ موجود نہیں ہے، تو معلوم ہوا کہ مراد ''الَّذِينَ'' سے معہود فی الذہن ہے اور معہود فی الذہن نکرہ کے حکم میں آتا ہے، لہٰذا ''الَّذِينَ'' بھی نکرہ کے حکم میں ہے اور ''غَيْرِ الْمَغْضُوبِ'' بھی نکرہ ہے تو اب موصوف صفت میں تنکیر میں مطابقت ہو گئی۔

۲......لفظ غیر اگر دو ضدین کے درمیان واقع ہو تو اضافت مفید تعریف ہو گی، جیسے ''الحركة غير السكون'' پس اسی طرح ''غَيْرِ الْمَغْضُوبِ'' میں بھی لفظ غیر دو ضدین

---

(۱) التفسير البيضاوي: سورة الفاتحة، ج۱ ص۴۱

(۲) التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۱

Marfat.com

کے درمیان واقع ہے، تو اب موصوف صفت کے درمیان معرفہ ہونے میں مطابقت ہوگئی:

ان غير هنا معرفة لأن المحققين من علماء العربية قالوا إنها قد تتعرف بالإضافة وذلك إذا وقعت بين متضادين معرفتين نحو عليك بالحركة غير السكون۔ (۱)

بیالیسویں بحث: غضب کی نسبت جب اللہ کی طرف ہو تو غایت وانتہاء مراد ہوتی ہے

لفظ غضب کا معنی حقیقی کا اعتبار کرتے ہوئے ذات باری تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں، اس لئے کہ غضب معنی حقیقی کے اعتبار سے قلب اور دم کا تقاضہ کرتا ہے، اور ذات باری تعالیٰ ان سے منزہ ہے۔ اسی طرح غلیان جس کے معنی جوش مارنے کے ہیں یہ از قبیل انفعال کے ہے اور ذات باری تعالیٰ فاعل ہے منفعل نہیں۔ پس جب غضب کو ذات باری تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو غضب سے مراد غایت اور منتہاء یعنی سزا اور عذاب ہوگا۔ سزا اور عذاب از قبیل افعال ہے انفعال نہیں۔ پس اس صورت میں ترجمہ ہوگا: وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور اس کی سزا کے مستحق ہوئے، پس انفعال کا اشکال ختم ہوگیا۔ نیز قلب اور دم کا سوال بھی نہ رہا، اس لئے کہ سزا اور عذاب دینے کے مفہوم میں قلب اور دم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) نے ایک قاعدہ کلیہ نقل کیا ہے کہ جتنے بھی اعراضِ نفسانیہ ہیں مثلاً رحمت، خوشی، غضب، حیا، غیرت، مکر، تکبر، استہزاء وغیرہ۔ پس جب ان اعراض کی ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف نسبت ہوگی تو اس وقت غایت مراد ہوگی۔ مثلاً لفظِ غضب اس کا معنی خون کا جوش مارنا، اب یہ معنی مراد نہیں ہوگا بلکہ اس کی غایت مغضوب علیہ کو

(۱) روح المعانی: سورۃ الفاتحۃ، ج۱ ص۱۲۸/ مدارک التنزیل: سورۃ الفاتحۃ، ج۱ ص۳۳

Marfat.com

نقصان پہنچانے کا ارادہ کرنا مراد ہوگا۔ اسی طرح لفظ حیاء کا اطلاق جب ذات باری تعالیٰ پر ہوتو اس سے فعل کا ترک کرنا مراد ہوگا نہ کہ انکسار نفس:

واعلم أن هذا على الله تعالى محال، لكن ههنا قاعدة كلية، وهى أن جميع الأعراض النفسانية أعنى الرحمة، والفرح، والسرور، والغضب، والحياء، والغيرة، والمكر والخداع، والتكبر، والاستهزاء لها أوائل، ولها غايات، ومثاله الغضب فإن أوله غليان دم القلب، وغايته إرادة إيصال الضرر إلى المغضوب عليه، فلفظ الغضب فى حق الله تعالى لا يحمل على أوله الذى هو غليان دم القلب، بل على غايته الذى هو إرادة الأضرار، وأيضاً، الحياء له أول وهو انكسار يحصل فى النفس، وله غرض وهو ترك الفعل، فلفظ الحياء فى حق الله يحمل على ترك الفعل لا على انكسار النفس، وهذه قاعدة شريفة فى هذا الباب۔ (۱)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ جب اس (غضب) کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس کا انجام کار یعنی انتقام لینا مراد ہوگا:

فإذا اسند إلى الله تعالى أريد به المنتهى والغاية۔ (۲)

علامہ قاضی ابوالسعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ غضب کی نسبت جب اللہ کی طرف ہوتو اس سے مراد غایت وانتہاء ہوگی:

والغضب هيجان النفس لإرادة الإنتقام وعند إسناده إلى الله سبحانه يراد به غايته۔ (۳)

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۲۳

(۲) التفسير البيضاوى: سورة الفاتحة، ج۱ ص۴۱

(۳) تفسير أبى السعود: سورة الفاتحة، ج۱ ص۲۹

Marfat.com

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ جب غضب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس سے مراد غایت وانتہاء ہوگی:

إذا اسند إلى الله تعالى اريد به المنتهى۔ (۱)

تینتالیسویں بحث: لفظ ضالین کی لغوی، صرفی تحقیق

لفظ ضالین کی لغوی تحقیق

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ: ''وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' کلامِ عرب میں ضلال اسلوبِ اعتدال اور حق کا راستہ چھوڑنے کو کہتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: ضَلَّ اللَّبَنُ فِي الْمَاءِ (دودھ پانی میں غائب ہوگیا)۔ اسی معنی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ (السجدة: ۱۰)

جب ہم زمین میں ملیامیٹ ہو جائیں گے تو۔

یعنی جب ہم موت کے ذریعے غائب ہو جائیں گے اور مٹی بن جائیں گے، اسی طرح شاعر کہتا ہے:

أَلَمْ تَسْأَلْ فَتُخْبِرُكَ الدِّيَارُ عَنِ الْحَيِّ الْمُضَلَّلِ أَيْنَ سَارُوْا

کیا تم نے برباد گھروں سے نہیں پوچھا کہ وہ تمہیں بتادیتے کہ گم شدہ قبیلہ کہاں گیا؟

''ضَلْضَلَةٌ'' اس چکنے پتھر کو کہتے ہیں جسے گھاٹی میں پانی الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح ''غَضْبَةٌ'' پہاڑ کی اس چٹان کو کہتے ہیں جس کا رنگ اپنے پہاڑ کے رنگ سے مختلف ہوتا ہے۔

کلامِ عرب میں ضلال، اسلوبِ اعتدال اور حق کا راستہ چھوڑنے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ

(۱) التفسير المظهری: سورة الفاتحة، ج۱ ص ۲۱

Marfat.com

کہا جاتا ہے ''ضل اللبن فی الماء'' یعنی دودھ پانی میں غائب ہو گیا۔ اس معنی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''أَإِذَا ضَلَلْنَا فِی الْأَرْضِ'' جب ہم زمین میں ملیامیٹ ہو جائیں گے یعنی جب ہم موت کے ذریعے غائب ہو جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے:

الضلال فی کلام العرب هو الذهاب عن سنن القصد وطریق الحق، ومنه: ضل اللبن فی الماء ای غاب۔ ومنه: أإذا ضللنا فی الارض ای غبنا بالموت وصرنا ترابا۔ (۱)

لفظ ضالین کی صرفی تحقیق

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ ''ضالین'' اصل میں ''ضاللین'' تھا، پہلے لام کی حرکت کو حذف کر کے لام کو لام میں مدغم کر دیا، اس طرح ''ضا'' کا الف اور ''لین'' کا ادغام شدہ لام، دو ساکن جمع ہو گئے پھر ان کو مدغم کیا:

الأصل فی الضالین: الضاللین حذفت حرکة اللام الاولی ثم ادغمت اللام فی اللام فاجتمع ساکنان مدة الالف واللام المدغمة۔ (۲)

ضلال کا معنی

علامہ قاضی ابو السعود محمد بن محمد رحمہ اللہ (متوفی ۹۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ ''ضلال'' سیدھے راستے سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں:

والضلال هو العدول عن الصراط السوی۔ (۳)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ ضلالت ہدایت کی ضد ہے، یہ مقصود تک پہنچانے والے راستے سے عدول کرنا ہے، اور اس کا کشادہ

---

(۱) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۹۵

(۲) تفسیر القرطبی: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج ۱ ص ۱۹۶

(۳) تفسیر أبی السعود: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۲۹

Marfat.com

میدان ہے (یعنی اس کے بہت سے مصداق ہیں، سب سے ادنی ترکِ اولی ہے اور سب سے اعلی کفر باللہ ہے، اور پھر اس ادنی اور اعلی کے درمیان بہت سے طبقات ہیں، جن کا شمار دشوار ہے):

الضلالة ضد الهداية وهو العدول عن الطريق الموصل وله عرض عريض۔ (۱)

چوالیسویں بحث: مغضوب سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاری ہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہود پر غضب کا اطلاق کیا ہے:

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران: ۱۱۲)

انجام کار وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں۔

اور نصاری پر ضالین کا اطلاق کیا ہے:

قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (المائدة)

جو پہلے خود بھی گمراہ ہوئے، بہت سے دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک مغضوب سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاری ہیں:

فالجمهور أن المغضوب عليهم اليهود والضالين النصارى۔ (۲)

امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ مشہور قول یہی ہے کہ مغضوب

---

(۱) التفسير المظهري: سورة الفاتحة، ج۱ ص ۲۱

(۲) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الرابع، ج۱ ص ۱۹۴

Marfat.com

علیھم سے مراد یہود ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ''مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ'' ان پر غضب کا اطلاق کیا ہے، اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان ''قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوا كَثِيرًا وَّضَلُّوا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيلِ'' میں ان پر ضلال کا اطلاق کیا ہے۔

المشهور أن المغضوب عليهم هم اليهود، لقوله تعالى: مَن لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ، والضالين: هم النصارى لقوله تعالى: قَدْ ضَلُّواْ مِن قَبْلُ وَأَضَلُّواْ كَثِيراً وَضَلُّواْ عَن سَوَاء السبيل۔ (۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک ضال (گمراہ) اور ہر ایک مغضوب علیہم ہے، لیکن یہود کے اوصاف میں سب سے زیادہ غضب ہے جیسا کہ مذکورہ فرمان باری تعالیٰ میں ہے، اور نصاریٰ کے اوصاف میں زیادہ ضلال ہے جیسا کہ مذکورہ باری تعالیٰ کے فرمان میں ہے، اور اس تفسیر (یعنی مغضوب علیہ سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہے) کی تائید میں احادیث اور آثار بھی مروی ہیں:

وكل من اليهود والنصارى ضال مغضوب عليه، لكن أخص أوصاف اليهود الغضب كما قال فيهم: مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وأخص أوصاف النصارى الضلال كما قال: قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ، وبهذا جاء ت الأحاديث والآثار۔ (۲)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں، اور سعید بن منصور رحمہ اللہ نے اسماعیل بن ابی خلاد رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الفاتحة، الباب الخامس، ج۱ ص۲۲۲

(۲) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳۴

Marfat.com

امام احمد، امام عبد بن حمید اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس کی تحسین بھی کی ہے، امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم اور امام ابن حبان رحمہم اللہ نے اپنی صحیح میں اس روایت کو عدی بن حاتم رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاری ہیں:

واخرج سفيان بن عيينة فى تفسيره وسعيد بن منصور عن اسمعيل بن أبى خالد أن النبى صلى الله عليه وسلم قال المغضوب عليهم اليهود والضالون هم النصارى، واخرج أحمد وعبد بن حميد والترمذى وحسنه وابن جرير وابن المنذر وابن أبى حاتم وابن حبان فى صحيحه عن عدى بن حاتم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن المغضوب عليهم اليهود وإن الضالين النصارى۔ (۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاری ہیں، اس کی تائید میں امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے، اور امام ابن حبان رحمہ اللہ اپنی ''صحیح ابن حبان'' میں اس روایت کو مرفوعا نقل کیا ہے اور اس کی تحسین بھی کی ہے، علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے، امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے کہ ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ اس تفسیر کے بارے میں کسی نے اختلاف کیا ہو:

والمراد بالمغضوب عليهم اليهود وبالضالين النصارى وقد روى ذلك أحمد فى مسنده وحسنه إبن حبان فى صحيحه مرفوعا إلى رسول الله وأخرجه إبن جرير عن إبن عباس وإبن مسعود رضى الله عنهم وقال إبن أبى حاتم: لا أعلم فيه خلافا للمفسرين۔ (۲)

---

(۱) الدر المنثور فى التفسير الماثور: سورة الفاتحة، ج۱ ص۴۲

(۲) روح المعانى: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۹

Marfat.com

علامہ محمد امین بن محمد شنقیطی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ جماہیر علماء کی تفسیر فرماتے ہیں کہ مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں:

وقوله غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال جماهير من علماء التفسير المغضوب عليهم اليهود و الضالون النصارى۔ (۱)

حدیث کی تخریج

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں:

عن عدى بن حاتم عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: اليهود مغضوب عليهم والنصارى ضلّال۔ (۲)

پینتالیسویں بحث: لفظ ضاد کا صحیح مخرج

فمن حافة اللسان من أقصاها إلى الأضراس الضاد۔ (۳)

وَالضَّادُ مِنْ حَافَتِهِ إِذْ وَلِيَا...... الْأَضْرَاسُ مِنْ أَيْسَرَ أَوْ يُمْنَاهَا۔ (۴)

ضاد حافہ لسان سے نکلتا ہے جب کہ وہ مل جائے اضراس (علیا) سے، داہنی طرف کی

---

(۱) أضواء البيان فى إيضاح القرآن بالقرآن: سورة الفاتحة، ج۱ ص۹

(۲) سنن الترمذى: أبواب تفسير القرآن، باب: ومن سورة فاتحة الكتاب، ج۵ ص۲۰۲، رقم الحديث: ۲۹۵۴/ صحيح ابن حبان: كتاب التاريخ، باب بدء الخلق، ذكر البيان بأن أهل الكتاب ... إلخ، ج۱۴ ص۱۴۰، رقم الحديث: ۶۲۴۶/ مسند احمد: مسند الكوفيين، ج۳۲ ص۱۲۴، رقم الحديث: ۱۹۳۸۱/ المعجم الكبير للطبرانى: باب العين، ج۱۷ ص۹۹، رقم الحديث: ۲۳۷/ صححه الألبانى فى صحيح الجامع الصغير وزيادته، ج۲ ص۱۳۶۳، رقم الحديث: ۸۲۰۲

(۳) المحيط البرهانى، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فى كيفيتهما، ج۱ ص۳۶۲

(۴) متن المقدمة الجزرية: باب مخارج الحروف، ص۱۲

Marfat.com

داڑھوں سے بھی نکلتا ہے اور بائیں طرف کی داڑھوں سے بھی۔ ضاد حافۂ لسان یعنی زبان کی کروٹ، داہنی یا بائیں سے نکلتا ہے جب کہ اضراس علیا یعنی اوپر کی ڈاڑھ کی جڑ سے لگا دیں، اور بائیں طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے مگر بہت مشکل ہے، اس حرف کو ''حافیہ'' کہتے ہیں۔ (جمال القرآن: ص ۱۲)

ساتواں مخرج حافۂ لسان اور داڑھوں کی جڑ اس سے ''ض'' نکلتا ہے۔ (فوائد مکیہ: ص ۱۰)

مزید تحقیق کے لئے دیکھئے ''سبیل الرشاد فی تحقیق تلفظ الضاد''

چھیالیسویں بحث: لفظ ضاد اور ظاء میں التباس کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی

حرف ضاد اور ظاء کے درمیان تمیز خاصی مشکل ہے اور ان کی صحیح ادائیگی میں خاصی مشقت اٹھانی پڑتی ہے اسی لئے عمومِ بلوی کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ یہ بات اپنے مقام پر درست اور صحیح ہے کہ حتی الوسع ہر حرف کی تصحیح اور اپنے مخرج سے ادائیگی کی مدت العمر کوشش جاری رکھنے چاہیے۔

ا......علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی عمدہ بحث

ضاد اور ظاء میں مخرج کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ ضاد کا مخرج اصل حافہ لسان اور اس کے متصل کی داڑھیں ہیں خواہ زبان کی داہنی جانب سے نکالا جائے یا بائیں جانب سے، اور بعض لوگ دونوں جانب سے نکالنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں، اور ظاء کا مخرج طرفِ لسان اور ثنایا علیا کی جڑیں ہیں، اور علماء کا ان کے آپس میں ایک دوسرے سے بدل دینے کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ ابدال ناجائز اور مفسد نماز ہے یا نہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہی قیاس ہے اور اسی کو محیط برہانی میں عامہ مشائخ سے نقل کیا ہے اور اسی کو خلاصہ میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ سے نقل کیا ہے۔ اور بعض

Marfat.com

نے کہا ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اور یہی استحسان ہے اور اسی کو مشائخ عامہ سے نقل کیا ہے مثل ابو مطیع بلخی اور محمد بن سلمہ رحمہما اللہ، اور ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ جب دونوں میں فرق کرنے پر قدرت ہو اور پھر عمداً غلط پڑھے اور کسی قراءت میں یہ تبدیل منقول نہ ہو جیسے ''وَلَا الضَّآلِّينَ'' اور ''غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ'' میں ہے اور معنی بھی بدل جائیں تو ان تمام شرطوں کے ساتھ فسادِ نماز کا حکم کیا جائے گا، ورنہ نہیں کیونکہ دونوں میں تمیز دشوار ہے خصوصاً اہلِ عجم قرنِ اول میں مسلمان ہوئے اور کہیں منقول نہیں کہ صحابہ وتابعین نے ان کو فرق کرنے کی تحریص وتاکید کی ہو یا اس کے تعلیم حاصل کرنے کا امر کیا ہو۔ اور اگر اہلِ عجم پر یہ فرق اور اس کی تعلیم واجب ہوتی تو وہ صحابہ ضرور اس کی تاکید کرتے اور ان سے اس کی نقل ہم تک پہنچتی اور یہی وہ چیز ہے کہ جس پر اعتماد کرنا اور فتوی دینا مناسب ہے۔ اور بعض لوگوں نے ایک مستقل رسالہ میں ان الفاظ کو جمع کر دیا ہے جن کے معنی ضاد اور ظاء کے آپس میں بدلنے سے بدلتے نہیں اور یہ رسالہ بہت اچھا ہے اس کو دیکھنا چاہئے:

والفرق بين الضاد والظاء مخرجا أن الضاد مخرجها من أصل حافة اللسان وما يليها من الأضراس من يمين اللسان أو يساره ومنهم من يتمكن من إخراجها منهما والظاء مخرجها منطرف اللسان وأصول الثنايا العليا واختلفوا في إبدال أحدهما بالأخرى هل يمتنع وتفسد به الصلاة أم لا فقيل تفسد قياسا ونقله في المحيط البرهاني عن عامة المشايخ ونقله في الخلاصة عن أبي حنيفة ومحمد وقيل لا استحسانا ونقله فيها عن عامة المشايخ كأبي مطيع البلخي ومحمد بن سلمة وقال جمع انه إذا أمكن الفرق بينهما فتعمد ذلك وكان مما لم يقرأ به كما هنا وغير المعنى فسدت صلاته وإلا فلا لعسر التمييز بينهما خصوصا على العجم وقد أسلم كثير منهم في الصدر الأول ولم ينقل حثهم على الفرق

Marfat.com

وتعليمه من الصحابة ولو كان لازما لفعلوه ونقل وهذا هو الذى ينبغى أن يعول عليه ويفتى به وقد جمع بعضهم الألفاظ التى لا يختلف معناها ضادا وظاء فى رسالة صغيرة ولقد أحسن بذلك فليراجع فإنه مهم۔ (۱)

۲.....علامہ قاضی خان رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۲ھ) فرماتے ہیں کہ اگر ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف کو ذکر کیا اور معنی میں تبدیلی آ گئی (تو دیکھا جائے گا) اگر دو حرفوں کے درمیان بغیر کسی مشقت کے فرق کرنا ممکن ہو جیسے طاء اور صاد میں مثلاً ''صالحات'' کی جگہ ''طالحات'' پڑھا تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔ اور اگر بغیر مشقت کے فرق ممکن نہ ہو جیسے ظاء اور ضاد، صاد اور سین، طاء اور تاء میں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، اکثر علماء کے رائے یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی:

وإن ذكر حرفاً مكان حرفٍ وغير المعنى فإن أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلاته عند الكل وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشايخ فيه قال أكثرهم لا تفسد صلاته۔ (۲)

۳.....امام رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ ضاد اور ظاء میں اشتباہ کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی:

المختار عندنا أن اشتباه الضاد بالظاء لا يبطل الصلاة۔ (۳)

۴.....حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ علماء کرام کا صحیح

---

(۱) روح المعانی: سورۃ التکویر، آیت نمبر ۲۴ کے تحت، ج ۳۰ ص ۳۷۳

(۲) فتاوى قاضيخان، فصل فى القراءة فى القرآن خطاء وفى الأحكام المتعلقة بالقراءة، ج ۱ ص ۱۴۱

(۳) التفسير الكبير: التعوذ، الباب الأول، ج ۱ ص ۶۹

Marfat.com

مذہب یہ ہے کہ ضاد اور ظاء میں جو فرق ہے اگر اس میں کوئی کمی باقی رہ جائے تو معاف ہے کیونکہ یہ دونوں حروف قریب المخرج ہیں:

والصحيح من مذاهب العلماء أنه يغتفر الإخلال بتحرير ما بين الضاد والظاء لقرب مخرجيهما۔ (۱)

۵...... محقق علی الاطلاق ابن ہمام رحمہ اللہ (متوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ اگر دو حرفوں میں بلا مشقت فرق ممکن نہ ہو مثلاً ضاد اور ظاء تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور ان میں اکثر کی رائے یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی:

فان لم يمكن الفصل بين الحرفين مع غير مشقة كالضاد والظا اختلفوا واكثرهم لم يفسدها۔ (۲)

۶...... علامہ محمد بن محمد المعروف بابن البزاز رحمہ اللہ (متوفی ۸۲۷ھ) لکھتے ہیں کہ ضابطہ یہ ہے کہ دو حرفوں میں اگر بلا مشقت فرق کرنا ممکن ہو جیسے صاد اور طاء میں مثلاً ''صالحات'' کی جگہ ''طالحات'' پڑھ دیا تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہوگی، اور اگر مشقت کے بغیر فرق ممکن نہ ہو مثلاً ظاء اور ضاد، صاد اور سین، طاء اور تا اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اکثر فقہاء کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ اس میں عمومِ بلوی ہے:

والأصل انه إن أمكن الفصل بين الحرفين بلا كلفة كالصاد مع الطاء بأن قرأ الطالحات مكان الصالحات فسد عند الكل وإن لم يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلفوا فالأكثر على انه لا يفسد لعموم البلوى۔ (۳)

۷...... اگر دو حرفوں کے درمیان بغیر مشقت کے فرق ممکن ہو جیسے طاء اور صاد کے

---

(۱) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳۵

(۲) زاد الفقير: ص۴۲، بحوالہ تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین، ص۳۵، ۳۶

(۳) الفتاوى البزازية: كتاب الصلاة، الفصل الثاني عشر في زلة القاري، ج۱ ص ۴۲

Marfat.com

درمیان، پس اگر کسی نے ''الصالحات'' کی جگہ ''الطالحات'' پڑھا سب علماء کے نزدیک نماز فاسد ہوگی، اور اگر دو حرفوں کے درمیان بغیر مشقت کے فرق ممکن نہ ہو جیسے ضاد اور ظاء، صاد اور سین، طاء اور تاء، تو اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے، اکثر کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی، اسی طرح فتاوی قاضی خان میں ہے:

فَإِنْ أَمْكَنَ الْفَصْلُ بين الْحَرْفَيْنِ من غَيْرِ مَشَقَّةٍ كَالطَّاءِ مع الصَّادِ فَقَرَأَ الطَّالِحَاتِ مَكَانَ الصَّالِحَاتِ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ عِنْدَ الْكُلِّ وَإِنْ كان لَا يُمْكِنُ الْفَصْلُ بين الْحَرْفَيْنِ إِلَّا بِمَشَقَّةٍ كَالظَّاءِ مع الضَّادِ وَالصَّادِ مع السِّينِ وَالطَّاءِ مع التَّاءِ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ قال أَكْثَرُهُمْ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ هَكَذَا في فَتَاوَى قَاضِيخَانْ۔ (۱)

فاتحہ کے بعد آمین کہنا مستحب ہے

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہنا مستحب ہے:

يستحب لمن قرأ الفاتحة أن يقول بعدها: آمين۔ (۲)

آمین کا معنی

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ آمین کا معنی ہے اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما:

وقال الأكثرون: معناه: اللّٰهم استجب لنا۔ (۳)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ ''آمین''

---

(۱) الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، الباب الرابع، الفصل الخامس، ج۱ ص۷۹

(۲) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳۶

(۳) تفسير ابن كثير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳۶

Marfat.com

عربی کلمہ ہے اور اس کا معنی ہے (اے اللہ! ہماری دعا) قبول فرما:

والصحیح أنها کلمة عربیة ومعناها أستجب۔ (۱)

لفظ آمین میں چار لغات ہیں

محدث العصر علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ ''آمین'' کے پڑھنے میں چار لغات ہیں: ۱.....سب سے زیادہ فصیح اور مشہور لغت ''آمین'' مد اور تخفیف (یعنی بغیر تشدید) کے پڑھا جائے۔ ۲.....بغیر مد اور تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے۔ ۳.....امالہ کے ساتھ پڑھا جائے۔ ۴.....مد اور تشدید کے ساتھ پڑھا جائے۔ پہلی دو لغات مشہور ہیں، اور آخری دو لغات کو امام واحدی رحمہ اللہ نے ''البسیط'' کے شروع میں نقل کیا ہے، اسی وجہ سے ہمارے نزدیک فتوی اس قول پر ہے کہ اگر کسی نے لفظ آمین کو تشدید کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ یہ بھی ایک لغت ہے اور اس لئے کہ یہ قرآن میں موجود ہے:

واللغات فیه أربع افصحها واشهرها آمین بالمد والتخفیف والثانیة بالقصر والتخفیف والثالثة بالامالة والرابعة بالمد والتشدید والأولیان مشهورتان والأخریان حکاها الواحدی فی أول البسیط ولهذا کان المفتی به عندنا أنه لو قال آمین بالتشدید لا تفسده لما علمت أنها لغة ولأنه موجود فی القرآن۔ (۲)

لفظ آمین کو مشدد پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ اگر لفظ آمین نماز میں میم کی تشدید کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور اس کی طرف صاحب ہدایہ نے

---

(۱) روح المعانی: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳۱

(۲) معارف السنن شرح سنن الترمذی: أبواب الصلوٰة، باب ماجاء فی التامین، ج۲ ص۴۳۳

Marfat.com

اپنے اس قول سے اشارہ کیا کہ تشدید کے ساتھ پڑھنا واضح غلطی ہے لیکن صاحب ہدایہ نے فساد نماز کا ذکر نہیں کیا، اس وجہ سے کہ اس میں اختلاف ہے، فساد والا قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے اور صاحبین کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس کے مثل الفاظ قرآن میں موجود ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ" اور صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے:

ولو قال آمين بتشديد الميم في صلاته تفسد وإليه أشار صاحب الهداية بقوله والتشديد خطأ فاحش ولكنه لم يذكر هنا فساد الصلاة به لأن فيه خلافا وهو أن الفساد قول أبي حنيفة وعندهما لا تفسد لأنه يوجد في القرآن مثله وهو قوله تعالى ولا آمين البيت الحرام وعلى قولهما الفتوى۔ (۱)

آمین کہنے کا موقع

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کے لئے مسنون ہے کہ سورۂ فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد "ولا الضالين" کے نون پر ہلکا سا رُکے اور پھر آمین کہے تا کہ قرآن مجید اور غیر قرآن کا فرق واضح ہو جائے۔ (۲)

آمین کہنے سے کب مغفرت ہوتی ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:

إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا

---

(۱) عمدة القاري شرح صحيح البخاري: كتاب الآذان، باب جهر الإمام بالتامين، ج۶ ص۴۷

(۲) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج۱ ص۱۲۷

Marfat.com

تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ (۱)

جب امام آمین کہے تو تم بھی کہو کیوں کہ جسکی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل گئی اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

ہمارے علماء فرماتے ہیں: اس حدیث مبارک کی بناء پر گناہوں کی بخشش کا انحصار چار چیزوں پر ہے۔ پہلی چیز: امام کی آمین، دوسری: مقتدیوں کی آمین، تیسری: فرشتوں کی آمین، اور پھر چوتھی: آمین کا فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل جانا۔ اس آمین کے فرشتوں کی آمین کے ساتھ ملنے کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں بارگاہِ الٰہی میں قبولیت کی موافقت مراد ہے، بعض کے نزدیک ملائکہ کی آواز کے ساتھ نمازی کی آواز کا مل جانا مراد ہے، اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ دعا میں اخلاص ایسا ہو جیسا فرشتوں کی دعا میں ہوتا ہے۔ (۲)

آمین کے فضائل

امام ابوداود رحمہ اللہ نے ابو مُصَبِّح مقرائی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم ایک صحابی حضرت ابو زہیر نمیری رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، وہ ہمیں بہت اچھی اچھی باتیں سنایا کرتے تھے۔ جب ہم میں سے کوئی دعا کرتا تو وہ کہتے اسے آمین پر ختم کرنا۔ آمین کی حیثیت دستاویز پر مہر لگانے کی سی ہے۔ ایک دن حضرت ابوزہیر نے کہا: میں تمہیں اس کی تفصیل بتاتا ہوں: ایک رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے کہ ایک آدمی کے پاس پہنچے جو بہت عاجزی سے گڑگڑا کر دعا مانگ رہا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دعا سننے کے لئے رک گئے اور فرمایا:

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الآذان، باب جهر الإمام بالتأمين، ج۱ ص۱۵۶، رقم الحديث: ۷۸۰

(۲) تفسير القرطبي: سورة الفاتحة، الباب الثالث، ج۱ ص۱۲۷

Marfat.com

أَوْجَبَ إِنْ خَتَمَ ، فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ: بِأَيِّ شَيْءٍ يَخْتِمُ؟ قَالَ: بِآمِيْنَ، فَإِنَّهُ إِنْ خَتَمَ بِآمِيْنَ فَقَدْ أَوْجَبَ، فَانْصَرَفَ الرَّجُلُ الَّذِيْ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَى الرَّجُلَ فَقَالَ: اِخْتِمْ يَا فُلَانُ بِآمِيْنَ وَأَبْشِرْ۔ (۱)

اگر اس نے دعا پر مہر لگا دی تو اس کی قبولیت یقینی ہو جائے گی۔ اس جماعت میں سے ایک شخص نے پوچھا: کس چیز سے مہر لگا دے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آمین سے۔ اگر یہ آمین سے مہر لگا دے تو دعا کی قبولیت یقینی ہو جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے والا شخص وہاں سے نکل کر اس آدمی کے پاس گیا اور کہا: اے فلاں! اپنی دعا پر مہر لگا دو اور خوشخبری سن لو۔

آمین کے مسئلہ میں اہلِ علم کا اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کے اعتبار سے ہے

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ آمین کے مسئلہ میں اہلِ علم کے درمیان جو اختلاف ہے یہ اولی اور غیر اولی کا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ جہر سے پڑھی تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ سنت ہے نیز آمین بالجہر کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، اور یہ ایسا مباح اختلاف ہے جس میں کرنے یا چھوڑنے والے پر سختی نہیں کی جا سکتی، یہ اس طرح ہے جیسے نماز میں رفع یدین یا ترک رفع یدین کا اختلاف ہے (کہ یہ اختلاف بھی اولی اور غیر اولی کا ہے):

---

(۱) سنن أبي داوود: كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الإمام، ج۱ ص۲۴۷، رقم الحديث: ۹۳۸

Marfat.com

وَجَهَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِقِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِيُعَلِّمَهُمْ أَنَّهَا سُنَّةٌ وَمِنْ هَذَا أَيْضًا جَهْرُ الْإِمَامِ بِالتَّأْمِينِ وَهَذَا مِنَ الِاخْتِلَافِ الْمُبَاحِ الَّذِي لَا يُعَنَّفُ فِيهِ مَنْ فَعَلَهُ وَلَا مَنْ تَرَكَهُ وَهَذَا كَرَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ وَتَرْكِهِ۔ (۱)

سینتالیسویں بحث: آمین دعا ہے اور دعا میں اصل اخفاء ہے

آمین دعا ہے اور دُعاء میں اصل اخفاء ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٥٥﴾ (الأعراف)

تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ آہستہ آہستہ پکارا کرو، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو آہستہ پکارا:

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ (مریم)

یہ اس وقت کی بات ہے جب انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آہستہ آواز سے پکارا تھا۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے:

وقال عطاء: آمين دعاء۔ (۲)

---

(۱) زاد المعاد فی هدی خیر العباد: فصول فی هدیه فی العبادات، فصل فی انه صلی الله علیه وسلم کان یراعی حال المامومین وغیرهم، ج۱ ص۲۶۶

(۲) صحیح البخاری: کتاب الآذان، باب جهر الإمام بالتامین، ج۱ ص۱۵۶

Marfat.com

آمین دعا ہے اور دعا میں شریعت کا حکم اخفاء کا ہے لہذا آمین میں بھی خفاء ہوگا۔

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ ہم نے آمین کہنے پر اخفاء کو پسند کیا، اس لئے کہ یہ دعا ہے اور دعا میں سنت اخفاء ہے، اور اس بات پر دلیل کہ آمین دعا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا (یونس: ۸۹)

تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔

امام ابو العالیہ، امام عکرمہ، امام محمد بن کعب، امام ربیع بن موسی یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ موسی علیہ السلام دعا فرما رہے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہہ رہے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے دونوں کو دعا کرنے والا کہا، اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آمین دعا ہے لہذا اخفاء جہر سے افضل ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً (الأعراف: ۵۵)

اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور آہستہ آہستہ پکارو۔

فنحن اخترنا الإخفاء لأنه دعاء والسنة فی الدعاء الإخفاء والدليل علی أنه دعاء قوله تعالی فی سورة يونس قد أجيبت دعوتكما قال أبو العالية وعكرمة ومحمد بن كعب والربيع بن موسی كان موسی يدعو وهارون يؤمن فسماهما الله تعالی داعيين فإذا ثبت أنه دعاء فإخفاؤه أفضل من الجهر به لقوله تعالی ادعوا ربك تضرعا وخفية۔ (۱)

---

(۱) عمدة القاری شرح صحيح البخاری: كتاب الأذان: باب جهر الإمام بالتامين، ج۶ ص۵۳

Marfat.com

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۶ھ) فرماتے ہیں کہ دعا میں اصل ضابطہ (قاعدہ) اخفاء ہے جب تک کہ کوئی دلیل اس کے برخلاف دلالت نہ کرے:

وظابطة الدعاء الإخفاء مالم يدل دليل على خلافه فالإخفاء فيه هو الأصل۔ (۱)

محدث العصر علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ اذکار اور دعاؤں میں اصل اخفاء ہے:

الاصل في الأذكار والأدعية هو الإخفاء۔ (۲)

مشہور مفسر امام رازی رحمہ اللہ شافعی المسلک ہونے کے باوجود آمین بالسر کے مسئلہ میں حنفیہ کے موافق ہیں، اور اس موافقت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم سے احناف کا استدلال نہایت قوی اور درست ہے۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آمین آہستہ کہنا افضل ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا اظہار افضل ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے قول کی صحت پر یوں استدلال کیا کہ آمین میں دو جہت ہیں۔ پہلی جہت یہ ہے کہ آمین دعا ہے اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، پس اگر آمین دعا ہے تو واجب ہے کہ اس کو آہستہ کہا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو۔ اور اگر یہ اللہ کے ناموں میں سے ہو تب بھی اخفاء واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کو یاد کرو اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے، سو اگر وجوب ثابت نہ تو استحباب سے کم نہ ہوگا، اور ہم بھی اسی قول کے قائل ہیں:

---

(۱) فتح الملهم شرح صحيح مسلم: كتاب الصلوة، باب التسميع والتحميد والتامين، ج۳ ص ۳۴۱

(۲) معارف السنن شرح سنن الترمذي: أبواب الصلوة، باب ماجاء في التامين، ج۲ ص ۴۰۷

Marfat.com

قال أبو حنيفة رحمة الله عليه، إخفاء التأمين أفضل، وقال الشافعي رحمة الله عليه، إعلانه أفضل، واحتج أبو حنيفة على صحة قوله، قال: في قوله: آمين وجهان: أحدهما: أنه دعاء۔ والثاني: أنه من أسماء الله، فإن كان دعاء وجب إخفاؤه لقوله تعالى: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً وإن كان اِسْمًا من أسماء الله تعالى وجب إخفاؤه لقوله تعالى: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً فإن لم يثبت الوجوب فلا أقل من الندبية، ونحن بهذا القول نقول۔[1]

اکثر صحابہ وتابعین آمین بالسر پر عمل پیرا تھے

علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود، ابراہیم نخعی، امام شعبی اور ابراہیم تیمی آمین بالسر پر عمل پیرا تھے، صحیح بات یہ ہے کہ آمین بالجہر وآمین بالسر دونوں کی روایات صحیح ہیں اور علماء کی ایک بڑی جماعت دونوں طرف ہے، اگر آپ کسی ایک کو ترجیح دینا چاہتے ہیں تو آمین بالسر کو اختیار کریں کیونکہ صحابہ وتابعین کی اکثریت اسی پر عمل پیرا تھی:

قال الطبري وروى ذلك عن ابن مسعود وروى عن النخعي والشعبي وابراهيم التيمي كانوا يخفون بآمين والصواب أن الخبر بالجهر بها والمخافة صحيحان وعمل بكل من فعليه جماعة من العلماء وإن كنت مختارا خفض الصوت بها إذا كان أكثر الصحابة والتابعين على ذلك۔[2]

---

(۱) التفسير الكبير: سورة الأعراف، آیت نمبر ۵۵ کے تحت، ج۱۴ ص ۲۸۱، ۲۸۲

(۲) الجوهر النقي: كتاب الصلاة، باب جهر الامام بالتامين، ج۲ ص۵۸

Marfat.com

خلاصہ کلام

(صغریٰ) آمین دعا ہے۔ (کبریٰ) اور دعا میں اصل اخفاء ہے۔ (نتیجہ) آمین میں اصل اخفاء ہے۔ وھو المطلوب

اب اس دلیل کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ یا تو غیر مقلدین دلیل کے پہلے مقدمے پر نقض کریں اور قرآن وحدیث اور لغت سے ثابت کریں کہ آمین دعا نہیں ہے یا دلیل کے دوسرے مقدمے کو توڑیں کہ دعا میں اصل اخفاء نہیں بلکہ جہر ہے، ورنہ دلیل کے دونوں مقدمے تسلیم کرنے کے بعد نتیجے کا انکار کرنا درست نہیں۔

اڑتالیسویں بحث: آمین کے متعلق فقہاء کے مذاہب

احناف و مالکیہ کے نزدیک آمین بالسر کہنا اولیٰ ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید بھی یہی ہے، جبکہ امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول قدیم یہ ہے کہ آمین بالجہر کہنا اولیٰ ہے:

فقال الحنفية ومالك والشافعي في الجديد ياتي بها سرا وقال الشافعي في القديم واحمد يجهر بها في الجهرية۔ (۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ اگر امام جہراً آمین کہے تو امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول یہ ہے کہ مقتدی جہراً نہ کہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور امام مالک رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے، اس لئے کہ آمین اذکار میں سے ایک ذکر ہے، پس اس کو جہراً نہ کہے جس طرح نماز کے دیگر اذکار (سراً کہے جاتے ہیں اسی طرح آمین بھی سراً کہے) امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم یہ ہے کہ آمین جہراً کہی جائے اور

---

(۱) أوجز المسالك إلى موطا امام مالك: كتاب الصلاة، باب ماجاء في التامين خلف الامام: ج۲ ص۹۲

Marfat.com

یہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب ہے:

وإن أمَّن الإمام جهرًا فالجديد أنه لا يجهر المأموم وهو مذهب أبي حنيفة، ورواية عن مالك، لأنه ذكر من الأذكار فلا يجهر به كسائر أذكار الصلاة، والقديم أنه يجهر به وهو مذهب الإمام أحمد بن حنبل۔ (۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور ہمارے اکابر علماء احناف کے نزدیک آمین سراً کہنا (اولیٰ) ہے، جب کہ شوافع کے ہاں جہراً کہنا (اولیٰ) ہے:

وإخفاؤها مذهب ساداتنا الحنفية وهو مذهب أمير المؤمنين علي كرم الله تعالى وجهه وعبدالله بن مسعود وعند الشافعية يجهر بها۔ (۲)

انچاسویں بحث: آمین بالسر سے متعلق روایات

۱......عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ۔

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" پڑھا اور آہستہ سے آمین کہی۔ (۳)

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۳۸

(۲) روح المعاني: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۲۹

(۳) سنن الترمذی: أبواب الصلاة، باب ما جاء فی التامين، ج۲ ص۲۷، رقم الحديث: ۲۴۸

Marfat.com

مذکورہ روایت پر چار اعتراضات

۱.....شعبہ سے اس روایت میں غلطی ہوئی انہوں نے حجر بن عنبس کے بجائے حجر عن ابی العنبس کہا۔

۲.....شعبہ نے حجر اور وائل کے درمیان علقمہ کا واسطہ بڑھایا ہے۔

۳.....شعبہ نے ''خفض بها صوته'' کے الفاظ نقل کیے جبکہ روایت میں ''مد بها صوته'' کے الفاظ ہیں۔

۴.....علقمہ اپنے والد کی وفات کے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوئے انہوں نے اپنے والد سے کس طرح یہ روایت سنی؟

ان تمام اعتراضات کے تسلی وتشفی بخش جوابات محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے ''معارف السنن'' نے میں ذکر کیے ہیں، دیکھئے تفصیلاً:

(معارف السنن: کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی التامین، ج۲ ص۴۰۲ تا ۴۰۷)

۲.....عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعْتُهُ حِينَ قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ-وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ۔ (۱)

حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی، آپ نے ''غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ'' کے بعد پست آواز سے آمین کہی۔

۳...عن علقمة بن وائل عن ابيه: انه صلى مع النبي صلى الله عليه

---

(۱) سنن الدار قطني: كتاب الصلاة، باب التأمين في الصلاة، ج۲ ص۱۲۸، رقم الحديث: ۱۲۷۰

Marfat.com

وسلم حين قال: غير المغضوب عليهم و لا الضالين قال آمين يخفض بها صوته۔ هذا حديث صحيح على شرط الشيخين و لم يخرجاه، وقال الذهبي: على شرط البخاري ومسلم۔ (۱)

حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی، آپ نے ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ'' کے بعد پست آواز سے آمین کہی، یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین کی شرائط پر ہے۔

۴.....عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَا يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ وَلَا بِالتَّعَوُّذِ وَلَا بِالتَّأْمِينِ۔ (۲)

حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما تسمیہ، تعوذ اور آمین جہر کے ساتھ نہیں کہتے تھے۔

۵.....علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۶ھ) نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ کہے: ۱.....تعوذ۔ ۲.....تسمیہ۔ ۳..... آمین۔ ۴.....تحمید:

قال عمر بن الخطاب: يخفي الإمام أربعًا: التعوذ، وبسم الله الرحمن الرحيم، وآمين، وربنا لك الحمد۔ (۳)

---

(۱) المستدرك على الصحيحين: كتاب التفسير، سورة الفاتحة، ج۲ ص۲۵۳، رقم الحديث:۳۲۱۳

(۲) شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب قراءة بسم الله في الصلاة، ج۱ ص۲۰۳، رقم الحديث: ۱۲۰۸

(۳) المحلى بالآثار: كتاب الصلاة، أوقات الصلاة، مسألة فرض على كل مصل أن يقول إلخ، ج۲ ص۲۸۰

Marfat.com

۶..... عن علقمة والأسود كلاهما عن عبد الله بن مسعود قال: يخفي الإمام ثلاثا: الاستعاذة، وبسم الله الرحمن الرحيم، وآمين۔ (۱)

حضرت علقمہ اور اسود دونوں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: امام تین چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے:

۱.....تعوذ۔ ۲.....تسمیہ۔ ۳.....آمین۔

۷..... عن إبراهيم قال خمس يخفين: سبحانك اللهم وبحمدك، والتعوذ، وبسم الله الرحمن الرحيم، وآمين، واللهم ربنا لك الحمد۔ (۲)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں آہستہ کہی جاتی ہیں: ۱..... ثناء۔ ۲.....تعوذ۔ ۳.....تسمیہ۔ ۴.....آمین۔ ۵.....تحمید۔

۸...روى عن النخعي والشعبي وإبراهيم التيمي كانوا يخفون بآمين۔ (۳)

امام نخعی، امام شعبی اور ابراہیم تیمی رحمہم اللہ آہستہ آواز سے آمین کہتے تھے۔

۹..... أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم قال: أربع يخافت به الإمام: سبحانك اللهم وبحمدك، والتعوذ من الشيطان، وبسم الله الرحمن الرحيم، وآمين، قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبي حنيفة۔ (۴)

---

(۱) المحلى بالآثار: كتاب الصلاة، اوقات الصلاة، مسألة فرض على كل مصل ان يقول إلخ، ج۲ ص۲۸۰

(۲) مصنف عبد الرزاق: كتاب الصلاة، باب ما يخفي الإمام، ج۲ ص۸۷، رقم الحديث: ۲۵۹۷

(۳) الجوهر النقي: كتاب الصلاة، باب جهر الإمام بالتامين، ج۲ ص۵۸

(۴) كتاب الآثار: باب الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، ج۱ ص۱۶۲، رقم الحديث: ۸۳

Marfat.com

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی امام ابوحنیفہ نے بروایت حماد حضرت امام نخعی رحمہم اللہ سے انہوں نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے: ا.....ثناء۔ ۲.....تعوذ۔ ۳.....تسمیہ۔ ۴.....آمین۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو ہم لیتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق جانبین کے دلائل، فریقِ مخالف کے دلائل کے جوابات، روایات کے متعلق فقہی مباحث، متعدد طرق سے مروی روایات اور ان کی اسنادی حیثیت کی وضاحت، متعارض فیہا روایات کے درمیان دفعِ تعارض، احناف کے مسلک کی وجہ ترجیحات، موضوع کے متعلق سیر حاصل مباحث کے لئے اہلِ علم حضرات ان کتابوں کی طرف مراجعت فرمائیں:

ا.....عمدة القاري: كتاب الآذان، باب جهر الإمام بالتأمين، ج٦ ص٤٧ تا ٥٣

٢..... بذل المجهود: كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الإمام، ج٥ ص١٥٠ تا ١٦٦

٣..... فيض الباري: كتاب الآذان، باب جهر الإمام بالتأمين، ج٢ ص٣٦٢ تا ٣٦٨

٤..... العرف الشذي: أبواب الصلاة، باب ما جاء في التأمين، ج١ ص٢٥٥ تا ٢٦٠

٥..... أوجز المسالك: باب ما جاء في التأمين خلف الإمام، ج٢ ص١٤٥ تا ١٥٢

٦.....إعلاء السنن: كتاب الصلاة، باب ما جاء في سنية التأمين والإخفاء بها، ج٢ ص٢٤٥ تا ٢٦٠

٧..... فتح الملهم: كتاب الصلاة، باب التسميع والتحميد

Marfat.com

والتأمين، ج۳ ص۳۳۳ تا ۳۴۳

۸..... معارف السنن: أبواب الصلاة، باب ما جاء في التأمين، ج۲ ص۳۹۸ تا ۴۴۴

۹..... تجلیات صفدر: تحقیق مسئلہ آمین، ج۳ ص۱۰۸ تا ۱۵۲

۱۰..... درس ترمذی: أبواب الصلاة، باب ما جاء في التأمين، ج۱ ص۵۱۲ تا ۵۲۶

۱۱..... حدیث اور اہل حدیث: إخفاء التأمين، ج۳۶۸ تا ۳۹۰

اخفاء الدعاء کے دس اہم فوائد

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے اور دعا میں اصل اخفاء ہے، حضرت نے دعا سراً کہنے کے دس اہم فوائد نقل کئے ہیں، دیکھئے تفصیلاً:

(التعليق الصبيح على مشكاة المصابيح: كتاب الصلاة، باب القراءة في الصلاة، ج۱ ص۵۱۰ تا ۵۱۳)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ سورت کا اول حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ ہدایت ہے اور آخری حصہ نعمت ہے، بندے کو نعمت میں سے اس قدر حصہ ملتا ہے جس قدر حصہ اس کو ہدایت میں سے ملا ہے اور ہدایت میں سے اس قدر حصہ ملتا ہے جس قدر حصہ اس کو رحمت میں سے ملا ہے:

فأول السورة رحمة وأوسطها هداية وآخرها نعمة وحظ العبد من النعمة على قدر حظه من الهداية وحظه منها على قدر حظه من الرحمة۔ (۱)

---

(۱) بدائع التفسير: سورة الفاتحة، ج۱ ص۱۰۹

Marfat.com

لفظِ ''لا'' کے بجائے ''غیر'' کے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ ''لا'' کا استعمال اثبات کے بعد ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے ''جاء نی العالم لا الجاھل'' میرے پاس عالم آیا جاہل نہیں آیا۔

یہ ''لا'' عطف کے لئے آتا ہے لیکن غیر اپنے ماقبل کا تابع ہوتا ہے اس میں وصفی معنی پائے جاتے ہیں اور ''لا'' کے ہم معنی نہیں ہے۔ یہاں عطف کے بجائے صفت کے معنی زیادہ مناسب ہے۔ عطف اور وصف کے فرق کو سمجھ لینے سے اس آیت کی لطافت واضح ہو جائیگی ''لا المغضوب علیھم'' کے معنی اس سے زیادہ نہ ہوں گے کہ ''مغضوب علیھم'' سے ''صراط'' کی نسبت سلب کر لی جائے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''جاء نی العالم لا الجاھل'' اس کے معنی بس اتنے ہی ہیں کہ عالم کے لئے مجیئت (آنا) ثابت اور جاہل سے اس فعل کی نفی کر دی جائے مگر غیر اپنے سے پہلے کلمہ کی صفت ہوتا ہے اس طرز بیان سے دو وصف حاصل ہوئے۔

ایک وصف ثبوتی ''منعم علیھم'' دوسرا سلبی ''غیر المغضوب علیھم'' ذریعہ جو فائدہ حاصل ہو سکتا تھا وہ بھی حاصل ہو گیا۔ اور ساتھ ہی مزید حمد وثناء ثابت ہو گئی، اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اہلِ ایمان غضب والوں سے قطعاً مختلف ہیں، وہ غضب کے مستحق نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ غیر یہاں بطور صفت کے لایا گیا ہے نہ کہ بصورتِ استثناء، دوسری حالت میں وصفی معنی فوت ہو جاتے جو کہ اصل مقصود ہیں۔

دوسرا فائدہ: اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم ہی انعام یافتہ ہیں مسلمان نہیں، تو اس کے جواب میں کہا گیا کہ انعام یافتہ تم نہیں بلکہ تمہارے غیر ہیں، اور مسلمانوں سے خطاب ہے کہ نعمت والے تم ہو نہ تمہارے غیر، یہاں لفظ غیر پوری طرح مغایرت (اجنبیت) کو بتلا رہا ہے۔

Marfat.com

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اس آیت میں یہود ونصاریٰ کا صراحتاً نام نہیں لیا گیا ہے، ان کے وصف کو بیان کیا گیا ہے، اس سے ان کی صفات مغضوبیت وضلالت کو بے نقاب کرنا مقصود ہے، اور یہ کہ ان کی راہ، انعام یافتہ مؤمنین کی راہ سے بالکل الگ ہے اس لئے کہ انعام کامل، غضب وضلال کے یکسر منافی ہے، یہ انعامِ کامل کسی مغضوب علیہ اور ضال کے لئے ثابت نہیں ہوسکتا۔ (۱)

لفظ ''غَیْرِ'' بیک وقت دو معنی کے لئے آتا ہے۔

۱......ایک تو نفی کے لئے ہے۔ ۲......مغایرت کے اثبات کے لئے، تو اب منعم علیہم اور مغضوب میں مغایرت کو بھی ثابت کررہا ہے اور ساتھ ساتھ مغضوب کی نفی بھی کررہا ہے، اب جب لفظِ غَیْـرِ میں نفی کا معنی بھی ہے تو پھر لفظِ ''لَا'' کو تاکید کے طور پر آگے ذکر کیا۔ لفظِ ''لَا'' میں صرف نفی کا معنی ہوتا ہے مغایرت کا نہیں ہوتا۔

''لَا الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ'' نہیں فرمایا اس لئے کہ حرف ''لَا'' فقط ماقبل کی نفی کیلئے آتا ہے اس صورت میں کلام کے یہ معنی ہوئے کہ اے اللہ ہم کو اہلِ انعام کا راستہ بتلا، نہ کہ اہل غضب کا، اور لفظِ غیر ماقبل کی نفی اور مغایرت دونوں پر دلالت کرتا ہے، فرق اتنا ہے کہ مغایرت پر صراحتاً اور نفی ماقبل پر ضمناً اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ اے اللہ! ہم کو اہلِ انعام کا راستہ بتلا، جن کا راستہ اہلِ غضب اور اہلِ ضلال کے راستے سے بالکل مغایر اور مباین ہو، خود اہلِ انعام اور ان کا راستہ غضب اور ضلال کے شائبے سے بالکلیہ پاک ہے۔ (۲)

اہلِ غضب کے لئے اسم مفعول اور اہلِ ضلال کے لئے اسم فاعل کا صیغہ اختیار کرنے میں کیا حکمت ہے؟

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر بات ہے کہ اہل غضب وہ ہیں جن

(۱) بدائع الفوائد: سورة الفاتحة، ج۱ ص ۷۵

(۲) معارف القرآن کاندھلوی: سورہ فاتحہ، ج۱ ص۳۱، ۳۲

Marfat.com

پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ ان کو مغضوب کہنا ہی صحیح ہے باقی رہے اہل ضلال تو یہ خود گمراہ ہوئے اور گمراہی کو انہوں نے پسند کیا، یہاں ''ضَالّ'' لانا مناسب تھا اور یہ وجہ بھی ہے کہ مضلین (گمراہ کئے گئے) کہنے کی صورت میں ان کے لئے ایک قسم کا عذر کا پہلو نکل آتا کہ خود گمراہ نہیں ہوئے بلکہ گمراہ کئے گئے ہیں۔ مگر یہ بھی واضح رہے کہ اس توجیہ کی بناء پر منکرین تقدیر (قدریہ) کے لئے استدلال کی گنجائش نہیں ہے اس آیت کا منشا یہ ہے کہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے۔ لیکن اضلال کی اصل نسبت اللہ کی طرف ہے۔ (کیونکہ اسبابِ ضلال کا خالق وہی ہے) اس آیت میں فرقہ جبریہ کا بھی رد ہے۔ جو بندے کی طرف کسی فعل کی نسبت کو حقیقتاً جائز قرار دیتے۔ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ'' سے قدریہ کی تردید ہوگئی۔ چنانچہ اس پوری آیت میں قدریہ اور جبریہ کے عقائد فاسدہ کا ابطال موجود ہے اور ساتھ ہی مذہب اہلِ حق اہل سنت کی تائید و نصرت کا بھی واضح بیان ہے۔ اصل میں اہلِ حق ہی کا مسلک صحیح ہے جو کہ بلحاظ توحید و خلق، تقدیر و قدرت کے قائل ہیں اور عمل و کسب کے اعتبار سے بندوں کے افعال کی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں۔ اس آیت سے تقدیر، شریعت، قیامت اور نبوت سب ثابت ہو گئے، نبوت کا ثبوت اس طرح ہوا کہ نعمت اور غضب عذاب و ثواب کا دوسرا نام ہے اور نعمت والے انبیاء کرام اور ان کے پیروکار ہی ہیں۔ متبعین کو جو کچھ بھی ہدایت ملی ہے وہ انبیاء کرام کے ذریعے ہی سے ملی ہے کیوں کہ انسان کی نجات کے لئے اللہ کی ہدایت ضروری ہے اور یہ ہدایت انبیاء کرام کی راہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، اس دلیل سے وضاحت و اختصار کے ساتھ نبوت ثابت ہوگئی، یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اس کا پھل وہ کامل نعمت ہے جو دار النعیم جنت میں حاصل ہوگی اور اس کی مخالفت کا بھی ایک ثمرہ ہے اور وہ دائمی بدبختی کی صورت میں غضب الٰہی کا نزول ہے۔ غور کیجیے کہ یہ سورت باوجود اختصار کے دین کے کتنے عظیم اور اہم مطالب پر مشتمل ہے۔ (۱)

---

(۱) بدائع الفوائد: سورة الفاتحة، ج ۱ ص ۸۳

Marfat.com

''مغضوب علیھم'' کو ''ضآلین'' پر کیوں مقدم کیا؟

یہ تقدیم چند وجوہ کی بنا پر ہے:

۱.....مغضوب علیھم (یہود) بلحاظ زمانہ مقدم ہیں۔

۲.....یہود مدینہ میں آپ کے پڑوس میں آباد تھے، نصاریٰ کی بستیاں دور تھیں۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن میں یہود سے زیادہ خطاب کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ، آل عمران، مائدہ ان سورتوں میں غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

۳.....یہود کا کفر بہ نسبت نصاریٰ کے زیادہ سخت ہے، اس لئے غضب، لعنت اور عقوبت خاص طور سے ان پر مسلط ہے۔ ان کا کفر سرکشی اور بغاوت کی راہ سے آیا ہے، ان کی روش سے بچانے کے لئے لازمی تھا کہ ان کا ذکر پہلے کیا جاتا، اور یہ بات بھی اظہر ہے کہ ناواقف مجرم اور جان بوجھ کر سرکشی کرنے والے دونوں یکساں نہیں ہو سکتے۔

۴.....اس سے پہلے منعم علیھم کا ذکر ہو چکا ہے۔ غضب انعام کی ضد ہے، لہٰذا متصلاً ذکر، علم بلاغت کے لحاظ سے صفت، مقابلہ اور ازدواج کا حسن پیدا کر رہا ہے جو ضالین کے پہلے لانے سے حاصل نہ ہوگا۔(۱)

حرفِ واو کے ہوتے ہوئے پھر حرفِ ''لَا'' کا اضافہ کیوں کیا؟

''وَلَا الضَّآلِّیْنَ'' میں حرفِ عطف یعنی حرفِ واو کے ہوتے ہوئے حرفِ ''لَا'' کا اس لئے اضافہ کیا کہ اہلِ انعام کے راستے کا اہلِ غضب اور اہلِ ضلال کے راستے سے فرداً فرداً اور علیحدہ علیحدہ مغایر ہونا معلوم ہو جائے۔ ''وَلَا الضَّآلِّیْنَ'' سے اگر حرف ''لا'' کو حذف کر کے ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ وَالضَّآلِّیْنَ'' کہا جائے تو مجموعہ فریقین کے راستے سے اہلِ انعام کے راستے کا مغایر ہونا مفہوم ہوگا، اہل انعام کے راستے کا ہر واحد سے علیحدہ

(۱) بدائع الفوائد: سورۃ الفاتحۃ، ج۱ ص ۸۲

Marfat.com

علیحدہ مغایر ہونا معلوم نہ ہوگا، اور ظاہر ہے کہ مجموع من حیث المجموع کی مغایرت ہر واحد کی مغایرت کو مستلزم نہیں۔ ہاں ہر واحد کی مغایرت مجموع من حیث المجموع کی مغایرت کو بالاولویت مستلزم ہے۔(۱)

لفظ ''لا'' کو ذکر کرنے کے فوائد

لفظ واو مطلق جمع کے لئے آتا ہے خواہ وہ جمعیت علی سبیل الاقتران ہو یا علی سبیل التعاقب ہو یا علی سبیل التباعد ہو، اب جب ''جاء نی زید وعمرو'' کہا جائے تو اس میں تینوں احتمالات ہوں گے، اب اگر ''ماجاء نی زید وعمرو'' کہا جائے تو مقصود تینوں احتمالات کی نفی کرنا ہوگا لیکن چونکہ واو مطلق جمعیت کے لئے آتا ہے اس پر یہ توہم ہوگا اس میں جمعیت کاملہ کی نفی ہے علی سبیل التباعد والتعاقب کی نفی نہیں ہے اس لئے اس وہم کو دور کرنے کے لئے لفظ ''لا'' لاکر اس نفی کی تاکید کردی، اب مطلب ہوگا ''ماجاء نی زید ولا عمرو'' زید وعمرو نہ تو ایک وقت میں آئے نہ علی سبیل التعاقب نہ علی سبیل التباعد آئے تو لفظِ ''لا'' کو نفی سابق کی تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔

''لا'' کے لانے میں چار اہم فوائد ہیں:

۱.....اس کے ذریعے سے غیر میں جو نفی کے معنی پائے جاتے ہیں، اس کی تاکید ہو جاتی ہے۔ اگر غیر میں نفی کے معنی نہ ہوتے تو پھر ''لا'' کے ساتھ حرفِ عطف واو کا لانا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

۲.....''لا'' کے اضافہ سے یہ فائدہ ہوا کہ انعام یافتہ گروہ کی راہ، یہود ونصاریٰ دونوں میں سے ہر ایک کی راہ سے الگ ہے یہاں فرداً فرداً مغایرت ثابت ہوگئی۔ ''لا'' کے نہ لانے کی صورت میں یہ وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ دونوں گروہوں سے مجموعی طور پر غیرت مقصود ہے نہ کہ ہر ایک سے علیحدہ۔

---

(۱) معارف القرآن کاندھلوی: سورہ فاتحہ، ج ۱ ص ۳۲

Marfat.com

اس وہم کو دور کرنا مقصود ہے کہ ''ضالین ، مغضوب علیھم'' کی صفت ہے۔ایسا ہوا کرتا ہے کہ ایک ذات کی چند صفتوں کے درمیان حرف عطف لے آیا کرتے ہیں۔(ملاحظہ ہوں،سورۂ مؤمنون کی ابتدائی چند آیات)

جب ''لا'' یہاں داخل ہو گیا تو معنی یہ ہوئے کہ دونوں وصف دو گروہوں سے الگ الگ تعلق رکھتے ہیں اور دونوں مقصود بالذکر ہیں۔اس مقام پر ''لا'' ''غیر'' پر چند وجوہ کی وجہ سے فوقیت رکھتا ہے:

۱.....حرف کم ہیں۔ ۲.....تکرار نہیں۔

۳.....''غیر'' کے دوبار لانے سے زبان پر ثقل ہو جاتا، درمیان میں صرف ایک کلمہ مغضوب ہی کا فصل ہوتا،عبارت کے اس بھونڈے پن سے کسے انکار ہو سکتا ہے؟

۴.....''لا'' کے ساتھ عطف کرنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ صراط مستقیم والوں سے غضب اسی طرح دور ہے جس طرح ان سے ضلال منتفی (دور) ہے۔اگر چہ غیر نے اس نفی کو بتلایا ہے،مگر ''لا'' نفی کے معنی میں زیادہ زوردار ہے۔[1]

پچاسویں بحث: سورہ فاتحہ میں بلاغت کے گیارہ عمدہ نکات

المبالغة فی الثناء علی الله وذلك لعموم "ال" فی الحَمْدُ علی التفسیر الذی مر،الاتیان بالرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ عقب اتصافه برَبِّ العَالَمِینَ لافادة الترغیب بعد الترهیب فیکون أرغب للعبد علی الطاعة وامنع من المعصیة، تقدیم المعمول علی عامله فی قوله إِیَّاكَ نَعْبُدُ لإفادة الحصر .والا ختصاص،الاضافة لأدنی ملابسة فی

(۱) بدائع الفوائد: سورة الفاتحة، ج۱ ص ۸۴

Marfat.com

"يوم الدين" كإضافة السائر الظروف إلى ما وقع فيها من الحوادث كيوم الأحزاب، تقديم العبادة على الاستعانة فى إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ليوافق رؤس الآية وليعلم أن تقديم الوسيلة على طلب الحاجة ادعى إلى الإجابة، الالتفات من الغيبة فى قوله الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ إلى الخطاب فى قوله إِيَّاكَ نَعْبُدُ،الاستعارة التصريحية الأصلية فى قوله اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ حيث شبه دين الإسلام بالطريق الحسي بجامع ان كلا يوصل إلى المقصود واستعير اسم المشبه به للمشبه،طلب الشيء مرادا به طلب دوامه واستمراره فى قوله اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اى ثبتنا عليه،تفسير والبيان فى قوله صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بعد الإبهام فى قوله اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ لأنه أوقع فى النفس، "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ" حيث لم يقل غير الذين غضبت عليهم تعليما لعباده الأدب، حيث أسند الخبر إلى نفسه وأبهم فى الشر نظير قوله تعالى "فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا" وقوله "وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ" زيادة لَا فى قوله "وَلَا الضَّالِّينَ" لتاكيد النفى المستفاد من غير۔ (١)

١.....اللہ تعالیٰ کی تعریف میں مبالغہ اور عموم کے لئے "الحمد" کے شروع میں الف لام کوذکر کیا۔

٢....."رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" کے بعد "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کوذکر کیا یہ ترغیب بعد الترہیب ہے پس اس طرح سے اسلوب اپنانے سے بندہ اطاعت کی طرف زیادہ راغب ہوتا ہے اور معصیت سے خوب بچتا ہے۔

---

(١) حدائق الروح والريحان: سورة الفاتحة، البلاغة، ج١ ص٩١، ٩٢

Marfat.com

۳..... ''اِیَّاكَ نَعْبُدُ'' میں معمول کو عامل پر مقدم کیا حصر اور اختصاص کے فائدے کے لئے۔

۴..... ادنی مناسبت کی وجہ سے لفظ یوم کی دین کی طرف اضافت کی ہے جس طرح دیگر ظروف کی اضافت کی جاتی ان کی طرف جس میں وہ حوادث واقع ہوئے ہیں، جیسے ''یوم الأحزاب'' (جماعتوں والا دن)۔

۵..... عبادت کو استعانت پر مقدم کیا ہے تاکہ رؤس آیات (یعنی آیات کا آخر باعتبار سجع) کے موافق ہو جائے، تاکہ بندے کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وسیلے کو مقدم کرنا طلب حاجت پر یہ قبولیت کی طرف زیادہ داعی ہے۔

۶..... غائب یعنی ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' سے خطاب ''اِیَّاكَ نَعْبُدُ'' کی طرف التفات ہے۔

۷..... ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' میں استعارہ تصریحیہ اصلیہ ہے، اس طور پر کہ دین اسلام کو جس راستے (یعنی وہ راستہ جو حواس کے ذریعے معلوم ہو جیسے حسی راستہ آنکھوں سے دیکھ کر معلوم ہوتا ہے) کے ساتھ تشبیہ دی ہے، وجہ تشبیہ یہ ہے کہ ان میں ہر ایک انسان کو مقصود و منزل تک پہنچاتا ہے، مشبہ بہ (صراط) کو مشبہ کے لئے بطور استعارہ کے استعمال کیا ہے۔

۸..... شی کے طلب کرنے سے دوام اور استمرار کا ارادہ کیا ہے جیسے ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' میں ابہام تھا، اس کے بعد ''صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ'' میں ماقبل کی تفسیر اور وضاحت ہے، یہ اسلوب (یعنی تفصیل بعد الابہام) اس لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ یہ اوقع فی النفس ہے (یعنی اس طرز سے مضمون ذہن میں بیٹھ جاتا ہے اور یاد رہتا ہے)۔

۱۰..... اللہ تعالیٰ نے ''غَضِبْتَ عَلَیْهِمْ'' نہیں فرمایا اس میں بندوں کو ادب کی تعلیم دینی ہے، اس طور پر کہ خیر کی نسبت (اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ) اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے اور شر کی نسبت کو مبہم رکھا ہے، اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ''فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا'' میں نے چاہا کہ اس کشتی کو عیب دار کر دوں۔ اسی طرح ''وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ'' جب میں بیمار

Marfat.com

ہوتا ہوں تو وہ اللہ ہی مجھے شفاء دیتا ہے۔ (پہلی آیت میں عیب کی نسبت حضرت خضر علیہ السلام نے اپنی طرف کی، اور دوسری آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرض کی نسبت اپنی طرف کی جب کہ شفاء کی نسبت اللہ کی طرف کی)۔

۱۱..... ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ'' میں لفظ غیر سے جو نفی مستفاد ہو رہی ہے اس کی تاکید کے لئے ''وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' میں لفظ ''لَا'' کا اضافہ کیا ہے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

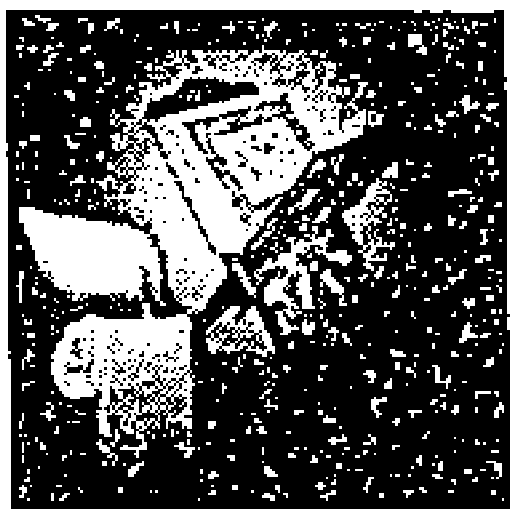

جدید اضافہ وتخریج شدہ ایڈیشن

قواعد التفسیر

فہم تفسیر کے متعلق ہزاروں اوراق کے مطالعہ کے بعد
۱۶۶ اہم قواعد پر مشتمل اہل علم کیلئے نایاب تحفہ

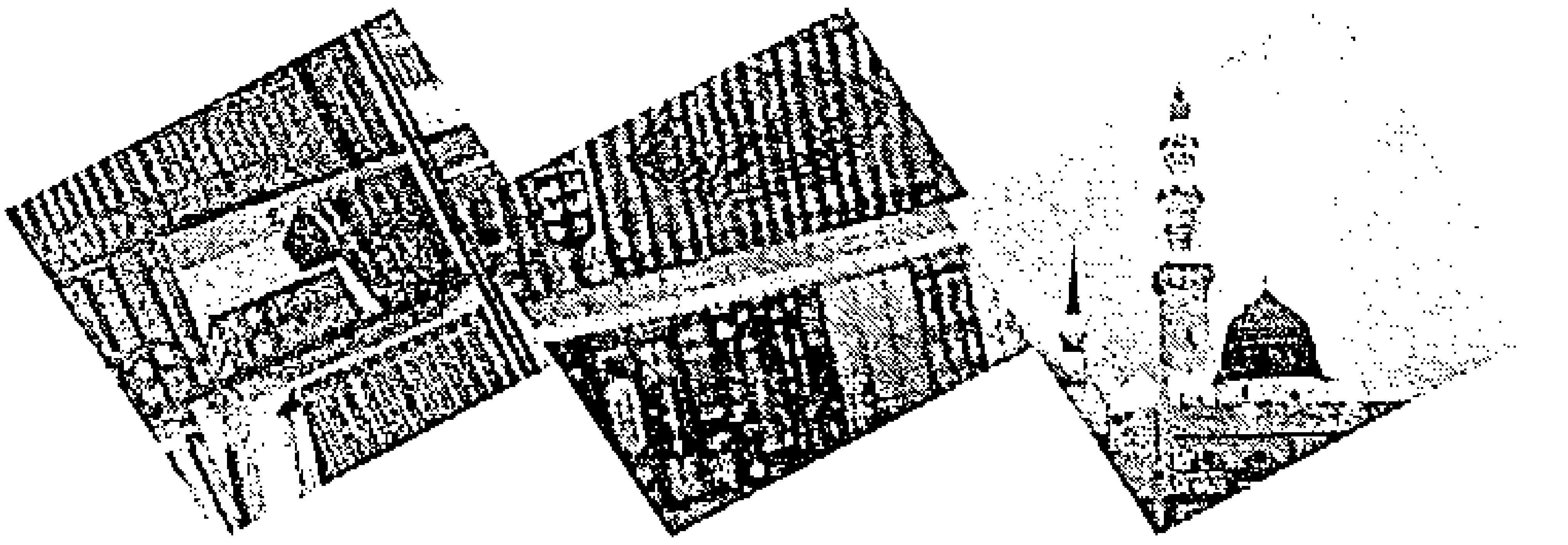

تالیف
مولانا محمد نعمان
فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا محدثانہ مقام

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی سوانح، آپ کی تابعیت، شہر کوفہ کی قدر و منزلت، دس محدثین اساتذہ و تلامذہ کا تعارف، امام اعظم کی جلالت شان سوا کابر اہل علم کی نظر میں، آپ کے اصول حدیث، فن حدیث اور رجال میں مہارت، کتاب الآثار کا تفصیلی تعارف، انتیس مسانید اور انکے مصنفین کا تعارف، صحابہ سے روایت حدیث، محدثین کی نظر میں آپ کی بلند پایہ فقاہت کا بیان، تالیفات امام اعظم، فقہ حنفی کے خصائص و امتیازات، آپ پر نقد و جرح اور اس کے تفصیلی جوابات، آپ کی ذکاوت کے پچاس دلچسپ واقعات، ۲۰۰۰ سے زیادہ حوالہ جات سے مزین کتاب

تالیف

مولانا محمد نعمان

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی۔

دار الناشر

حق سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور 0333-8335011

Marfat.com